

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شعبائے زندگی میں دین کا احیاء

اسلامی طریقہ تجارت

(دو سرائے)

معاش و انفاق، اسلامی تجارت کی اہمیت، مقصد اور اس کے فضائل اور
انتظامات کا اسلامی طریقہ، مروجہ اور اسلامی طرز انتظامات کا فرق

(چند علماء و رفقاء کی جماعت)

پیر، ۲۸ مارچ، ۲۰۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شعبہائے زندگی میں دین کا احیاء

اسلامی طریقہ تجارت

معاش و انفاق، اسلامی تجارت کی اہمیت، مقصد اور اس کے فضائل اور
انتظامات کا اسلامی طریقہ، غیروں اور اسلامی طرز انتظامات کا مندرجہ

فہرست مضامین

باب نمبر آٹھ	30
معاش کی اہمیت و ذرائع	30
اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-	30
تمہید:	30
اسلام کا مالیاتی نظام	31
رب اور بندہ کا تعلق	31
اسلام کی اقتصادیات کا بنیادی تخیل	34
مال و دولت اور قرآنی تعلیم	36
(مارا کیت من تبدیر الا وفی جنبہ حق مضیع)	41
"میں نے کوئی فضول خرچی ایسی نہیں دیکھی جس کے ساتھ یا اس کے مقابلے میں کوئی حق تلفی نہ ہوئی ہو"۔	41
پہلی فصل: معاش کا تعارف	47
معاش کے لغوی	47
معاش کے لغوی معنی رزق، خوراک، روزی، اور وہ شے جس سے بسر اوقات کی جائے۔	47
معاش کی تعریف	47
معاش کے مقاصد	47
معاش کی نیت 49	
دوسری فصل: مال کی حقیقت (مال کے فوائد و نقصانات)	52

- 52 مال کی حقیقت کیا ہے؟
- 52 مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے یہ تریاق بھی ہے اور زہر بھی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ
- 54 مال کے فوائد
- 54 دنیاوی فوائد
- 54 دنیاوی فوائد تو ہر شخص جانتا ہے اور اس کیلئے ساری دنیا مر مٹ رہی ہے۔
- 54 دینی فوائد
- 54 دینی فوائد تین ہیں:
- 56 مال کے نقصانات
- 56 فائدہ:
- 58 دینی نقصانات
- 59 دنیاوی نقصانات
- 59 مال کے نقصانات سے بچنے کا حل
- 61 تیسری فصل: معاش کی اہمیت
- 61 آیات قرآنیہ
- 61 احادیث مبارکہ
- 62 معاش کا حصول فرائض کی ادائیگی میں معاون ہے
- 62 کمانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے
- 63 صحابہ کرام کا کسب معاش
- 64 محدثین، مفسرین اور ائمہ کرام کا کسب معاش
- 64 حصول معاش کے چند آداب
- 64 ۱. دن میں حصول معاش کی کوشش فطری ہے
- 65 ۲. حلال روزگار نہ چھوڑیں
- 66 چوتھی فصل: معاش کا درجہ اور اس کے متعلق افراط و تفریط
- 66 پہلی غلط فہمی (معاش کو بنیادی مسئلہ بنالیا گیا ہے)
- 68 دوسری غلط فہمی ایمان و توکل اور کمائی سے متعلق احکامات سمجھنے بغیر کمائی و معاش میں لگنا
- 70 تیسری غلط فہمی (کسب یعنی کمائی اور پیسہ بنانے و دولت جمع کرنے کے درمیان فرق نہ کرنا)

71	 (ماخوذ از کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۲۷۱ تا ۲۷۰)
71	 چوتھی غلط فہمی (انسان اپنی سمجھداری سے کماتا ہے)
72	 پانچویں غلط فہمی (یقین و توکل کے زعم میں ترک معاش)
74	 چھٹی غلط فہمی (کماتا بھی تو عبادت ہی ہے)
74	 پہلی قسم: براہ راست عبادت
75	 دوسری قسم: بالواسطہ عبادت
75	 "حلال کماتا" بالواسطہ عبادت ہے
75	 کسب و کمائی کے درجے
75	 ۱. فرض:
75	 مسائل:
76	 ۲۰ مستحب:
76	 ۳۰ مباح:
76	 ۴۰ حرام:
76	 مسئلہ:
76	 کسب سے متنبی طبقات
77	 مذکورہ طبقات کی تکمیل ضروریات کی مختلف صورتیں
78	 پانچویں فصل: وسائل معاش (ان کا تعارف اور ان کا آپس میں مربوط ہونا)
78	 ذریعہ معاش
78	 ذریعہ معاش وہ مشغلہ ہوتا ہے جس میں لگ کر انسان اپنی معاشی ضروریات کے لئے اسباب کا انتظام کرتا ہے۔
78	 بنیادی ذرائع معاش
79	 ذریعہ معاش میں رائج و مرجوح
79	 ان کا مختصر تعارف اور اہمیت و حیثیت حسب ذیل ہے:
79	 تجارت
79	 تجارت کی فضیلت
80	 تعارف
80	 زراعت

80	تعارف
81	صنعت و حرفت
81	تعارف
82	اجارۃ (مزدوری اور کرایہ داری)
82	تعارف
82	حدیث:-
82	ذرائع معاش کے متفرق ہونے کی حکمتیں
84	مختلف ذرائع معاش کا باہمی ربط
84	تقسیم معیشت کا قدرتی نظام
85	تمام طبقات امت کا دین پر آنا ضروری ہے
87	چھٹی فصل: اجتماعی معاشی زندگی
87	ایک صالح و پاکیزہ معاشی ترتیب زندگی کی ضرورت
88	اسلام میں معاشیات کی اساس
88	اسلام کے معاشی نظام کے چند بنیادی اصول
90	ساتویں فصل: کسب معاش کے علاوہ آمدنی کے دیگر اسباب
90	۱. ایمان و اعمال صالحہ اور دین کے لئے جدوجہد
91	۲. اتفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ)
91	■ عمومی اتفاق
92	■ زکاۃ و صدقات
92	۳. تقویٰ
93	آ. اللہ تعالیٰ اسے بغیر کمائے مال دیں گے۔
93	ب. اللہ تعالیٰ تقویٰ والے کو بغیر مال کے چیزیں دیں گے۔
94	ت. بغیر چیزوں کے تقویٰ والے کی ضروریات پوری کر کے اس کی زندگی بنادیں گے۔
95	۴. توکل
95	مستبب الاسباب پر نظر ہو
96	۵. عبادت

96	(فضائل صدقات بحوالہ مشکوٰۃ، ابن ماجہ).....
96	۶. دعاء.....
96	۷. کثرت استغفار.....
97	۸۰. صلہ رحمی.....
98	۹. کمزوروں کی مدد.....
98	۱۰۰. دینی کام کرنے والوں کی اعانت.....
98	۱۱. شکر اور مرضیات ربانی کو بجا لانا.....
99	۱۲. صبر.....
99	(معارف الحدیث ج ۲، ص ۲۹).....
100	۱۳. نماز.....
100	۱۴. روزہ.....
100	۱۵. حج و عمرہ.....
101	۱۶. اپنے فقر کو چھپانا.....
102	آٹھویں فصل: حرام مال کی نحوست اور بد انجامی.....
103	جب حلال و حرام کی تمیز اٹھ جائے گی.....
	حدیث کا مفہوم 103
104	حلال و حرام کی فکر پیدا کریں.....
104	حرام مال حلال مال کو بھی تباہ کر دیتا ہے.....
104	طلب "حلال" کی ہو.....
105	حرام کے پیسوں کا نتیجہ.....
105	عذاب کا سبب گناہ ہیں.....
106	یہ عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا.....
106	ترجمہ: "یعنی اس عذاب سے ڈرو، جو صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا"۔
	ربا (سود) 107
	غرر اور قمار 115
117	نویں فصل: اسلام میں معاش پر پابندیاں.....

۱-دینی پابندی	118
۲-اخلاقی پابندی	118
۳-قانونی پابندی	119
دسویں فصل: معاش سے متعلق دعائیں	121
(اخرجہ ابن عساکر کذا فی الكنز (ج ۱ ص ۲۹۳).....	123
ترجمہ: "اے اللہ مجھے رزق حلال دے اور مجھے اچھے عمل میں لگائے رکھ"	123
"اللہم ائی اعوذ بک من الفقر والفاقة والذلة واعوذ بک من ان اظلم او اظلم"	126
ترجمہ: "اے اللہ! میں فقر و فاقہ سے اور ذلت سے اور ظلم بننے سے اور مظلوم بننے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"	126
تنگی معاش سے حفاظت کیلئے دعائیں	126
روزی میں وسعت کیلئے دعائیں	127
روزی میں برکت کیلئے دعائیں	127
قناعت کیلئے دعائیں	128
حلال روزی کے لیے دعائیں	130
تنگ دستی اور افلاس سے نجات کیلئے دعائیں	132
باب نمبر نو	136
انفاق	136
اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں۔	136
پہلی فصل: انفاق کی تعریف اور بنیاد	136
انفاق کی تعریف	136
انفاق کی بنیاد	137
دوسری فصل: تقسیم مال کے مقاصد	139
۱۰ ایک قابل عمل ترتیب معیشت کا قیام	139
۲۰ حق کا حقدار کو پہنچانا	139
۳۰ ارٹکار دولت کی بیخ کنی	140
تیسری فصل: انفاق و مال خرچ کرنے کی اہمیت اور اس کے فضائل	141
انسان کا مزاج	141

- 142 دوسروں کو نفع پہنچانے کا مزاج کیسے بنے؟
- 144 آیات
- 146 احادیث
- 153 مال خرچ کرنے کے معاشرتی فائدے
- 153 مال و دولت کا عدم ارتکاز
- 153 ضرورت مندوں کی مالداروں سے محبت
- 154 مالداروں کی مال سے بے رغبتی
- 154 معاشرے میں ایک دوسرے کی ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ
- 154 دنیا میں دس گنا اور آخرت میں ستر گنا اور اس سے بھی زیادہ ہو کر واپس ملتا ہے۔
- 155 خرچ کرنے سے مال پر ہلاکت سے بچاؤ
- 156 چوتھی فصل: بخل کی مذمت
- 160 بخل سے حفاظت کے لیے دعائیں
- 162 پانچویں فصل: مصارف اتفاق
- 163 (۱) اقامت دین و اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے خرچ کرنا
- 163 (ب) عامۃ الناس اور مخلوق خدا پر خرچ کرنا
- 163 ۱. ذوی الارحام
- 164 ب. اہل قرابت
- 165 ۲۰ پڑوسی
- 166 ۳۰ مہمان و مسافر
- 167 ۴۰ کمزور و حاجت مند طبقات
- 170 ۵. عام مسلمان
- 171 ۶. عموم انسانیت
- 172 ۷. جانوروں پر خرچ کرنا
- 173 (ت) ذاتی ضروریات پر خرچ
- 173 ضرورت کے کہتے ہیں؟

173	ضرورت "ضرر" سے ہے یعنی وہ چیز جسکے نہ ہونے سے ضرر یعنی نقصان ہوتا ہو۔
173	انسان کی بنیادی ضروریات
173	پانچ چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات کہلاتی ہے۔ ضرورت کے بقدر ان کا حصول لازم ہے۔
174	مقدار ضرورت اپنے اوپر خرچ کرنے میں بھی اثر ہے۔
174	ضرورت کی وہ مقدار جس پر حساب نہیں۔
175	ضروریات کی دو قسمیں ہیں:
175	• حالی ضرورت
175	• مآلی ضرورت
176	۸. اہل و عیال (بیوی بچوں) پر خرچ کرنا۔
177	بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی کم سے کم مقدار
177	(کسبِ حلال اور راہِ اعتدال ص ۲۳۸ تا ۲۴۰)
178	نازو نعمت میں گزر بسر کرنا موجبِ حساب تو ہے موجبِ عقاب نہیں۔
178	قناعت کی فضیلت اور اسکی ترغیب
179	چھٹی فصل: زکوٰۃ و انفاق کی اہمیت و آداب
179	زکوٰۃ کی اہمیت
180	{قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰ} (سورۃ الاعلیٰ: ۱۴)
180	ترجمہ: "بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا"۔
182	اسلامی نظامِ زکوٰۃ کی خصوصیات
182	"تَوَخَّذْ مِنْ أَغْنِيَانِهِمْ وَتَوَدَّ عَلَىٰ فَقَرَانِهِمْ"
185	مال خرچ کرنے کے آداب
186	مصارف مال کی صفات
188	ساتویں فصل: مال خرچ کرنے کی مقدار
188	۱۰ ایثار (اپنی ضرورت کو قربان کرنا اور دوسرے کی پوری کرنا)
189	۲۰ عفو (ضرورت سے زائد آمدنی کو دوسروں پر لگانا)
190	۳. نصف (مال کا نصف دوسروں پر لگانا)
190	۴. تہائی (آمدنی کا ایک تہائی دوسروں پر خرچ کرنا)

۵۔	دسواں حصہ (آمدنی کا دسواں حصہ دوسروں پر لگانا).....	191
۶۔	حسب توفیق واستطاعت دوسروں پر لگانا.....	191
۷۔	زکوٰۃ و عشر.....	193
	آٹھویں فصل: انفاق کی مختلف صورتیں.....	195
(۱)	قرض کی فضیلت اور اس کے متعلق ہدایات.....	195
	قرض کا معاملہ بڑا سنگین اور اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں.....	196
	قرض سے متعلق مسنون دعائیں.....	198
(۲)	ہدیہ تحفہ دینا، لینا.....	203
	ہدیہ دلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے.....	204
	ہدیہ کا بدلہ دینا.....	205
	وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہیئے.....	205
	ہدیہ دے کر واپس لینا.....	206
	کن لوگوں کو ہدیہ لینا منع ہے.....	206
(۳)	وقف فی سبیل اللہ.....	207
(۴)	وصیت.....	208
	باب نمبر دس.....	211
	تجارت کی اہمیت و مقصد اور اس کے فضائل.....	211
۱۔	پہلی فصل: تجارت کی تعریف و مقصد:-.....	211
۲۔	دوسری فصل: تجارت کے فضائل و اہمیت:-.....	211
۳۔	تیسری فصل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خرید و فروخت و تجارت.....	211
۴۔	چوتھی فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تجارتی بازار و منڈیاں:-.....	211
	پہلی فصل: تجارت کی تعریف و مقصد.....	211
	تجارت کی تعریف.....	211
	تجارت کے لغوی و اصطلاحی معنی.....	211
	تجارت کے متعلق آیات قرآنیہ.....	212
	تجارت کے متعلق احادیث نبویہ.....	212

213	تجارت کی نیت اور مقصد
214	ایک غلط فہمی کا ازالہ!
217	دوسری فصل: تجارت کے فضائل و اہمیت
219	کپڑے اور عطر کی تجارت کے فضائل
221	تیسری فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خرید و فروخت و تجارت
222	رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت و خرید و فروخت
222	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کے عرب قبائل سے تجارتی معاہدے
222	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر شام
223	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت میں لوگوں کی شمولیت
223	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تجارت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سرمایہ کاری
224	حضور پاک علیہ السلام کا بیچنا اور خریدنا
225	حضور پاک علیہ السلام کا تجارت کیلئے وکیل و نمائندہ بنانا
225	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تجارت
225	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ قریش کے سب سے بڑے تاجر
226	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجارت
226	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تجارت
226	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھجور کی تجارت بھی کی ہے۔
227	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجارت
227	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تجارت
227	حضرات صحابہ کرام کی تجارت کے متفرق واقعات
228	(شمال کبریٰ ج ۲، ص ۳۹)
229	تجارت کرنے والی صحابیات
232	چوتھی فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تجارتی بازار و منڈیاں
232	زمانہ جاہلیت کے بازار
232	اسلام میں بازار کی مشروعیت
233	غلط فہمی کا ازالہ

۱. بازار میں جانا اور خرید و فروخت کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے 233
۲. اہل علم و تقویٰ کا بازاروں میں جانا 234
۳. بازار اللہ کے دسترخوان ہیں 235
- مدینہ منورہ کے بازار 236
- ا. سوق زبالہ 236
- ب. سوق بنی قینقار 236
- مدینہ منورہ کی تجارتی منڈی میں اہمیت اور دوسرے شہروں کے ساتھ تجارتی تعلقات 236
- مدینہ منورہ میں جانوروں کی منڈیاں 237
- سوق مزاحم اور سوق بقیع الخلیل 237
- باب نمبر گیارہ 238
- مسلمان تاجر کی صفات اور اسلامی تجارت کے آداب 238
- پہلی فصل: مسلمان تاجر کی صفات:- 238
- پہلی فصل: مسلمان تاجر کی صفات 238
- آخرت کا فکر 247
- تاجروں کا اپنے شعبے سے متعلق علم دین سیکھنا 249
- { فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَبِيرَ الْعِلْمِ تَقْلِحُونَ } (الجمعة: ۱۰) 251
- یتیم کی خیر خواہی میں اس کے مال کو تجارت میں لگانا 259
- نرم مزاجی اور تجارت میں آسانی کرنا 263
- دنیا سے بے رغبتی اور زُحد 271
- (شمائل کبریٰ حصہ سوم ص ۵۰، مسلم) 274
- چنانچہ مسلمان تاجروں کو مصافحہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ 277
- لہذا ضروری ہے کہ اپنی تمام تر تجارتی مشغولیات و معاملات میں مسلمانوں کے اکرام کا پہلو ملحوظ نظر رہے اور ہمارے بازار بھی اکرام مسلم کے مناظر سے آباد ہوں۔
- 277
- (اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۵۹) 277
- خریدنے میں حسن معاملگی 278
- دیانت 278
- قرض کی ادائیگی کا اہتمام 279

279	قرض کا خیال:-
280	قرض داروں اور ادھار خریدنے والوں کو مہلت دینا:-
281	کل ادھار و قرضہ معاف کرنا یا قرض میں کمی کرنا
282	دوسرے کی جانب سے ادھار و قرض ادا کرنا
283	قیمت میں رعایت دینا
285	دوسرے کے معاملہ پر معاملہ کرنے سے اجتناب اور مقابلہ بازی سے بچنا
287	عیب دار چیز کی تجارت اور دھوکہ سے ممانعت
290	غیر موجود چیز کی تجارت کا حکم
294	امور مشتبہ سے بچنا
299	(ابو داؤد شریف ص ۲۰-باب فی علیہ السیف تباع بالدرہم)
305	ہنڈی پر مال دینا
305	انگل سے خریدنا اور بیچنا
305	غیر موجود چیز کی تجارت کا حکم
306	تجارت میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت
307	شراکت میں تجارت کرنا
307	مضاربت میں شرائط لگانا
307	ادھار خرید و فروخت کے چند آداب
308	امور مشتبہ سے بچنا
308	امت کی اجتماعی ضرورتوں کی وجہ سے مشورہ سے تجارت کو ترک کرنا
309	غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی تعلقات
309	دعاؤں کا اہتمام
312	دوسرے کو تجارت میں برکت کی دعا دینا
316	دوسری فصل: تجارت و صنعت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت نبویہ کو زندہ کرنا کیوں ضروری ہے؟
316	خرید و فروخت کے مسائل سیکھنا واجب ہے!
321	تیسری فصل: دینی لحاظ سے نگرانی کے لئے ضروری اقدامات و افرادی قوت
322	کام کے دوران نگرانی کی ضرورت اور اس کا فائدہ

324	تجارت میں دھوکہ سے محفوظ رہنے کیلئے نبوی نگرانی و معاونت
326	باب نمبر بارہ
326	تجارت و ذرائع معاش کے انتظامات
326	پہلی فصل: انتظامات
326	تعریف
326	اسلامی انتظامات کی بنیاد
327	اسلامی ترتیب پر انتظامات کا خلاصہ
328	دوسری فصل: منتظم کی صفات
329	منتظم و ذمہ دار کی صفات کا قرآن کریم میں تذکرہ
329	۱. قوت:
329	۲. امانت
329	۱۰ حسن سلوک و کردار:
330	۲. قول و فعل میں مطابقت:
330	۳. احساس ذمہ داری:
331	۴. عدل و انصاف
332	منتظمین میں مزید صفات
332	▪ اللہ کے احکامات کی ترویج
332	▪ عامۃ الناس سے میل جول
332	▪ سادگی، مشقت پسندی اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت
333	▪ ماتحتوں کا ہاتھ بٹانا
333	▪ مقصد کا واضح ہونا اور اس کے حاصل ہونے کا مکمل یقین
334	▪ اپنے ساتھیوں کو اپنی فکر میں شامل کھنا
334	▪ ساتھیوں کے ساتھ نرمی اور خوش دلی
334	▪ اپنے ساتھیوں کی غمی خوشی میں شریک ہونا اور ان کا خیال رکھنا
335	▪ خود ذمہ داری کا خواہاں نہ ہونا
336	▪ بردباری

- 336..... عفو و درگزر
- 336..... صفات پیدا کرنے اور ان کے بڑھتے رہنے کی مسلسل محنت
- 337..... منتظمین و ذمہ داروں کی متفرق صفات :
- 338..... حکمت اور شفقت کے ساتھ سب کو چلائے، کسی ساتھی کے ساتھ سختی اور حکومت کے لہجے سے پیش نہ آئے۔
- 338..... نہ بہت سخت ہو، اور نہ ہی بہت نرم، میانہ روی کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کرے۔
- 338..... ساتھیوں کو آگے بڑھائے اور نئے ساتھیوں کی تربیت کی پوری فکر کرے۔
- 338..... اپنے ساتھیوں کے آرام و راحت کا خیال کرے۔
- 338..... مشورہ سے کام کرے۔
- 338..... مناسب انداز میں لالچنی چیزوں سے اپنے ساتھیوں کو روکتا رہے۔
- 338..... مناسب طریقے ساتھیوں پر کام تقسیم کرے۔
- 338..... اگر ساتھیوں میں کچھ کشیدگی ہو جائے تو جلد سے جلد صلح کرا دے۔
- 338..... اپنے ساتھیوں کو بار بار فکر آخرت اور خوف خدا کی تلقین کرتا رہے اور ان کے دلوں میں یہ بات پیدا کر دے کہ ہم دوسروں کی اصلاح کی بجائے اپنی اصلاح و تربیت کی فکر کرنی ہے۔
- 338..... سادہ اور مجاہدانہ زندگی۔
- 338..... ذاتی تقاضوں کو اجتماعی تقاضوں پر قربان کرنا۔
- 338..... عجب و تکبر سے بچنا۔
- 338..... محاسبہ نفس اور فکر آخرت۔
- 338..... اپنے ساتھیوں کے لئے دعائیں کرتا رہے۔
- 338..... انتظامیہ کی ذمہ داریاں
- 338..... ۱. منصوبہ بندی
- 339..... ۲. تنظیم سازی
- 339..... ۳. ذمہ داری و رہنمائی
- 339..... ۴. احوال لینا اور محاسبہ کرنا
- 340..... باب نمبر تیسرہ
- 340..... انتظامی امور میں منصوبہ بندی کا اسلامی طرز
- 340..... پہلی فصل: اسلامی منصوبہ بندی کی تعریف و بنیاد۔

340.....	دوسری فصل: منصوبہ بندی کا طریقہ کار:-
340.....	تیسری فصل: مشورہ:-
340.....	چوتھی فصل: فیصلہ سازی:-
340.....	پانچویں فصل: استشارہ:-
340.....	پہلی فصل: اسلامی منصوبہ بندی کی تعریف و بنیاد
340.....	منصوبہ بندی کی تعریف
340.....	منصوبہ بندی کی اہمیت
342.....	منصوبہ بندی اور توکل علی اللہ
345.....	دوسری فصل: منصوبہ بندی کا طریقہ کار
345.....	حالات معلوم کرنا اور کام کی سطح کا ادراک کرنا
346.....	اہداف کا تعین کرنا
346.....	اپنے کاروبار کے اہداف کا تعین کریں
347.....	۱. تھوڑے عرصے کے اور لمبے عرصے کے اہداف طے کریں
347.....	۲. اپنے اہداف کو واضح اور ایک حتمی تاریخ کے حساب سے قابل پیمائش بنائیں
348.....	۳. سست نہ بنیں اور اگر اہداف آسان ہیں تو ان کی تعداد بڑھالیں
348.....	۵. صرف اپنے کاروبار سے متعلقہ اہداف کا تعین کریں
348.....	۶. صابر اور مستقل مزاج بن جائیں
349.....	۷. اپنے اہداف پر مسلسل نظر ثانی کرتے رہیں
349.....	۸. اہداف کو حاصل کرنے کا طریقہ کار و حکمت عملی وضع کرنا
351.....	تیسری فصل: مشورہ:-
351.....	کام کی سطح کو آگے بڑھانے کے لئے ساتھیوں کو فکر مند کرنا
351.....	فیصلہ سازی میں مشورہ سے مدد
353.....	مشورہ کے لغوی معنی
354.....	اصطلاحی معنی
354.....	مشورہ کی غرض و غایت
355.....	مشورہ کا مقصد

356	مشورہ کا حکم اور اسکے فضائل
357	مشورہ کی اہمیت
358	مشورہ کے فوائد
358	مشورہ کے اصول و آداب
360	مشورہ کے ارکان
361	ا مشورہ طلب امور
361	مشورے کا استثناء اور مختلف امور میں درجہ
361	ب مشیر کے آداب و فرائض
363	ت مستشیر یعنی طالب مشورہ کے فرائض و آداب
364	مشورے کی صورتیں اور اسکے آداب
364	ا کسی فرد سے مشورہ کرنا
365	ب معاملہ فہم اور سمجھدار افراد کی جماعت سے مشورہ کرنا
365	(اول) رائیوں کے اظہار کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟
366	(دوم) اختلاف آراء کی صورت میں اہل مشورہ کا کیا فرض ہے؟
367	(سوم) اہل شوریٰ سے ایک ہی مجلس میں جمع کر کے مشورہ کرنا بہتر ہے یا ہر ایک سے جدا جدا رائے لے؟
368	فرداً فرداً رائے لینے کے مختلف طریقے
368	مشورہ کو دہرانے اور بار بار کرنے کی ضرورت
369	مجلس میں بیٹھنے کے چند آداب
371	ساتھیوں سے گفتگو کرنے کے آداب
375	چوتھی فصل: فیصلہ سازی
377	پانچویں فصل: استخارہ
377	فیصلہ سازی میں استخارہ سے مدد
378	استخارہ کا مقصد
379	استخارہ کا مسنون اور صحیح طریقہ
379	استخارہ کی مسنون دعا
380	استخارہ کی دعا کا مطلب و مفہوم

380	استعارہ کتنی بار کیا جائے؟
381	استعارہ کا نتیجہ اور مقبول ہونے کی علامت
381	استعارہ سے کس طرح رہنمائی ملے گی؟
382	وقت کی کمی اور فوری فیصلے کی صورت میں استعارے کا ایک اور مسنون طریقہ
384	باب نمبر چودہ
384	اسلامی تنظیم سازی
384	پہلی فصل: جماعت بنانا۔
384	دوسری فصل: ذمہ دار مقرر کرنے سے متعلق اصول۔
384	تیسری فصل: شعبوں کی تقسیم۔
384	چوتھی فصل: ذمہ داریوں کا تعین اور آگے منتقلی۔
384	پانچویں فصل: شعبوں کے درمیان ہم آہنگی و اجتماعیت۔
384	چھٹی فصل: افرادی قوت کا حصول، تربیت، معاوضہ، حقوق اور ذمہ داریاں۔
384	پہلی فصل: جماعت بنانا
385	اکیلے کاروبار کرنا
385	تجارت میں جماعت کی صورتیں
386	جماعت کی ہیئت ترکیبی
387	دوسری فصل: ذمہ دار مقرر کرنے سے متعلق اصول
387	ذمہ دار ایک ہی ہو
387	افضل کو ذمہ دار بنانا
388	کسی کو ذمہ دار مقرر کرنے میں احتیاط
388	اپنی بجائے دوسرے کو ذمہ دار بننے پر ترجیح دینا
389	ذمہ دار بننے سے انکار کرنا اور اس کو ناپسند کرنا
391	ذمہ دار بننے پر غمگین ہونا
392	تیسری فصل: شعبوں کی تقسیم
392	تقسیم کار اور شعبوں کا قیام
393	ضرورت کے مطابق شعبے قائم کرنا

۱.	محاصل (اخراج) وصول کرنے کا شعبہ	394
۲.	عدالت کا نظام	394
۳.	افتاء کا شعبہ	394
۴.	محکمہ فوجہاری و پونس	394
۵.	بیت المال یا خزانہ	394
۶.	عاملوں کی تحقیقات کا محکمہ	394
۷.	مردم شماری	394
۸.	اماموں اور موزنوں کا تقرر	394
۹.	خبررسانی اور جاسوسی وغیرہ	394
	کاروباری ادارے کے لئے شعبے	394
	چوتھی فصل: ذمہ داریوں کا تعین اور آگے منتقلی	396
	ذمہ داریوں کا تعین:	396
	ذمہ داری کی منتقلی	396
	پانچویں فصل: شعبوں کے درمیان ہم آہنگی و اجتماعیت	398
	افراد و شعبوں کے درمیان ہم آہنگی و باہمی رابطے	398
	رابطے کی شکلیں 399	
	باہمی اتحاد و اتفاق کے اصول	400
	امیر و ذمہ دار کی عظمت و محبت	402
۱۰	ساتھی ہر کام میں اتنا فکر مند ہو جیسے ذمہ دار یہی ہے۔	402
۲۰	ذمہ دار کی دل و جان سے اطاعت کرے۔	402
۳۰	بدترین مامور وہ ہے جو ذمہ دار کو مرضی کے فیصلے پر مجبور کرے۔	403
۴۰	ہر کام اپنی مرضی سے کرنے کی بجائے، ذمہ دار سے پوچھ پوچھ کر کرے۔	403
۵۰	کسی ساتھی میں کوئی کمی ہو تو اس کی اطلاع ذمہ دار کو کرے، یہ غیبت میں شمار نہیں ہوگا۔	403
۶۰	ذمہ دار اگر کوئی کام بھول جائے، تو مامور یاد کرا سکتا ہے۔	403
۷۰	ساتھی چپکے چپکے خاص کر ذمہ دار اور عام طور پر سب ساتھیوں کی خدمت کرے۔	403
۸۰	جب کام کی کوئی مخصوص اجازت لی ہے، اسی کو کرے، دوسرے کام میں نہ لگے۔	403

۹۰	ذمہ دار کی بات کو خوشی سے ماننے بلکہ اس کی منشاء کو سمجھے اور اس کے اشارے پر چلے۔	403
۱۰۰	ذمہ دار اگر خود کم تعلیم یافتہ یا علم میں کم بھی ہو تب اس کو اپنے سے اعلیٰ سمجھے۔	403
۱۱۰	ہر کام کے لئے خود پیش کردے اور جو کام ذمے لگے، اس کو بخوبی دل و جان سے سرانجام دے۔	403
۱۲۰	مامور اپنے ساتھیوں اور ذمہ دار کے ساتھ سخت نہ ہو۔	403
۱۳	اپنے ذمہ دار کے لئے دعائیں کرے، اور اللہ سے اس کے لئے مدد و رہنمائی کو طلب کرے۔	403
	چھٹی فصل: افرادی قوت کا حصول، تربیت، معاوضہ، حقوق اور ذمہ داریاں۔	404
	افرادی قوت	404
	تقسیم معیشت کی حکمتیں	404
	افرادی قوت کے حصول کی بنیاد	408
	افرادی قوت کے انتخاب کیلئے معیار	409
	افرادی قوت کے انتخاب کیلئے طریقہ کار	410
	ملازم کا معاوضہ اور اس کے حقوق و آداب	411
	ملازم کی اجرت کی تعیین کا معیار	411
	مالک اور ملازم تنازعہ کا حل	411
۱۔	ملازموں کے حقوق	411
۲۔	زائد محنت کا معاوضہ	412
۳۔	ملازم کی عزت نفس	412
۴۔	ملازم کی مزدوری اور اجرت کی فوری ادائیگی	412
۵۔	درگزر کرنا	412
۶۔	ملازمین کے ساتھ حسن سلوک	413
۷۔	ماتحت کی مارپیٹ کرنا	413
۸۔	غریب کے اس طبقہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا خیال تھا۔	413
	ملازم کی ذمہ داریاں	414
	ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا۔	415
	متنخواہ حرام ہوگی۔	416
	ایک ادارے میں کام کرنے والے ساتھیوں کے باہمی حقوق و آداب	418

419	 بہت قریبی ساتھیوں کے حقوق و آداب
419	 ضرورت مند ساتھیوں کے آداب و حقوق
419	 غیر مسلم ساتھیوں کے بعض حقوق
421	 باب نمبر پندرہ
421	 ذمہ داری و رہنمائی
421	 پہلی فصل: ذمہ داری و رہنمائی کی تعریف و ذمہ دار کی صفات
421	 تعریف
424	 ذمہ دار کی اطاعت و حقوق
424	 امراء کو برا بھلا کہنے کی ممانعت
425	 امیر کے سامنے زبان کی حفاظت کرنا
425	 امیر کے سامنے حق بات کہنا اور جب وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کے حکم کو ماننے سے انکار کر دینا
426	 ۱۔ نظم و نسق کی اسلامی ترتیب
430	 دوسری فصل: طے شدہ امور کو عملی شکل
430	 ۱۔ طے شدہ امور کو عملی شکل دینا
430	 عزم اور توکل کا مطلب و طریقہ:
432	 ۱۰ عملی شکل دینے میں احتیاطی تدابیر
433	 تیسری فصل: تنفیذ میں پیش آنیوالی مشکلات کے اسباب اور انکا اسلامی حل
433	 کاروبار میں ناکامی کے اسباب
433	 {ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَيْتِ وَالْبُخْرِيَّاتُ كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ} (سورۃ الروم: ۴۱)
433	 ۱۔ کسی کا دل دکھانا
433	 ۲۔ ظلم و زیادتی کرنا
433	 ۳۔ اپنے جیسے کاروباری اداروں کا برا چاہنا اور انہیں ناکام کرنے کے حربے استعمال کرنا
433	 ۴۔ بڑائی کا بول بولنا اور غرور تکبر میں آ جانا
433	 ۵۔ بد اخلاقی
433	 ۶۔ عشرہ و زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا

- انسانی زندگی کے کسی مرحلے یا کسی شعبہ سے متعلق جب مشکلات پیش آئیں تو ان سے گھبرانے کی بجائے اسلام نے ان سے مقابلہ کرنے کیلئے، اس وقت مطمئن رہنے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ پر بھروسہ رکھنے کا درس دیا ہے،..... 434
- بحران کی تعریف اور اس کے حل کا طریقہ 434
- بحران کے حل کا نبوی طریقہ 435
- ۱۰ ہجرت سے پہلے اقتصادی بحران 436
- بحران: 436
- بحران کا حل: 436
۲. یہودی بازار میں بحران 436
- بحران: 436
- بحران کا حل: آپ علیہ السلام نے اپنی بصیرت سے جانچ لیا کہ جو اقتصادی طور پر مضبوط ہو گا وہ زندگی کے اور شعبوں میں بھی کامیاب ہو گا۔
436
- صلوات الحاجت کا اہتمام 438
- اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ اور دعاؤں کی کثرت 440
- ذرائع برکت کے استعمال سے تجارتی سرمائے و منافع میں اضافے کی تدبیر 441
- اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنے شامل حال کرنا 441
- سابقہ تجربوں سے استفادہ کرنا 441
- ایچھے اخلاق و حسن سلوک کو ہاتھ سے نہ جانے دینا 442
- تکلیف اور مشکلات کے باوجود ساتھیوں سے تعاون 442
- عزم و قوت عمل پر کاربند ہونا اور تردد سے بچاؤ 443
- ہدیہ کے ذریعے دوسروں کے دلوں کو مودہ لینا 443
- دعائی تدبیر کے ساتھ عقلی تدبیر بھی ضروری ہے 444
- مضبوط، مربوط و ہم آہنگ محنت، جدوجہد و انتہک کوشش 444
- انتظامات اور کاموں میں تقویٰ اختیار کرنے سے بھی تنگیوں و مشکلات سے نکلنے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ 444
- کامیابی کی شکل میں اللہ کا شکر ادا کرنا 446
- اور اگر کامیابی نہ ملے تو صبر کرنا اور قضائے الہی پر راضی رہنا 446
- باب نمبر سولہ 448
- احوال لینا، منکر مند کرنا اور ساتھیوں کی منکر اور ان کا محاسبہ و نگرانی کرنا 448

448	اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں۔
448	پہلی فصل: احوال و کارگزاری لینا۔
448	دوسری فصل: اسلام میں نگران و احتساب کی بنیادیں اور خود احتسابی۔
448	تیسری فصل: ساتھیوں کی فکر، محاسبہ اور نگرانی۔
448	چوتھی فصل: مروجہ اور اسلامی طرز نگرانی میں نمایاں فرق۔
448	پہلی فصل: احوال و کارگزاری لینا۔
449	دوسری فصل: اسلام میں نگرانی و احتساب کی بنیادیں اور خود احتسابی۔
449	اسلام میں نگرانی کی بنیادیں اور اس کا طریقہ۔
449	انتظامی نگرانی کا لغوی مفہوم۔
449	انتظامی نگرانی کا اصطلاحی مفہوم۔
449	خود احتسابی۔
449	ہر ایک کی اپنی خود نگرانی اور دوسرے کی طرف سے حکمت والی سرپرستی۔
456	محاسبہ نفس کے متعلق اقوال۔
461	محاسبہ نفس کی دو قسمیں ہیں۔
461	✓ ایک قسم عمل سے قبل محاسبہ کرنا۔
461	✓ دوسری قسم عمل کے بعد۔
463	تیسری فصل: ساتھیوں کی فکر، محاسبہ اور نگرانی۔
463	ذمہ دار و بڑے کی نگرانی اور ساتھیوں کو فکر مند کرنا۔
465	سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عہدوں پر موجود حضرات کا احتساب اور ان کی فکر کرنا۔
465	انتظامی نگرانی کرنے والا اپنے کردار میں دوسروں کیلئے بہترین نمونہ۔
466	اسلامی انتظامی نگرانی مثبت انداز (دعوت، نصیحت و ترغیب) سے کام پر آمادہ کرتی ہے۔
468	چوتھی فصل: مروجہ اور اسلامی طرز نگرانی میں نمایاں فرق۔
471	باب نمبر سترہ۔
471	اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق۔
471	پہلی فصل: مروجہ انتظامات کا اخلاقی لحاظ سے جائزہ۔
471	دوسری فصل: معاشی و اقتصادی منصوبہ بندی میں غیر حقیقی بنیاد۔

- 471 پہلی فصل: مروجہ انتظامات کا اخلاقی لحاظ سے جائزہ
- 473 دوسری فصل: معاشی و اقتصادی منصوبہ بندی میں غیر حقیقی بنیاد
- 473 اسلامی اور غیروں کی طرز تجارت اور اس کے انتظامات میں فرق کا جائزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیر، ۲۸ مارچ، ۲۰۱۱

محترم و مکرم جناب _____ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حامد او مصلیٰ و مسلما

اس کے بعد:

ہماری کم نصیبی سے زندگی کے شعبوں میں دین کی شکلیں مٹی ہوئی ہیں ان کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ساتھیوں کو فکر مند اور اس کام کی طرف متوجہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کمزور بنایا ہے اور ہر انسان اپنی ذات سے خود دین کے نیک اعمال میں بھرپور خدمات سرانجام دے نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو فائدہ پہنچا کر اور خاص کر دین کو دوسروں میں زندہ کر کے ان کے اعمال میں حصہ دار بننے کا بڑا ہی اچھا ذریعہ بنایا ہے، جسے صدقہ بھی جاریہ کہتے ہیں اور اس کا بہت بڑی شکل میں حصہ مندرجہ ذیل کام سرانجام فرما کر آپ کے مقدر ہونے والا ہے۔

دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و خیر القرون اور قرون اولیٰ میں دین کے مطابق تجارت کی جو شکلیں تھیں وہ آج ہماری زندگیوں سے مٹ چکی ہیں، اب کچھ ساتھیوں نے گزشتہ اڑھائی تین سال سے مسلسل کوشش و محنت کر کے اسلام اور مزاج شریعت کے مطابق تجارت کی شکل قائم کی ہے، جسے زیر تحریر لایا گیا ہے، جو ابھی مسودہ کی شکل میں ہے۔

جو ساتھی اسلامی تجارت کے نصاب کے کام میں معاونت فرمانا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ منسلک اسلامی تجارت کے حصے آپ کی خدمت میں ارسال کئے جارہے ہیں آپ سے درخواست ہے کہ اسے حرفا حرف خود بھی مطالعہ فرمائیں اور اکابر اہل علم حضرات کی نظر بھی اس کام پر ڈالوائیں، کیونکہ ہم اکابر کے قدم قدم پر محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات پاک طینت کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائے۔

درج ذیل ذکر کی گئی غلطیوں کے متعلق اصلاح، غلطیوں کی نشاندہی اور اس میں بہتری و عمدگی پیدا کرنے کی طرف رہنمائی فرما کر اس کار خیر میں حصہ ڈال کر امت کی سرپرستی اور رہنمائی کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں استعمال فرما کر ہم سے دین کے زندہ کرنے کا کام لے لیں تو اس سے بڑی سعادت کوئی نہیں ہے۔

اسلامی طریقہ تجارت کے نصاب کے کام کو بہت ہی احتیاط سے کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم پھر بھی بشری تقاضے کے تحت غلطیوں سے امکانات ہیں، یہ کام جتنی زیادہ نظروں سے گزرے گا ان شاء اللہ اتنا ہی بہتر ہوتا جائے گا اور امت کے سامنے دین کو تجارت میں زندہ کرنے کی کاوش اسی قدر کامیاب ہوگی۔

اکابر اہل علم حضرات کی سرپرستی اسلامی تجارت کی جماعت کے لئے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے، بے شک ان کا وقت بہت ہی قیمتی ہوتا ہے، لیکن ان کی توجہ اور نظر ان شاء اللہ اسلامی تجارت کے کام کو چار چاند لگانے کے ساتھ ساتھ باطل طریقوں سے بچنے اور حق کی طرف رہنمائی میں بہت ہی اہم کردار ادا کر سکتی ہے، ہماری سعادت ہوگی اگر آپ کے ذریعہ ان حضرات کی نظر بھی اس کام پر ڈل جائے اور ان کی سرپرستی بھی حاصل ہو جائے۔

وہ امور جن کو اس مسودہ میں سرانجام دینا باقی ہے:

- ا. عبارت اور املاء میں غلطی کی نشاندہی۔
- ب. جملوں کی ترتیب میں غلطی کی نشاندہی۔
- ت. غیر مربوط جملے، پیرا گراف، فصول، ابواب، عناوین اور مضامین وغیرہ کی نشاندہی۔
- ث. غیر متعلقہ یا غیر ضروری مضمون کی طرف نشاندہی۔
- ج. لفظی غلطی یا بہتر الفاظ کی طرف نشاندہی۔
- ح. نمبر اور بلٹ نمائندگیاں لگانے میں غلطی کی نشاندہی۔
- خ. احادیث کی تخریج کی نظر ثانی اور درستگی۔
- د. قرآنی آیات کے حوالوں کی اصلاح۔
- ذ. قرآنی آیات کے ترجمہ کی اصلاح۔

وہ امور جن پر اہل علم حضرات کی توجہ و سرپرستی کی ضرورت ہے:

۱. جو مضامین ساتھیوں سے دستیاب نہیں ہو سکے اور جہاں کمی رہ گئی وہاں کمٹ یعنی اشارہ حاشیہ میں لگا دیا گیا ہے، اس کے متعلق مضامین جو آپ کو حاصل ہوں شامل فرمادیں۔
۲. حضرات علماء کرام و ماہرین اپنے علم و مہارت کی روشنی میں کسی علمی و مہارتی مضمون کو شامل کرنا چاہیں تو اس کی طرف اشارہ فرمادیں۔
۳. قرآنی آیات میں غلطی کی نشاندہی۔
۴. احادیث میں غلطی کی نشاندہی۔
۵. کسی مضمون کے متعلق قرآن کریم سے مزید تائید جو آپ کے نزدیک مناسب ہو۔
۶. کسی مضمون کی حدیث مبارک سے مزید تائید جو آپ کے علم کی روشنی میں آپ کو مناسب لگے۔
۷. علماء کرام و ماہرین کے نزدیک کوئی مضمون ان کے علم کی روشنی میں غیر مناسب ہو اس کی طرف نشاندہی۔
۸. کوئی متبادل لفظ، جملہ یا مضمون جو آپ کے نزدیک زیادہ بہتر ہو۔
۹. کسی مضمون کو دوسرے کے ذیل میں لانے میں غلطی کی نشاندہی۔
۱۰. ابواب کی ترتیب میں غلطی کی نشاندہی اور بہتر ترتیب جو آپ کے نزدیک ہو۔
۱۱. فصول کی ترتیب میں غلطی کی نشاندہی اور بہتر ترتیب جو آپ کے نزدیک ہو۔

طے یہ ہوا ہے کہ جنوری 2011ء تک اسلامی تجارت سے متعلق اس نصاب کو آزمائشی طور پر شروع کر دیا جائے جس میں وقت بہت کم رہ گیا ہے، اس میں شک نہیں ہے کہ آپ حضرات کا وقت انتہائی قیمتی ہے، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے درخواست ہے کہ اس کام کو سب سے پہلی فرصت میں جتنا جلد ممکن ہو کر لیا جائے، تاکہ آپ کی ان نشاندہیوں کو مشورہ میں لا کر شامل کر کے نصاب کو حتمی شکل میں لا کر امت کے استفادہ کے لئے پیش کیا جاسکے۔

آپ کی طرف سے مدد، تعاون اور رہنمائی و سرپرستی پر شکر گزار ہیں اور دعاؤں کے طلب گار ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اور ہمیں اپنے دین کو زندگی کے تمام شعبوں میں زندہ کرنے کے کام کیلئے قبول فرمائیں اور اس کام کو امت کے لئے نافع بنادیں۔

فقط والسلام

با احترامات فراواں

جماعت برائے اسلامی تجارت، لاہور، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس حصے میں اسلامی تجارت کی اہمیت، مقصد اور اس کے فضائل اور انتظامات کا اسلامی طریقہ، غیروں اور اسلامی طرز انتظامات کا فرق اور کاروبار شروع کرنے کا طریقہ مختلف ابواب میں بیان کیا جا رہا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ✓ باب نمبر آٹھ: معاش کی اہمیت و ذرائع
- ✓ باب نمبر نو: انفاق (دوسروں پر خرچ کرنا)
- ✓ باب نمبر دس: تجارت کی اہمیت و مقصد اور اس کے فضائل
- ✓ باب نمبر گیارہ: مسلمان تاجر کی صفات اور اسلامی تجارت کے آداب
- ✓ باب نمبر بارہ: تجارت و ذرائع معاش کے انتظامات
- ✓ باب نمبر تیرہ: انتظامی امور میں منصوبہ بندی کا اسلامی طرز
- ✓ باب نمبر چودہ: اسلامی تنظیم سازی
- ✓ باب نمبر پندرہ: ذمہ داری و رہنمائی
- ✓ باب نمبر سولہ: احوال لینا، فکر مند کرنا اور ساتھیوں کی فکر اور ان کا محاسبہ و نگرانی کرنا
- ✓ باب نمبر سترہ: اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد:

باب نمبر آٹھ

معاش کی اہمیت و ذرائع

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- پہلی فصل: معاش کا تعارف:-
- دوسری فصل: مال کی حقیقت (مال کے فوائد و نقصانات):-
- تیسری فصل: معاش کی اہمیت:-
- چوتھی فصل: معاش کا درجہ اور اس کے متعلق افراط و تفریط:-
- پانچویں فصل: وسائل معاش (ان کا تعارف اور ان کا آپس میں مربوط ہونا):-
- چھٹی فصل: اجتماعی معاشی زندگی:-
- ساتویں فصل: کسب معاش کے علاوہ آمدنی کے دیگر اسباب:-
- آٹھویں فصل: حرام مال کی نحوست اور بد انجامی:-
- نویں فصل: اسلام میں معاش پر پابندیاں:-
- دسویں فصل: معاش سے متعلق دعائیں:-

تمہید:

اسلام میں معاشیات و اقتصادیات کا جو جامع ترین نظام پیش کیا ہے کسی بھی دین و مذہب اور نظام و فلسفہ میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، آخرت کے مکمل استخراج اور یقین کی تعلیم اور اعمال کی درستگی اسلام نے مال کمانے اور برتنے کا ایک پورا نظام

پیش کیا ہے اور اس کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، اہل حقوق کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ نفس کے تقاضے کس طرح پورے کئے جائیں؟ مال و دولت کی کیا حیثیت ہے، اس کی تقسیم کس طرح کی جائے؟ کس حد تک اس سے فائدہ اٹھایا جائے؟ اسلام میں ان تمام چیزوں کے لئے تعلیمات موجود ہیں۔ چھٹے اور ساتویں باب میں معاش و انفاق کی جو تفصیل عرض کی جا رہی ہے اس کو پڑھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کے بنیادی خدوخال پیش خدمت کر دیئے جائیں۔

اسلام کا مالیاتی نظام

رب اور بندہ کا تعلق

رب اور بندہ کے درمیان جو تعلق قائم ہے وہ ایسا تعلق ہے، جس کے لئے کوئی نظیر، اساس یا پیمانہ ہمارے ان تعلقات میں موجود نہیں جن سے ہم آشنا ہیں، ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک رحیم و کریم اور منعم اور فیاض مالک، اور فقیر و ذلیل، مفلس و محتاج اور عاجز و ماندہ انسان کا تعلق ہے، اور اس رب کریم کی صفات کمال، افعال قدرت، ربوبیت تامہ اور اس کی محبت و رافت اور لطف بے نہایت کا یہ ادنیٰ تقاضا ہے کہ بندہ دل و جان سے اس پر قربان ہو جائے اور نہ صرف مال و زر بلکہ روح و دل ہر چیز اس پر بصد شوق نثار کرنے کے لئے تیار رہے۔

اب ہمیں اس کی ربوبیت عامہ، رحمت و ہدایت، لطف و عنایت، اور کرم و بخشائش کے مظاہر پر غور کرنا چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی تو ہے جس نے انسان کو یہ متناسب و موزوں لباس وجود عطا کی اور اس کو زمین کے خزانوں اور ذخیروں، اور اس کے وسیلوں اور سرچشموں سے فائدہ اٹھانے کی طاقت بخشی اور اس غرض سے اس کے اندر نہایت لطیف، نازک اور حکیمانہ و معجزانہ نظام قائم فرمایا، اس کے اندر بحث و جستجو کا ذوق، ان وسائل و ذخائر کے استعمال، ان کی تنظیم، تبادلہ، باہمی تعاون اور لین دین کی صلاحیت پیدا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی یہ صرف ربوبیت و ہدایت کائنات کے تمام انواع و اجناس اور اصناف و موجودات میں جلوہ گر

ہے {الَّذِيْ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ حَلٰقَةً ثُمَّ هَدٰی} (سورہ طہ: ۵۰)

ترجمہ: "جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی" لیکن انسان کو (جو اس زمین پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا خلیفہ بھی ہے) اس کا سب سے بڑا حصہ ملا ہے اور وہی اس کا سب سے بڑا مظہر اور مرکز تخلی ہے۔

{وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا} (سورۃ الاسراء: ۷۰)

ترجمہ: "اور ہم نے نبی آدم کو عزت دی ہے اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی۔"

اس نے اس کے لیے زمین کو ہموار اور فضا کو سازگار بنایا اور زمین کی مخفی طاقتوں، پوشیدہ خزانوں، آبی ذخیروں اور خام معدنیات سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ، شوق اور استعداد پیدا کی۔

{هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ} (سورۃ الملک: ۱۵)

ترجمہ: "وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا سو تم اس کے راستوں پر چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ (پیو)۔"

اس لیے انسان کے لیے زندگی کی ان ضروری اشیاء کو جو (شہری و دیہاتی، ترقی یافتہ اور پسماندہ) ہر قوم کے لیے زندگی کا آسرا اور غذا کا سرچشمہ ہیں، اور جن کے بغیر زندگی کا وجود ناقابل تصور ہے، یعنی غلہ پانی اور آگ کو نہ صرف مسخر کیا بلکہ عام وارز ال بنایا:

{أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ أَلَأَنْتُمْ تَرْزُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الرَّازِعُونَ ۚ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلَّكُمْ تَفَكَّهُونَ ۚ إِنَّا لَمَحْرُومُونَ ۚ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۚ أَفَرَأَيْتُمْ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۚ أَلَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۚ لَوْ نَشَاءُ

جَعَلْنَاهُ أَجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ أَنَّكُمْ أَنْشَأْتُمْ
شَجَرَةً تَحْمِلُهَا ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ۝ {

(سورة الواقعة: ۶۳/۶۴)

ترجمہ: "اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا (اس کے) اگانے والے ہم ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو) ہم پر تاوان پڑ گیا، بلکہ ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے، اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا (اس کے) برسانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کڑوا کر ڈالیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے نفع کی چیز بنایا ہے۔"

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انسان کے اندر جمادات و حیوانات کے برعکس ذوقِ جمال، حسن و نفاست، قوتِ نمو اور تنوع و ترقی کا ایک ایسا جذبہ رکھا ہے، جس کے دم سے زندگی کی یہ رونق قائم اور اس کا خون رواں اور گرم ہے، اور اس دیا کی ساری تعمیر و ترقی، تنوع و جدت پسندی اور ایجادات و انکشافات دراصل اسی جذبہ کے مرہونِ منت ہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

{كُلًّا نُمِدُّ هَؤُلَاءَ وَهَؤُلَاءَ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ انظُرْ
كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝ {

(سورة الاسراء: ۲۰/۲۱)

ترجمہ: "ہم ہر ایک کو بڑھ بڑھ کر دیتے ہیں ان میں سے بھی اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے، اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں، تو دیکھ ہم نے

ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے بھی۔"

اس نے اس کے اندر ایک دوسرے کا تعاون کرنے، حقوق کا خیال رکھنے، ملک کے امن و سلامتی کو برقرار رکھنے، اکل حلال اور مشترکہ منافع کے حصول کے لیے مہم جوئی و خطر پسندی کا جذبہ اور شوق پیدا کیا، انسانیت کا کوئی طبقہ اور تارخ کا کوئی دور ایسا نہیں جو اس جذبہ سے خالی اور اس صلاحیت سے محروم رہا ہو:

{لَا يَلَاِفُ قُرَيْشٍ ۝ إِلَّا لِفَهْمِهِمْ رَحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝} (سورۃ قریش: ۴/۱)

ترجمہ: "قریش کو خوگر ہونے کی بناء پر، اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہونے کی بنا پر، چاہیے تھا کہ اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا، اور انھیں خوف سے امن دیا۔"

اسلام کی اقتصادیات کا بنیادی تخیل

ان مسلمہ حقائق اور فطری صورت حال کا (جس میں انسان کا عجز و افلاس اور اس کا ضعف و بے حقیقتی اپنی آخری شکل میں کھل کر ظاہر ہو رہی ہے، اور جس میں خدا کی ربوبیت کا ملہ بھی پوری طرح جلوہ گر ہے) نیز عقل، منطق اور ذوق سلیم کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی چیز انسان کی ملک نہ سمجھی جائے، کوئی چیز اس کی طرف منسوب نہ کی جائے، اور مختصر الفاظ میں اس سے وہ معاملہ کیا جائے جو اس شیر خوار اور چھوٹے بچے سے کیا جاتا ہے جو اپنے والدین کی گود میں پلتا اور ان کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ انسان اس عظیم کائنات میں اور اس بلند و برتر اور قادر مطلق پروردگار کے سامنے اس بچے سے بھی زیادہ کمزور ناتواں اور بے حقیقت ہے جو اپنے والدین کے سایہ عاطفت میں پلتا بڑھتا اور ان کے قدموں میں گھسٹ گھسٹ کر چلتا ہے، اللہ جل شانہ کی شان تو اس مجازی مربی و مالک سے کہیں بلند و برتر ہے:

{وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ} (سورة الروم: ۲۷)

ترجمہ: "اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان (سب سے) اعلیٰ ہے، اور وہ زبردست حکمت

والا ہے۔"

اس لیے وہ تمام اشیاء جو انسان کی ملکیت سمجھی جاتی ہیں یا جن املاک کو اس اپنے جہل و ناواقفیت کی بنا پر خود اپنی طرف منسوب کر لیا ہے، ان سب کی اضافت صرف اسی کی طرف کرنی چاہیے جو ان کا پیدا کرنے والا ہے، اور جس نے انسان کو ان چیزوں پر اختیار صرف محدود مقاصد کے لیے محدود وقت تک اور محدود طریقہ پر بخشا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت قرآن مجید نے بتلائی ہے کہ مال و دولت دراصل اللہ جل شانہ کا عطیہ اور اس کی امانت ہے اور حقیقتہً اللہ جل شانہ کی ملکیت ہے۔

اس آیت میں صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ درحقیقت یہ اللہ جل شانہ کا مال ہے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے، اس لیے اللہ کے بندوں کو آزاد کرنے میں تم کو تامل نہ ہونے چاہیے۔

{وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ

اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ} (سورة القصص: ۷۷)

ترجمہ: "اور اللہ نے تجھے جو دولت دے رکھی ہے تو اس میں تلاش کر (یعنی اس کے ذریعہ سے حاصل کر) دار آخرت کا ثواب اور نہ بھول اپنا حصہ لے جانا دنیا سے، اور احسان کر بندگانِ خدا پر جیسے احسان کیا اللہ نے تجھ پر، اور نہ خواہاں بن زمین میں فساد کا، اللہ نہیں چاہتا فساد یوں کو۔"

انسان اس مال و دولت میں مالک حقیقی کا نائب اور اس کا امین ہے، اس لیے مالک حقیقی کے حکم و اشارہ سے اس کے خرچ کرنے میں اسے کیا پس و پیش ہو سکتا ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ جن لوگوں کی اس حقیقت پر نظر ہوتی ہے ان کو جب کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچتا ہے، تو وہ صبر کرتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اور ہماری تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں اور ہم کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

{وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ}

(سورة البقرة: ۱۵۵/۱۵۶)

ترجمہ: "اور خوشخبری دو ان لوگوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ جل شانہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

مال و دولت اور قرآنی تعلیم

انسان کا اپنے مال سے جو تعلق ہے وہ قرآن مجید میں "کسب" کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، یعنی انسان اس مال کا حقیقی مالک نہیں بلکہ کاسب ہے۔

کسب کے بارے میں بھی قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اس میں بھی تمہاری دانش و حکمت اور ہنر مندی و محنت ہی کو دخل نہیں ہے بلکہ خدا کی رہنمائی اور اس کی بخشی ہوئی دانائی اور اس کی کار کشائی ہی نے تم سے یہ کسب کرایا ہے۔

اس کی تردید کی گئی، قرآن مجید میں قارون کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

{قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي} (سورة القصص: ۷۸)

ترجمہ: "اس نے کہا کہ جو کچھ مجھے دولت ملی ہے میرے اپنے ہنر سے ملی ہے۔"

اس کا یہ زعم باطل نقل کر کے قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

{أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَن هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ

جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ} (سورة القصص: ۷۸)

ترجمہ: "کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جن کی قوت بھی اس سے زیادہ تھی اور جن کا جتنا بھی زیادہ بڑا تھا اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی تحقیق نہیں کی جائے گی۔"

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے:

{ فَأِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْتَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ } (سورة الزمر: ۴۹)

ترجمہ: "جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھ کو اپنے علم اور اپنے ہنر سے ملی ہے، (نہیں) بلکہ وہ اس کے لئے آزمائش ہے، لیکن ان میں سے بہت سے جانتے نہیں ہیں۔"

اس کے بعد فرمایا جاتا ہے:

{ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ } (سورة الزمر: ۵۴)

ترجمہ: "کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق میں وسعت دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے، اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔"

لیکن اس کے باوجود قرآن پاک انسان کے کسب حلال، اس کے شرعی توارث اور انتقال ملکیت کے جائز طریقوں کو تسلیم کرتا ہے اور اس بنا پر وہ انسان کی ملکیت کو صحیح سمجھتا ہے۔

ایک طرف نہ وہ انسان کو اتنا بے دست و پا، مسلوب الاختیار سمجھتا ہے کہ اس سے ایک بے جان مشین اور بے عقل جانور کی طرح محنت لی جائے اور دولت و سامان پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔

دوسری طرف وہ انسان کو اپنے ان اموال و املاک میں تصرف کرنے اور ان کے استعمال اور ان کے انتفاع میں بالکل آزاد، بے مہار بھی نہیں چھوڑتا، اس کے لیے اس نے جو وسیع انتظامات کیے ہیں ان کی نوعیت یہ ہے:

۱۔ سب سے پہلے اس نے یہ اعتقاد پیدا کیا کہ انسان مال و دولت کا حقیقی مالک نہیں ہے، مالک حقیقی اللہ تعالیٰ جل شانہ ہے، اس کے فضل و توفیق سے یہ مال و ملکیت اس کو نصیب ہوئی ہے، وہ اس کا امین ہے، لہذا اس کے صرف استعمال میں اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا اس کا پابند رہنا چاہیے:

{ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ}

(سورۃ یونس: ۱۴)

ترجمہ: "پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔"

۲۔ یہ یقین پیدا کیا کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے جس میں اس کو اس زندگی کے تمام مال و دولت کا حساب اس کے مالک حقیقی کے سامنے دینا ہو گا اور دیکھا جائے گا کہ اس نے اس کی خلافت و نیابت اور امانت کا کیسا حق ادا کیا، (قرآن مجید کا یہ خاص مضمون ہے اور صدہا آیات میں بہت ہی مؤثر اور دل نشیں طریقہ پر اس یقین کے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے)۔

۳۔ اس نے بہت ہی قوت کے ساتھ اس عقیدہ اور ذہنیت کو پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا دار العیش نہیں ہے، دارالامتحان ہے، یہاں کا مال و دولت اور سامان آرائش و راحت سب آزمائش کے لیے ہے، یہ زندگی ایک مختصر یا طویل فرصتِ عیش نہیں ہے، بلکہ فرصتِ عمل ہے، یہ مال و دولت اس لیے نہیں ہے کہ اس سے عیش و عشرت کے اسباب اور لہو و لعب کا سامان پیدا کیا جائے بلکہ یہ آخرت کی جنس ثواب اور رضائے الہی کے لیے دنیا کا سکھ ہے، یہ زندگی لذت و تمتع کا اصل مقام نہیں ہے، اس کا اصل مقام اس زندگی کے بعد کی جنت ہے۔

{هُوَ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا} (سورۃ الملت: ۲)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے بنایا موت و حیات کا نظام تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں اچھے اعمال کرتا ہے۔"

{وَلَا تَمْنُنْ بِعَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا لِنَمْتَنَّهُمْ فِيهِ
وَرِزْقًا رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ} (سورۃ طہ: ۱۳۱)

ترجمہ: "اور ہر گز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف
گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور
آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔"

۴۔ اس نے یہ بھی ضروری قرار دیا کہ دولت جائز، پاک اور غیر ظالمانہ طریقوں سے پیدا کی جائے، اس کے
لیے کسب پر کچھ قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کیں، انسان کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ دھوکہ، چوری، قمار
بازی، سنگدلی اور شقاوت سے مال پیدا کرے، خیانت غصب، فریب دہی، غش و غرر، سٹہ بازی جیسے تمام
ذرائع کو حرام قرار دیدیا گیا اور یہی وہ ابواب ہیں جن سے دولت کی بڑی مقدار دفعۃً بغیر کسی محنت اور جائز
مبادلہ کے ہاتھ آ جاتی ہے۔

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بِتِجَارَةٍ عَنْ
تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا} (سورۃ النساء: ۲۹)
ترجمہ: "اے ایمان والو! مت کھاؤ ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے، مگر یہ کی تجارت
ہو آپس کی رضامندی سے، اور نہ قتل کرو اپنے نفوس کو، اللہ تمہارے ساتھ بڑا رحیم ہے۔"

۵۔ تجارت کو جائز اور پسندیدہ قرار دیا اور سود کو مطلقاً حرام قرار دیا۔

{أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا} (سورۃ البقرہ: ۲۷۵)

ترجمہ: "اللہ نے حلال کی خرید و فروخت اور حرام کو کر دیا سود کو۔"

اس لیے کہ سود سے جماعت کی دولت چند افراد کے پاس مجتمع ہو جاتی ہے، جماعت بحیثیت اجتماعی مفلوک الحال اور
پریشان ہوتی ہے اور افراد بحیثیت افراد (خواہ وہ اپنی جماعتیں، کمپنیاں اور ادارے بنالیں) قارون بن جاتے ہیں، سرمایہ داروں
اور دولت مندوں کی تھوڑی سی دولت جس سے وہ سود کا کاروبار شروع کر دیتے ہیں، ساری جماعت اور سارے شہر یا ملک کی

انفرادی دولتوں کو اس طرح کھینچ لیتی ہے جس طرح الف لیلہ کا کوہِ مقناطیس جہازوں اور کشتیوں کے جوڑ بند اور کیلوں کو کھینچ کر ان کے تختوں اور مسافروں کو ڈوبنے کے لیے چھوڑ دیا کرتا تھا، وہ ان کے وسائلِ معاش اور ان کے وقت اور قوت پر قبضہ کرتے ہیں اور بلا کسی محنت اور صحیح مبادلہ کے روپیہ سے روپیہ پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح ان کا روپیہ بھرنے اور پھیلنے کے بجائے ایک جگہ پھولتا رہتا ہے۔

۶۔ اپنے مال میں، خواہ وہ کسی قدر بھی کثیر المقدار ہو، فضول خرچی ممنوع کر دی گئی، فرمایا:

{كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ} (سورۃ الاعراف: ۳۱)

ترجمہ: "کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ جل شانہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

{وَأْتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۚ إِنَّ التَّبْذِيرَ كَانَ لَإِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا} (سورۃ الاسراء: ۲۶/۲۷)

ترجمہ: "اور اپنے قریبداروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسکینوں کو جو دینا چاہیے وہ دو اور فضول خرچی بالکل نہ کرو، بلاشبہ فضول خرچ لوگ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔"

{وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا} (سورۃ الفرقان: ۶۷)

ترجمہ: "(اور اللہ کے اچھے بندے وہ ہیں جن کا حال یہ ہے) جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل و تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ اس افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔"

۷۔ کچھ چیزیں اس کے لیے مستقل طور پر حرام کر دی گئی ہیں اور یہ عموماً وہ چیزیں ہیں جو بالعموم اسراف کے بغیر ممکن نہیں اور جن سے طبعی اور لازمی طور پر دوسروں کی حق تلفی، غفلت، ظلم و قساوت اور جماعت و معاشرہ میں بد نظری و ابتیری اور جرائم کا نشوونما ہوتا ہے، مثلاً شراب اور عام مسکرات، قمار، زنا اور فسق و فجور کی تمام قسمیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور خاص مردوں کے لیے ریشمی لباس اور ہر طرح کے زیورات، مصوری اور بت تراشی، سو یہ تمام چیزیں حرام قرار دیدی گئی ہیں، بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا، مثلاً موسیقی، کھانے اور لباس میں بہت زیادہ تکلف اور تنوع، غیر ضروری تعمیرات کا شوق اور اس میں مقابلہ اور مسابقت، بہت زیادہ تنعم اور راحت کی زندگی، اس طرح سے مال و دولت کا ایک بڑا حصہ غیر ضروری اور بالعموم مضر مصارف اور شخصی و عارضی اور بے نتیجہ تفریحات اور لذتوں میں صرف ہونے سے محفوظ رکھا ہے اور اجتماعی مفاد و مصالح یا شخصی ضروریات کے کام آسکتا ہے، اگر ان تفریحات اور شوق کی چیزوں میں ظاہری اور قانونی طور پر کسی کا حق غصب نہ کیا جائے اور کسی ظلم و جور اور خیانت و بددیانتی سے وہ روپیہ حاصل نہ کیا جائے جو ان مشاغل کی تکمیل کے لئے ضروری ہے تو بھی ان تفریحات و مشاغل کی انجام دہی، حق تلفی، جماعتی مفاد کے ضیاع اور سنگ دلی و بے دردی سے خالی نہیں، اس لیے کہ مال و دولت میں ہر انسان کا حصہ بقدر ایک فرد کے ہے اور ایک فرد کے حصہ میں (خصوصاً جب کہ دوسرے افراد کو پیٹ بھرنے کے لیے روٹی اور تن ڈھکنے کے لیے کپڑا بھی میسر نہ ہو) یہ گنجائش نہیں کہ اس سے اپنی ذاتی تفریحات اور لذتوں کا سامان کیا جائے اور اس طرح درحقیقت ہر غیر ضروری تفریح میں اور ہر اسراف کے اندر وسیع معنی میں کوئی نہ کوئی حق تلفی ضروری ہوتی ہے، کسی عرب حکیم کا مقبول کا مقولہ ہے:

(مارأیت من تبذیر الا وفی جنبہ حق مضیع)

"میں نے کوئی فضول خرچی ایسی نہیں دیکھی جس کے ساتھ یا اس کے مقابلے میں کوئی حق تلفی نہ ہوئی ہو۔"

قرآن مجید نے نہایت لطیف اور حکیمانہ طریقہ پر جہاں رشتہ دار، مساکین اور مسافر کو ان کا حق دینے کی تلقین کی ہے، وہیں ساتھ ہی فضول خرچی سے منع کیا ہے، اس لیے کہ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، کیونکہ جو شخص اپنے اوپر یا اپنے اہل و عیال پر غیر ضروری مصارف کریگا وہ دوسرے مستحقین پر ضروری مصارف کرنے سے عاجز رہے گا۔

۸۔ روپیہ جمع کرنے اور اس میں سے خدا کے راستہ میں کچھ خرچ نہ کرنے پر سخت وعید ہے۔

{وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِئْسَ لَهُم بِعَذَابٍ
الْبَئِيسِ} (سورۃ توبہ: ۳۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ سنت سنت کے رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور ان کو خرچ نہیں کرتے ہیں اللہ کی راہ میں، اے رسول! آپ ان کو بشارت دیدیجئے دردناک عذاب کی۔"

پس قرآن مجید، روپیہ کو گاڑ گاڑ کر رکھنے اور جمع کرنے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا اور قرآن و احادیث کے تتبع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ جمع کرنا اسلام میں دوسرے درجہ کا کام ہے، جس کے لیے صرف اجازت ہی نکل سکتی ہے اور یہ بھی اس شرط پر کہ اس کے حقوق (زکوٰۃ وغیرہ) ادا کیے جاتے رہیں۔

۹۔ انفاق فی سبیل اللہ، غنخواری و موساسات، ایثار و ہمدردی کی بکثرت و شدت ترغیب دی گئی ہے۔

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ
(سورۃ البقرہ: ۲۶۷)}

ترجمہ: "اے ایمان والو! نیک کاموں میں خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور عمدہ چیز کو اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا۔"

{مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ
سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ} (سورۃ البقرہ: ۲۶۱)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کیے ہوئے مالوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ، جس سے (فرض کرو) سات بالیں جمیں اور ہر بالی کے اندر سودا نے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہیے یہ افزونی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا وسعت والا اور سب جاننے والا ہے۔"

۱۰۔ یہ تصور پیدا کیا کہ ہر فرد کی ملکیت سے جماعت کے کچھ حقوق اور منافع متعلق ہیں، اس لیے نتیجہ ہر انفرادی ملکیت، اجتماعی ملکیت ہے، اس کے ضائع ہونے سے جماعت کی حق تلفی ہوتی ہے، پس ہر وہ پیسہ جو ایک فرد بے محل صرف کرتا ہے یا ضائع کرتا ہے وہ جماعت کے بہت سے منافع اور بہت سے اجتماعی فوائد کو ضائع کرتا ہے اور جماعتی ملکیت میں ناجائز تصرف کرتا ہے۔

{ وَلَا تَوْنُوا الشُّفَهَاءَ أَمْوَالُكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا } (سورۃ النساء: ۵)

ترجمہ: "اور مت دو کم عقلوں اور بے سمجھوں کو اپنے وہ اموال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیوی زندگی کا سہارا بنایا ہے۔"

یہاں پر نا سمجھ یتیموں اور بے سلیقہ جوانوں کے ذاتی اموال و املاک کو جو ان کو ترکہ میں ملی ہوں، جماعت کا مال قرار دیا ہے اور اس کو جماعت کی زندگی اور معیشت کا دار و مدار بتایا گیا ہے اور اسی بنا پر ان کے حوالے کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگرچہ وہ ان کی ذاتی ملکیت ہے۔

۱۱۔ آخر میں قانون وراثت کے ذریعہ ہر چھوٹی سے چھوٹی دولت اور ہر معمولی سے معمولی ملکیت کو بھی بہت سے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص جو رقم، اثاثہ اور املاک چھوڑ کر مرے، وہ اس کے وارثوں میں حصہ رسد تقسیم ہو جاتا ہے، اس طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی دولت اور ملکیت اپنی اصلی حالت پر ایک نسل سے زیادہ قائم رہے، البتہ جو مالیت یا املاک، عام اسلامی مصالح، رفاہ عام یا سی اور کار خیر کے لئے وقف کر دئے جائیں، وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں گے، اس سے واقفیت کرنے والے اور اس کے ورثاء کے حقوق منقطع ہو جائیں گے، اس کا بہہ کرنا اور بیع کرنا جائز ہو گا۔

{ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيٍّ مِمَّا تَرَكِ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ } (سورۃ النساء: ۳۳)

ترجمہ: "اور ہر ایسے مال کے لیے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جائیں، ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔"

{ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ } (سورۃ النساء: ۱۱)

ترجمہ: "اللہ حکم کرتا ہے تم کو تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہو۔"

مال غنیمت بھی مسلمانوں میں تقسیم ہوگا، اس کی تقسیم اس طرح ہوگی۔

{ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ } (سورۃ الانفال: ۴۱)

ترجمہ: "اور جاننا چاہیے کہ جو مال غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس میں کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور قربنداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔"

البتہ وہ زمین اور غیر منقولہ جائداد، جو اسلامی فتوحات میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اس کی حیثیت وقف کی ہوگی، سورہ حشر میں ہے:

{ وَمَا أَقَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَيِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ } وَمَا أَقَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ } لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ

يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَن هَاجَرَ
إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ
كَانَ بِهِمْ حَصَصَةٌ ۖ وَمَن يُوَفِّ شَيْئًا نَّفْسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَالَّذِينَ جَاءُوا
مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ
فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ { (سورة المشر: ۱۰/۶)

ترجمہ: "اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلویا سو تم کو اس میں کوئی مشقت نہیں پڑی،
تم نے اس پر نہ گھوڑے ڈورائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اپنے رسولوں کو
جس پر چاہیے (خاص طور پر) مسلط فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے، جو کچھ
اللہ نے اس طور پر اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلویا ہے، سو وہ بھی اللہ کا حق
ہے اور رسول کا اور آپ کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا اور یہ
حکم اس لیے مقرر کیا تا کہ سارا مال تمہارے مالداروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے، اور رسول تم
کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں، اس کے لینے سے تم رک
جاؤ، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے، اور ان
حاجت مند مہاجرین کا زیادہ خصوصی حق ہے، جو اپنے گھروں سے اور اپنے مولوں سے جبراً اور
ظلماً جد کر دئے گئے اور ہجرت سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ
اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں، اور نیز ان
لوگوں کا بھی حق ہے جو دارالاسلام (یعنی مدینہ میں ان مہاجرین) کے آنے سے قبل کے قرار
پکڑے ہوئے ہیں، جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور
مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے، اس سے یہ انصار اپنے دلوں میں کوئی شک نہیں پاتے اور بلکہ کھلانے
پلانے میں ان کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے

بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور ان لوگوں کا بھی اس مال کا حق ہے جو ان کے بعد آئے اور جو ان مذکورین کے حق میں اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔"

چنانچہ اس آیت کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین کو اس وقت کے مسلمانوں پر (اصحاب غنیمت پر) تقسیم کرنے سے کیا اور کہا کہ یہ مسلمانوں کا مشترکہ مال ہے جس میں نہ صرف اس وقت ہی کے مسلمانوں کا حصہ ہے بلکہ بعد میں آنے والوں کا بھی حق ہے، اگر میں اس کو فوج اور موجودہ "مستحقین" ہی پر تقسیم کر دوں تو اس نسل کے بعد جو مسلمان آئیں گے ان کو کیا ملے گا، صحابہ کرام نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا اور اسی پر عمل ہوا۔

۱۲۔ افراد کی دولت اور ان کے سرمایہ کو جماعت کے لیے نفع بخش بنانے کی سب سے آخری اور حتمی تدبیر یہ کی کہ ہر شخص جس کے پاس اس کے ضروری مصارف سے زائد دو سو درم (۵۲۱ روپیہ) جمع ہو جائیں، ایک سال اس پر گزر جانے پر اس میں سے چالیسواں حصہ (۲۱ فیصدی) راہ خدا میں نکالے، نیز غلہ، پیداوار اور جانوروں سے کبھی زکوٰۃ کا حصہ ادا کرے، اس کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں "زکوٰۃ" اور "صدقات" ہے۔

پہلی فصل: معاش کا تعارف

معاش کے لغوی

معاش کے لغوی معنی رزق، خوراک، روزی، اور وہ شے جس سے بسر اوقات کی جائے۔

معاش کی تعریف

اسلام میں کمائی کے لئے اکتساب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کا اہل لغت کے محاورے میں اس کا مفہوم مال کا حلال ذرائع سے حاصل کرنا۔ اگرچہ یہ لفظ تمام قسم کی کمائی کو شامل ہے۔

(ماخوذ از کتب حلال اور راہ اعتدال ص: ۳۵)

معاش کے مقاصد

گذشتہ ابواب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ایک انسان اور مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے تین بنیادی فرائض اور ذمہ داریاں عبادت، خلافت اور دعوت اگرچہ کسب و معاش کے متعلق عمومی طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کمائی کے کسی ایک ذریعہ کو اختیار کر کے مال کمانا اور اس سے ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنا، لیکن درحقیقت کسب و معاش کا بنیادی مقصد مندرجہ بالا فرائض و ذمہ داریوں کی مکاحقہ ادائیگی میں معاونت ہے، مثلاً عبادت ہی کو لے لیجئے ایک مسلمان کے لئے عبادت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں لباس، طعام و شراب اور راحت و آرام فطری ضرورتیں ہیں، نیز عفت و پاکدامنی حاصل کرنے کے لئے نکاح و ازدواج اور پھر اس کے نتیجے میں اولاد اور قرابت داری لابدی چیزیں ہیں نیز عبدیت کی شان یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے، ان تمام امور کے متعلق تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مال کی ضرورت پڑتی ہے اور معاش مال کی فراہمی کا ایک سبب ہے، لہذا کسب و معاش عبادت کو سرانجام دینے کے لئے معین و مددگار ہوا۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حلال طریقہ سے اس لئے دنیا طلب کی کہ بھیک مانگنے سے بچے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرے، اپنے پڑوسی پر مہربانی کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہو گا۔ اور جس نے حلال طریقے سے دنیا

اس لئے حاصل کی کہ دوسروں کے مقابلہ میں روپیہ زیادہ جمع کر لے اور دوسروں پر فخر کرے اور دکھلاوا کرے تو خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ خدا اس پر غصہ ہو گا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۲، ج۔۱ بحوالہ کسب حلال ادائے حقوق ص ۵۲)

اسی طرح خلافت کے مفہوم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا مطلوب ہے، انہیں میں سے جو دو سنا، کمزوروں محتاجوں و مسکینوں کی حاجت روائی بھی ہے

[وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّمَّا لَعُلُوْهُ ، لِلسَّائِلِ وَالْمَحْزُوْر] (المعارج: ۲۴، ۲۵)

ترجمہ: "اور جنکے مالوں میں حصہ مقرر ہے، (یعنی) مانگنے والے کا اور (نہ مانگنے) والے نادار کا" اور ان تمام امور کی ادائیگی کے لئے مال کی ضرورت ہے اور معاش مال کی فراہمی و حصول کا ایک سبب ہے، لہذا خلافت کی ذمہ داریوں کو سرانجام دینے کے لئے کسب و معاش معین و مدد ہوا۔

سلسلہ کلام کو مزید آگے بڑھائیں، تو امت مسلمہ کی ایک بنیادی ذمہ داری اعلیٰ کلمۃ اللہ اور دعوت الی اللہ بھی ہے، اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے جہاں دور دراز کے اسباب کی ضرورت پیش آتی ہے، وہاں یہ بھی سنت نبویہ سے ثابت ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام دین کی دعوت دینے سے پہلے لوگوں سے تعلق بنانے کے لئے ان کے اکرام کی شکلیں بھی اختیار فرمایا کرتے تھے، نیز اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے جن بندوں کے دلوں میں دین پر چلنے کی طلب پیدا ہوتی جارہی ہے، انہیں دین سکھانے کے انتظامات کئے جائیں، مساجد، مکاتب اور مدارس کا انتظام کیا جائے، ان تمام کاموں کے لئے بھی مال کی ضرورت کسی سے مخفی نہیں اور کسب و معاش مال کی فراہمی کا ایک سبب ہے، لہذا اس فریضے کی ادائیگی کے لئے بھی کسب و معاش معین مددگار ہو گا، خلاصہ کلام یہ ہوا کہ معاش کے مقاصد میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱. عبادت و بندگی سے متعلقہ ضروریات کو پورا کرنا، مثلاً:

- اپنی ضروریات مقام طعام لباس وغیرہ کو وہ خود پورا کر سکے اور کسی سے سوال نہ کرنا پڑے۔
- اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

۲. صفات باری تعالیٰ مثلاً جو دو سنا انفاق و اطعام سے متصف ہونا، مثلاً:

- غریبوں مسکینوں محتاجوں، یتیموں کی حاجت روائی کریں

- پڑوسیوں، مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے ان پر خرچ کرے۔
 - شخصی یا اجتماعی حادثات کے وقوع کے وقت خرچ کرے۔
 - مسلمانوں اور غیر مسلموں کی امداد اور رفاہ عامہ وغیرہ میں خرچ کرے۔
۳. اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنا، مثلاً:

- اپنے سفر کے اخراجات برداشت کرنا۔
- اللہ کے راستے میں جانے والوں اور ان کے اہل و عیال پر خرچ کرنا۔
- مدارس، مکاتب، مساجد سے متعلقہ ضروریات کو پورا کرنا۔ وغیرہ۔

معاش کی نیت

صحیح حدیث میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ علیہ السلام نے فرمایا: "اعمال (اور کاموں) کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے، اور ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق اس کے کام کا نتیجہ ملتا ہے۔"

(رواہ البخاری)

لہذا ہر کام کی نیت تو کرنی ہے نیز اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، مسلمان کے ہر کام اور ہر عمل سے مقصود تو اللہ کو راضی کرنا ہوتا ہے اور یہ نیت اعمال کی قبولیت کے لئے ضروری ہے، مستحسن بات یہ ہے کہ کسی عمل میں بیک وقت کئی نیتیں کی جاسکتی ہیں، مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان نیتوں میں سے اعلیٰ نیت کو اختیار کر کے اپنے عمل کو عند اللہ زیادہ قابل قبول بنالے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے کمرے کا روشن دان بنایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیوں بنایا؟ انہوں نے عرض کیا تاکہ ہوا آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نیت کر لو کہ آذان کی آواز آئے گی، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ کسی کام کو کرتے وقت اس کی اگر دو، تین یا کئی نیتیں ہو سکتی ہیں، تو اعلیٰ نیت کو بنیاد بنایا جائے نہ

کہ ادنیٰ کو، اسی طرح اسلامی تجارت و معاش کی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں تو اعلیٰ کو بنیاد بنالیا جائے، غیروں نے ادنیٰ (منی جزیشن) کو بنیاد بنایا ہوا ہے، جس کو بدل کر وہ نیت اختیار کی جائے جو اعلیٰ ہو۔

چنانچہ حصول معاش کی نیت کے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آدمی کو اپنے پیشہ یا تجارت وغیرہ میں لگتے وقت یہ نیت رکھنی چاہئے کہ وہ ایک فرض کفایہ انجام دے رہا ہے کیونکہ اگر تمام پیشوں اور کاروبار کو چھوڑ دیا جائے تو کمائی کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے اور مخلوق خدا تباہی سے دوچار ہو جائے گی۔

ب۔ دوسری نیت کام کرنے والے اپنے عمل میں یہ نیت شامل کر لیں کہ وہ اس کمائی کے ذریعے اپنے اندر عبادت ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرے گا، یا اپنے مسلمان بھائی کیلئے اعمال میں تعاون کا ذریعہ بنے گا تو اسے اپنے عمل سے ہر نیت کا ثواب مستقل ملے گا۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۱۵۲)

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ تجارت کی ابتداء میں حسن نیت و حسن عقیدہ کو اختیار کرنا ضروری ہے، تاجر اپنی تجارت میں یہ نیتیں کرے:

- ۱۔ اپنی تجارت سے کما کر سوال سے بچنے کی نیت
- ۲۔ لوگوں کے مالوں میں طمع میں مبتلا ہونے سے بچاؤ کی نیت
- ۳۔ حلال کمائی کر کے لوگوں سے استغناء کا حصول
- ۴۔ کمائی کے ذریعے دین کے کاموں میں قوت حاصل کرنا
- ۵۔ تجارت کی کمائی سے اہل و عیال کی ضروریات کی کفایت کرنا تاکہ اس کا مجاہدین میں شمار ہو
- ۶۔ تجارت کے ذریعے مسلمانوں کو نصیحت و خیر خواہی کی نیت
- ۷۔ تمام مخلوق کیلئے وہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے
- ۸۔ اپنے معاملات تجارت میں عدل و احسان کو اختیار کرنے کی نیت
- ۹۔ بازار میں جو صورت حال ہو اس میں نیکی کا حکم اور بدی سے بچنے کی تدبیریں اختیار کرنے کی نیت

تجارت میں ان نیتوں کے کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی تجارت میں یہ نیتیں و اعتقادات اختیار کرتا ہے تو اس کی تجارت آخرت کے راستے پر ہوگی اور جو مال اسے تجارت سے حاصل ہوگا وہ مزید برآں ہوگا اور اس کے برخلاف اگر اسے تجارت میں نقصان ہوا دنیا کا ہی نقصان ہوگا آخرت کی کمائی تو کہیں نہیں گئی۔

(احیاء علوم الدین ۲/۸۴)

نیز حدیث میں آتا ہے، آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خیر الناس من نفع الناس) "لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کی نفع رسانی کا کام کرے، تو آپ خریداروں اور دوسروں کی نفع رسانی کیلئے تجارت کریں گے۔

(الحديث)

لہذا مسلمان کی تجارت میں نیت مخلوق کی نفع رسانی کی ہونی چاہئے کہ وہ دور دراز سے لوگوں کی ضرورت کا سامان کپڑا، غلہ، دوا اور ضروریات زندگی لا کر کے لوگوں کو مہیا کریں گے، اگرچہ اس تجارت میں وہ لوگوں سے کچھ جائز منافع بھی لے رہے ہوں گے، لیکن اگر اس پہلو پر غور کریں کہ یہی سامان لینے کے لئے اگر انہیں دوسرے شہروں کا سفر کرنا پڑتا تو مال و وقت کا کتنا ضیاع ہوتا، لہذا اس پہلو کے اعتبار سے یہ انسانیت کی خدمت ہی شمار ہوگی۔

گذشتہ صفحات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے حلال طریقے سے دنیا اس لئے حاصل کی کہ دوسروں کے مقابلہ میں روپیہ زیادہ جمع کر لے اور دوسروں پر فخر کرے اور دکھلاوا کرے تو خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ خدا اس پر غصہ ہوگا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۲، ج ۱۔ بحوالہ کسب حلال ادائے حقوق ص ۵۲)

لہذا معلوم ہوا کہ محض دولت کے حصول (منی جزیشن) اور مال و دولت کو بڑھانا (میکسمائزیشن آف منی) کی نیت ایک مسلمان تاجر کے لئے مناسب نہیں، یہ اس کے لئے آخرت کے خسارے اور دنیا میں بے برکتی کا باعث ہوگا۔

دوسری فصل: مال کی حقیقت (مال کے فوائد و نقصانات)

مال کی حقیقت کیا ہے؟

مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے یہ تریاق بھی ہے اور زہر بھی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ہر امت کیلئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے" دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "یہ مال سرسبز شاداب اور میٹھی چیز ہے اگر اس کو حق کے موافق یعنی شرعی ضابطہ اور طریقہ کے موافق حاصل کرے اور حق کے موافق خرچ کرے تو کام آنے والی مددگار چیز ہے اور جو بغیر حق کے حاصل کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ آدمی کو جوع البقر کی بیماری ہو جائے کہ آدمی کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے"

(مشکوٰۃ)

اس کے فوائد بمنزلہ تریاق کے ہیں اور اس کے نقصانات بمنزلہ زہر کے ہیں جو اس کے فوائد و نقصانات سے واقف ہو جائے، وہ ہی اس پر قادر ہو سکتا ہے کہ اس کے فوائد حاصل کرے اور نقصانات سے محفوظ رہے۔

(فضائل صدقات ص: ۶۰)

در حقیقت انسان کے لئے مال اس کے خالق و مالک کی طرف سے بہت بڑا احسان و انعام ہے، کیونکہ مال کی بدولت انسان اپنے لئے، نیز اپنے اہل و عیال کے لئے خورد و نوش و دیگر بنیادی و فطری حوائج و ضروریات کا انتظام کرتا ہے، مال کی بدولت ہی انسان اپنی اور اپنے اہل و عیال کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے اور دوسروں کی طرف احتیاج و اقتدار کی ذلت و رسوائی سے محفوظ و مأمون رہتا ہے، اور اسی مال کی بدولت ہی انسان "انفاق فی سبیل اللہ" کے ذریعہ اپنے خالق و مالک کا قرب حاصل کرتا ہے، اہل ضرورت، نیز فقراء و مساکین کی مدد و اعانت کے نتیجے میں وہ اپنے دامن میں رب کریم کی طرف سے اجر عظیم، خیر و برکت کا سامان اور ان فقراء و مساکین کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ایک دعا میں ایسا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے لئے "مال" دراصل "نعمت" ہے، یہ اور بات ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے ہی غلط تصرفات اور نامناسب اقدامات کی وجہ سے اس نعمت کو "فتنہ" اور وبال بنالیتا ہے۔ اس سلسلہ میں تمام تر اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان مال کماتے وقت حرام ذرائع سے اجتناب کرے، اور پھر مال خرچ کرتے وقت بھی "حرام" میں خرچ کرنے سے مکمل اجتناب کرے، کیونکہ قیامت کے روز مال کے بارے میں انسان سے دونوں باتوں کا سوال ہوگا (من این اکتسبه؟ و فیما انفقه؟) یعنی: "مال کمایا کہاں سے؟ اور پھر خرچ کہاں کیا؟

(ترمذی: ۲۴۱۶)

اور پھر مزید یہ کہ حرام کی بجائے صرف حلال اور مباح راستوں میں مال خرچ کرتے وقت بھی "اعتماد" کو ملحوظ رکھا جائے اور "اسراف" سے اجتناب کیا جائے۔ نیز "زکوٰۃ" و دیگر "نفعات واجبہ" کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی و تقصیر نہ ہو۔ "مال" سے متعلق مذکورہ اسلامی تعلیمات و توجیہات کی مکمل پابندی و پاسداری کرنے والے انسان کے لئے "مال" یقیناً نعمت ہی قرار پائے گا اور انشاء اللہ دونوں جہانوں میں اس کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ ہی ثابت ہوگا۔

نیز اس بارے میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مال بذات خود مذموم نہیں بلکہ اس کی ہوس اور محبت مذموم ہے، جس طرح کشتی کے تیرنے کے لئے اس کے نیچے پانی کا ہونا ضروری ہے، لیکن یہی پانی اگر کشتی کے اندر آجائے تو یقیناً تباہی کا سبب بنے گا۔ لہذا دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے مال یقیناً ضروری ہے، البتہ اس کی ہوس اور محبت دل کے اندر داخل نہ ہونے پائے، ورنہ بربادی یقینی ہوگی۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ "مال" کی اس اہمیت کے باوجود مال بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود تک رسائی کے لئے مال محض ایک وسیلہ و ذریعہ ہے اور اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے مناسب اور باعزت گزر بسر کا انتظام کر سکے، نیز اتفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کر سکے، اس حقیقی مقصد کے لئے مال محض ایک وسیلہ ہے، نہ کہ اصل مقصود، لہذا مال کی ہوس اور محبت مذموم اور ناپسندیدہ ہے، نہ کہ بذات خود مال۔ انسان کے لئے مال کی اس طبعی و فطری ضرورت و اہمیت کے بارے میں گزشتہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ مناسب حد کے اندر رہتے ہوئے انسان کو "کسب مال" کے لئے سنجیدہ کوشش اور جدوجہد کرنی چاہئے، تاکہ دوسروں پر بوجھ بننے کی بجائے وہ خود کفیل ہو سکے۔

خصوصاً آج کے اس مادی دور میں کہ جب مختلف طاغوتی قوتوں کی طرف سے اپنے مذہبی و سیاسی و اخلاقی اغراض و مقاصد کی انجام دہی، نیز اپنے نظریات کی تشہیر اور پھر عزائم کی تکمیل کے لئے "اقتصاد" کو حربہ و وسیلہ بنالیا گیا ہے اور اس حربے کو کامیاب و موثر ترین ہتھیار کے طور پر چہار سو استعمال کیا جا رہا ہے، دورِ حاضر کی جنگیں "میدانِ جنگ" کی بجائے "میدانِ اقتصاد" میں لڑی جا رہی ہیں۔ ایسی صورت حال میں امت مسلمہ کے ہر فرد کو حتیٰ المقدور اقتصادی بہتری، خود انحصاری اور خود کفالت کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ فقر و احتیاج اور مفلسی و ناداری کی وجہ سے انسان بسا اوقات بہت سی ایسی مشکلات اور ایسے تکلیف دہ حالات کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کے دین و ایمان کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں، محتاج و بے بس انسان اخلاقی پستی، ذہنی و نفسیاتی زوال و انحطاط، نیز جسمانی عوارض و امراض کے گرداب میں پھنستا چلا جاتا ہے اور معاشرے میں بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی فطری و خداداد صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں اور بسا اوقات اس کی تعمیری صلاحیتیں تخریبی سرگرمیوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت حال سے محفوظ و مأمون رہنے کے لئے بھی بطور "احتیاطی تدبیر" معاشی استحکام اور خود کفالت کے لئے سنجیدہ جدوجہد ضروری ہے۔

مال کے فوائد

مال فی حد ذاتہ بری چیز نہیں ہے اچھی چیز ہے کار آمد ہے، بہت سے دینی و دنیاوی فوائد اس کے ساتھ وابستہ ہیں، اسی لئے روزی کمانے کی اور مال کے حاصل کرنے کی ترغیبات بھی احادیث میں واد رہوئی ہیں، اس میں فوائد دو قسم کے ہیں دنیاوی اور دینی:

دنیاوی فوائد

دنیاوی فوائد تو ہر شخص جانتا ہے اور اس کیلئے ساری دنیا مر مٹ رہی ہے۔

دینی فوائد

دینی فوائد تین ہیں:

۱. اول یہ کہ بواسطہ یا بلا واسطہ عبادت کا سبب ہے، بلا واسطہ تو جیسے حج، جہاد وغیرہ کہ یہ روپیہ ہی سے ہو سکتے ہیں اور بواسطہ یہ کہ اپنے کھانے پینے اور ضروریات میں خرچ کرے، کہ یہ ضرورتیں اگر پوری نہ ہوں تو آدمی کا دل ادھر مشغول رہتا ہے، جس کی وجہ سے دینی مشاغل میں اشتغال کا وقت نہیں ملتا اور جب یہ بواسطہ عبادت کا ذریعہ ہے تو خود بھی عبادت ہوا۔ لیکن صرف اتنی ہی مقدار جس سے دینی مشاغل میں اعانت ملے اس سے زیادہ مقدار اس میں داخل نہیں۔

۲. دوسرا دینی فائدہ یہ ہے کہ اس کو کسی دوسرے پر خرچ کرنے کے متعلق ہے اور یہ چار قسم پر ہے:

ا. صدقہ جو غرباء پر کیا جائے۔

ب. مروت میں خرچ کرنا یعنی اغنیاء پر دعوت و ہدیہ وغیرہ میں خرچ کیا جائے کہ وہ صدقہ نہیں ہے، اس لئے کہ صدقہ فقراء پر ہوتا ہے۔ اس سے آپ کے تعلقات قوی ہوتے ہیں، سخاوت کی بہترین عادت پیدا ہوتی ہے، بہت سی احادیث ہدایا اور کھانا کھلانے کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں اس قسم میں ان لوگوں کے فقر کی قید نہیں ہے، جن پر خرچ کیا جائے، یہ فائدہ بسا اوقات پہلے نمبر سے بھی بڑھ جاتا ہے، مگر یہ جب ہی ہو سکے گا جب اس مد میں خرچ کیا جائے لیکن جو شخص ننانوے کے پھیر میں پڑ جائے اس کے لئے وہ سب احادیث جو ان کے فضائل میں آئی ہیں، کار آمد نہیں ہیں اور نہ ہی اس اثر کریں گی۔

ت. اپنی آبرو کا تحفظ یعنی مال کا ایسی جگہ خرچ کرنا جس میں اگر خرچ نہ کیا جائے تو کمینہ لوگوں کی طرف سے بدگوئی فحش وغیرہ مضرتوں کا اندیشہ ہے، یہ بھی صدقہ کے حکم میں آجاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنی آبرو کی حفاظت کیلئے جو خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کرتا ہے۔

ث. مزدوروں کی اجرت دینا کہ آدمی بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا اور بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو آدمی خود تو کر سکتا ہے، لیکن ان میں بہت ساعزیز اور قیمتی وقت صرف ہوتا ہے اگر ان کاموں کو اجرت پر کرالے تو اپنا یہ وقت علم و عمل، ذکر و فکر وغیرہ ایسے امور میں خرچ ہو سکتا ہے جن میں دوسرا نائب نہیں ہو سکتا۔

۳. تیسرا دینی فائدہ یہ ہے کہ عمومی اخراجات خیر ہیں، جن میں کسی دوسرے معین شخص پر تو خرچ نہیں کیا جاتا البتہ عمومی فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے مساجد کا بنانا، مسافر خانے پل وغیرہ بنانا، مدارس، شفا خانے وغیرہ ایسی چیزیں بنانا جو اپنے مرنے کے بعد بھی ان کے اجر و ثواب اور ان سے فوائد حاصل کرنے والے صلحاء کی دعائیں پہنچتی رہیں، یہ تو اجمال ہے اس کے فوائد کا اور جو سارے فوائد اس سے حاصل ہو سکتے ہیں وہ ان میں آگئے، حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مال کا خرچ کرنا سات طرح سے عبادت ہے:

۱. زکوٰۃ جس میں عشر بھی داخل ہے۔
۲. صدقہ فطر۔
۳. نفل خیرات جس میں مہمانی بھی داخل ہے اور قرض داروں کی اعانت بھی۔
۴. وقف، مساجد، سرائے پل وغیرہ بنانا۔
۵. حج فرض ہو یا نفل یا کسی دوسرے کی حج میں توشہ سے یا سواری سے مدد ہو۔
۶. جہاد میں خرچ کرنا کہ اس میں ایک درہم سات سو درہم کے برابر ہے۔
۷. جن کے اخراجات اپنے ذمہ ہیں ان کو ادا کرنا جیسا کہ بیوی کا اور چھوٹی اولاد کا خرچ اور اپنی وسعت کے بعد محتاج رشتہ داروں کا خرچ وغیرہ۔

(فضائل صدقات / تفسیر عزیزی)

مال کے نقصانات

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضورؐ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے (جس میں مبتلا ہو کر وہ فتنہ میں پڑ جاتی ہے) میری امت کا فتنہ مال ہے۔

فائدہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد بالکل ہی حق ہے، کوئی اعتقادی چیز نہیں ہے۔ روزمرہ کے مشاہدہ کی چیز ہے کہ مال کی کثرت سے جتنی آوارگی، عیاشی، سود خواری، زنا کاری، سنیما بینی، جو بازی، ظلم ستم، لوگوں کو حقیر سمجھنا، اللہ کے دین سے غافل ہونا، عبادت میں تساہل، دین کے کاموں کے لئے وقت نہ ملنا وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ ناداری میں ان کا تہائی چوتھائی بلکہ ان کا دسواں حصہ بھی نہیں ہوتا اسی وجہ سے ایک مثل مشہور ہے "زرنیست عشق ٹیں ٹیں" پیسہ پاس نہ ہو تو بازاری عشق بھی زبانی جمع خرچ ہی رہ جاتا ہے۔ اور یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو کم سے کم درجہ مال کی بڑھوتری کا ہر وقت فکر تو کہیں گیا ہی نہیں۔ صرف تین ہزار روپیہ کسی کو دے دیجئے، پھر جو ہر وقت اس کو کسی کام میں لگا کر بڑھانے کا فکر دامن گیر ہو گا تو کہاں کا سونا، کہاں کا راحت آرام، کیسا نماز روزہ، کیسا حج زکوٰۃ، اب دن بھر، رات بھر دوکان کے بڑھانے کی فکر ہے۔ دوکان کی مشغولی نہ کسی دینی کام میں شرکت کی اجازت دیتی ہے، نہ دین کے لئے کہیں باہر جانے کا وقت ملتا ہے کہ دوکان کا خرچ ہو جائے گا۔ ہر وقت یہ فکر سوار کہ کونسا کاروبار ایسا ہے جس میں نفع زیادہ ہو، کام چلتا ہوا ہو۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد جو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے لئے دو وادیاں (دو جنگل) مال کے حاصل ہو جائیں تو وہ تیسری کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کے لئے ایک وادی مال کی ہو تو دوسری کو تلاش کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری تلاش کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔ ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے لئے ایک جنگل کھجوروں کا ہو تو دوسرے کی تمنا کرتا ہے۔ اور دو ہوں تو تیسرے کی اور اسی طرح تمنائیں کرتا رہتا ہے۔ اس کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔

(کنز)

ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کو ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ دوسری کو تلاش کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری کو تلاش کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی (بخاری)۔ مٹی سے بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی مٹی میں جا کر ہی وہ اپنی اس ہل من مدید کی خواہش سے رک سکتا ہے۔ دنیا میں رہتے رہتے تو ہر وقت اس پر اضافہ اور زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ ایک کارخانہ اچھی طرح چل رہا ہے اس میں بقدر ضرورت آمدنی ہو رہی ہے، کہیں کوئی دوسری چیز سامنے آگئی اس میں بھی اپنی ٹانگ اڑادی۔ ایک سے دو ہو گئیں، دو سے تین ہو گئیں۔ غرض جتنی آمدنی بڑھتی جائے گی، اس کو مزید کاروبار میں لگانے کی فکر رہے گی۔ یہ نہیں ہو گا کہ اس پر قناعت کر کے کچھ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغولی کا نکل آئے۔ اسی لئے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اَلِ مُحَمَّدٍ قَوْنًا۔ "اے اللہ میری اولاد کا رزق قوت ہو"۔ یعنی بقدر کفایت ہو، زائد ہو ہی نہیں، جس کے چکر میں میری اولاد بھنس جائے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "بہتری اور خوبی اس شخص کے لئے ہے، جو اسلام عطا کیا گیا ہو اور اس کا رزق بقدر کفایت ہو اس پر قانع ہو" ایک اور حدیث میں ہے کہ کوئی فقیر یا غنی قیامت میں ایسا نہ ہو گا جو اس کی تمنا کرتا ہو، کہ دنیا میں اس کی روزی صرف قوت (یعنی بقدر کفایت) ہوتی۔

(احیاء)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم مجھے تمہارے اوپر تمہارے فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی وسعت ہو جائے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر ہو چکی ہے۔ پھر تمہارا اس میں دل لگنے لگے جیسا کہ ان کا لگنے لگا تھا۔ پس یہ چیز تمہیں بھی ہلاک کر دے جیسا کہ پہلی امتوں کو کر چکی ہے۔

(مشکوٰۃ)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے مختلف قسم کی تنبیہات سے مال کی کثرت اور اس کے فتنہ پر متنبہ فرمایا۔ اس لئے نہیں کہ مال فی حد ذاتہ کوئی ناپاک یا عیب کی چیز ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کے قلوب کے فساد کی وجہ سے بہت جلد ہمارے دلوں میں مال کی وجہ سے تعفن اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی مضرتوں سے بچتے ہوئے، اس کی زیادتی سے احتراز کرتے ہوئے شرائط کی رعایت ہوتی ہے نہ اصلاح کی فکر ہوتی ہے اس بنا پر یہ اپنا زہریلا اثر بہت جلد پیدا کر دیتا ہے۔

اس کی بہترین مثال ہیضہ کے زمانہ میں امرود کا کھانا ہے کہ فی ذات حد ذرتہ امرود کے اندر کوئی عیب نہیں۔ اس کے جو فوائد ہیں وہ اب بھی اس میں موجود ہیں لیکن ہوا کے فساد کی وجہ سے اس کے استعمال سے، بالخصوص کثرت استعمال سے بہت جلد اس میں تغیر پیدا ہو کر مضرت اور ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علی العموم ڈاکٹر ہیضہ کے زمانہ میں امرودوں کی سختی سے ممانعت کر دیتے ہیں۔ ٹوکریں کے ٹوکریں ضائع کر دیتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر معمولی حکیم یا ڈاکٹر کسی چیز کو مضرت بتاتا ہے تو طبعاً ہمارے قلوب اس سے ڈرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے ان اعلانات کے بعد اچھے اچھے سو رماؤں کی ہمت امرود کھانے کی نہیں رہتی۔ لیکن وہ ہستی جس کے جو توں کی خاک تک بھی کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں پہنچ سکتا۔ جس کی تجویزات اور نبوت سے مستفاد ہیں، اس کے اعلان پر، اس کی تجویز پر ذرا بھی خوف پیدا نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار اس کے فتنوں اور اس کی مضرتوں پر تنبیہ فرما رہے ہیں تو یقیناً ہر شخص کو بہت زیادہ اس کی مضرتوں سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال کے نقصانات بھی دو قسم کے ہیں:

۱- دینی نقصانات

۲- دنیوی نقصانات

دینی نقصانات

دینی نقصانات تین قسم پر ہیں:

ا. معاصی کی کثرت کا سبب ہوتا ہے کہ آدمی اکثر و بیشتر اس کی وجہ سے شہوتوں میں مبتلا ہوتا ہے اور ناداری و عجز ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہونے دیتا جب آدمی کو کسی معصیت کے حصول سے ناامیدی ہوتی ہے تو دل اس طرف زیادہ متوجہ بھی نہیں ہوتا اور جب اپنے کو اس پر قادر سمجھتا ہے تو کثرت سے ادھر توجہ رہتی ہے اور مال قدرت کے بڑے اسباب میں سے ہے اسی وجہ سے مال کا فتنہ فقر کے فتنہ سے بڑھا ہوا ہے۔

ب. جائز چیزوں میں تنعم کی کثرت کا سبب ہے، اچھے سے اچھا کھانا، اچھے سے اچھا لباس وغیرہ وغیرہ، بھلا مال دار سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ جو کی روٹی کھائے اور موٹا کپڑا پہنے اور ان تنعمات کا حال یہ ہے کہ ایک چیز دوسرے کو کھینچتی ہے اور شدہ شدہ اخراجات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جب ان کو آمدنی کافی نہیں ہوتی تو ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے کی فکریں پیدا ہونے لگتی ہیں اور جھوٹ نفاق وغیرہ بری عادات کی بنیاد اسی سے پڑتی ہے کہ مال کی کثرت کی وجہ سے ملاقاتی بھی کثیر ہونگے اور ان کے تعلقات کی بقاء اور حفاظت کے واسطے اس قسم کے امور کثرت سے پیدا ہونگے اور تعلقات کی کثرت میں بغض و عداوت حسد کینہ وغیرہ امور طرفین میں کثرت سے پیدا ہونگے اور ایسے بے انتہا عوارض آدمی کے ساتھ لگ جائیں گے، جن سے مال کے ہوتے ہوئے خلاصی دشوار ہے اور غور کرنے سے یہ مضرتیں وسیع پیمانے پر پہنچ جاتی ہیں اور ان سب کا پیدا ہونا مال ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔

ت. اور کم سے کم اس بات سے تو کوئی بھی مال دار خالی نہیں ہو سکتا کہ اس کا دل مال کی صلاح و فلاح کے خیال میں اللہ کے ذکر و فکر سے غافل رہے گا اور جو چیز اللہ جل شانہ سے غافل کر دے وہ خسارہ ہی خسارہ ہے، اسی واسطے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مال میں تین آفتیں ہیں:

۱. اول یہ کہ ناجائز طریقہ سے کمایا جاتا ہے۔

۲. کسی نے عرض کیا کہ اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو تو آپ نے فرمایا کہ بے جگہ خرچ ہوتا ہے۔

۳. کسی نے عرض کیا کہ اگر اپنے محل ہی پر خرچ کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اصلاح کا فکر اللہ جل شانہ سے تو مشغول کر ہی دے گا۔

یہ لاعلاج بیماری ہے کہ ساری عبادات کا لب لباب اور مغز اللہ جل شانہ کا ذکر فکر ہے اور اس کیلئے فارغ دل کی ضرورت ہے (اور مال دار کے لئے یہ بہت مشکل ہے)۔

دنیوی نقصانات

دنیوی نقصانات یہ ہیں کہ صاحب جائیداد شخص دن بھر اور رات بھر کاشت کاروں کے جھگڑوں کی سوچ اور ان سے وصولی کے حساب کتاب میں اور شریکوں کے معاملات کی فکر میں رہتا ہے، کہیں ان کے حصوں کا جھگڑا ہے، ان سے پانی کی بانٹ پر جھگڑا ہے کہیں ڈول بندیوں میں لڑائی ہے اور حکام اور ان کے ایچیوں کا قصہ علیحدہ ہر وقت کا ہے، نوکروں اور مزدوروں کی خبر گیری ان کے کام کی نگرانی ایک مستقل مشغلہ ہے۔

اسی طرح تاجر کا حال ہے کہ اگر شرکت میں تجارت ہو تو شرکاء کی حرکتیں ہر وقت ایک مستقل مصیبت اور مستقل مشغلہ ہے اور تنہا تجارت ہو تو نفع کے بڑھنے کا فکر ہر وقت اپنی محنت میں کوتاہی کا خیال تجارت میں نقصان کا فکر ایسے امور ہیں جو ہر وقت مسلط رہتے ہیں۔

مشاغل کے اعتبار سے سب سے کم وہ خزانہ ہے جو نقد کی صورت میں اپنے پاس ہو، لیکن اس کی حفاظت اور اضاعت کا اندیشہ چوروں کا فکر اور اس کے خرچ کرنے کے مصارف کا فکر اور جن لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف لگی رہتی ہیں ان کا خیال ایسے تفکرات ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور یہی وہ سب دنیوی مضرات ہیں جو مال کے ساتھ لگی رہتی ہیں اور جس کے پاس بقدر ضرورت ہو وہ ان سب افکار سے فارغ کہ روز افزوں اخراجات کس طرح پورے کروں۔

مال کے نقصانات سے بچنے کا حل

پس مال کا تریاق اس میں سے بقدر ضرورت اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے اس کو خیر کے مصارف میں خرچ کر دینا ہے۔ (اس کی کچھ تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے) اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زہر ہی زہر ہے آفت ہی آفت ہے، اس کی مثال بالکل سانپ کی سی ہے جو لوگ اس کے پکڑنے کے ماہر ہیں اس کے طریقوں سے واقف ہیں ان کے لئے اس کے پکڑنے میں کوئی نقصان نہیں بلکہ وہ اس سے تریاق بنا سکتے اور دوسرے فوائد حاصل کر سکتے ہیں لیکن کوئی ناواقف ان ماہروں کی حرص کر کے سانپ کو پکڑے گا تو ہلاک ہوگا، اسی طرح متمول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حرص کر کے

ہم لوگ اگر اس زہر کا استعمال کثرت سے کریں تو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے اور ان حضرات کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق محض اعتقادی بات نہیں ان کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی کھلی شہادت دیتا ہے کہ ان کے یہاں اس کی وقعت ایندھن سے زیادہ نہ تھی ان کے لئے اس کا وجود حق تعالیٰ شانہ سے زرا بھی توجہ ہٹانے والا نہ تھا اور اس کے باوجود اس سے ڈرتے تھے، جیسا کہ ان کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے۔

(فضائل صدقات ص: ۲۳۷ تا ۲۴۱)

تیسری فصل: معاش کی اہمیت

اسلام یہ چاہتا کہ مسلمان معاشرے کا فرد اپنی معاشی ضروریات کے سلسلے میں دوسرے پر بوجھ بننے کی بجائے وہ معاشی کوششیں کر کے اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو، اس کے ساتھ معاشرے کے وہ افراد خواہ مرد ہوں یا عورتیں جو کمزور ہیں اور وہ خود معاشی انتظام و بندوبست نہیں کر سکتے، ان کا بوجھ بھی یہ فرد اٹھائے جسے اللہ تعالیٰ نے معاشی بندوبست کرنے کی طاقت و سلیقہ دیا ہے، چنانچہ ذیل میں قرآن و حدیث میں معاش سے متعلق اہمیت ملاحظہ فرمائیں:

آیات قرآنیہ

۱. [وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَاشٍ قَلِيلًا لَّئِمَّا تَشْكُرُونَ] (الاعراف: ۱۰)

ترجمہ: "ہم تمہارے لئے اس میں زندگی کے ذرائع فراہم کئے، تم بہت کم شکر کرتے ہو"۔ اور ارشاد ربانی ہے

۲. [يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمٍ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ] (الجمعة: ۹، ۱۰)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان ہو جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو، اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم پھر زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ

۳. [وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَاشٍ وَمَنْ لَّيْسَ لَهُ بَرَارٍ قِينَ] (الحجر: ۲۰ □)

ترجمہ: "اور تمہارے لئے اس میں معیشت کے اسباب بنائے اور وہ چیزیں جن کو تم روزی نہیں دیتے"۔ اور قرآن کا ارشاد ہے

۴. [وَجَعَلْنَا آيَةَ الْفَتْحِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ] (بنی اسرائیل: ۱۲)

ترجمہ: "اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو"۔

احادیث مبارکہ

۱. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طلب الحلال کمقارعة الابطال ومن بات کالاً من طلب الحلال بات مغفوراً لہ ترجمہ: "حلال کمانا ایسا ہے جیسا بہادروں سے مقابلہ کرنا، اور جس نے حلال کی میں طلب گھر سے دور رات گزاری تو اس کی رات مغفرت کے ساتھ گزری"

۲. ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے لئے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لئے ہوئے آؤ۔"
۳. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب حلال کو "فريضة بعد الفريضة" قرار دیا ہے۔
۴. ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض گناہوں کا کفارہ روزی کمانے میں مغموم و متفکر رہنا ہے۔
۵. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے کہ سوال سے بچے اور اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسایہ کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔"

(کسب حلال راہ اعتدال، بحوالہ نسائی، دارمی، ابو داؤد)

معاش کا حصول فرائض کی ادائیگی میں معاون ہے

چونکہ انسان کی طرف اللہ پاک کے بہت سارے احکامات متوجہ ہوتے ہیں جو اس کے لئے فرض، واجب اور مقصد کا درجہ رکھتے ہیں، ان احکامات کے پورا کرنے کے لئے انسانی بدن ہی ذریعہ بنتا ہے، اس لئے بدن کا قوی، مضبوط اور اس قابل ہونا کہ ان احکامات کو کما حقہ ادا کر سکے ضروری ہے۔ عادتاً اس اہلیت کے پیدا کرنے میں معاشی سرگرمیوں کا براہ راست دخل ہے، اس اعتبار سے ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ نماز کیلئے طہارت، ہر شخص جانتا ہے کہ نماز بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی اور اس کے واسطے پانی کا حصول ضروری ہے اور پانی کی لئے پیالہ، لوٹا، ڈول، رسی، نکا، ٹونٹی کا انتظام کرنا ضروری ہے یا مثلاً نماز کی ادائیگی کیلئے ستر کا ڈھانپنا ضروری ہے اور لباس ہی ستر پوشی کے کام آتا ہے اور ان چیزوں کا حصول عادتاً کمانے پر ہی موقوف ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز پر کسی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ بذات خود فرض ہو جاتی ہے، ایسا معاش جس پر دین کی ضروریات و فرائض موقوف ہوں اس کا بقدر ضرورت حصول بھی فرض ہو جائے گا۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۴۷)

کمانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے

کسب حلال تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور کمانا و حصول معاش کیلئے کوشش و محنت کرنا منصب نبوت کے منافی نہیں ہے، چنانچہ جب کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسب معاش کیلئے بازار میں جانے پر اعتراض کیا تو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں ارشاد ہے [وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْكَ مِنْ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنْهُمْ لَيَأْكُلُوا الطَّعَامَ وَيَكْسِبُونَ فِي الْأَسْوَاقِ] (الفرقان: ۲۰)

ترجمہ: "(صرف آپ ہی نہیں بلکہ) ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں (کسب معاش کیلئے) چلتے پھرتے تھے"۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی ہے اور آٹا پیسا ہے اور روٹی پکائی ہے، حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھنے کا اور درزی کا کام کیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے لکڑی تراش کر کشتی بنائی ہے جو کہ بڑھئی کا کام ہے اور اپنے بڑھئی کے کام سے کھاتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام تجارت کرتے تھے، حضرت صالح علیہ السلام بھی تجارت کرتے تھے، حضرت ذوالقرنین جو بہت بڑے بادشاہ تھے اور بعضوں نے ان کو پیغمبر بھی کہا ہے وہ زنبیل بنتے تھے، جیسے یہاں ٹوکریاں تھیلے ہوتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھیتی کی ہے اور تعمیر کا کام کیا ہے، خانہ کعبہ بنایا تھا، حضرت اسمعیل علیہ السلام تیر بناتے تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے سب فرزند بکریاں چراتے اور ان کی افزائش نسل کی خرید و فروخت کرتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ کی تجارت کی ہے جب قحط پڑا تھا، حضرت ایوب علیہ السلام کے ہاں اونٹ بکریوں کے بچے برہتے اور کھیتی ہوتی تھی، حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں بکریاں چرائی جاتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی سال بکریاں چرائی ہیں اور ان کے نکاح کا یہی مہر تھا، حضرت ہارون علیہ السلام نے تجارت کی ہے، حضرت یسوع علیہ السلام کھیتی کرتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے جو کہ لوہار کا کام ہے، حضرت لقمان علیہ السلام بڑے حکمت والے عالم ہوئے ہیں، بعضوں نے ان کو پیغمبر بھی کہا ہے انہوں نے بکریاں چرائی ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام زنبیل بنتے تھے، حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دکان دار کے ہاں کپڑے رنگے تھے، سب پیغمبروں کا بکریاں چرانا بھی بیان ہو چکا نیز ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام بکریاں بھی چراتے تھے اور آپ کا تجارت کرنا بھی ثابت ہے اور اماں حوا علیہا السلام اپنے ہاتھ سے اون بن کر خود بھی پہنٹیں اور اپنی اولاد کو پہناتی تھیں، اور حضرت مریم علیہا السلام بھی اور کتنی تھیں۔ اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام یہ سب کام محض اپنے معاش کیلئے نہیں کرتے تھے لیکن کرتے تو تھے۔

(ماخوذ از کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۵۱ تا ۵۲)

صحابہ کرام کا کسب معاش

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المعارف "فصل فی صناعات الاشراف" کے تحت متعدد صحابہ و اشراف عرب کا ذکر کیا، جن کا کسی نہ کسی پیشہ اور کاروبار سے تعلق تھا، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین کپڑا فروشی سے منسلک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر تیار کیا کرتے تھے، حضرت زبیر اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما لحم فروشی (قصابی) کا کام کیا کرتے تھے، حضرت عثمان بن

طلحہ جنہیں خانہ کعبہ کی کنجی کی تولیت حاصل تھی وہ درزی کا کام کرتے تھے، اسی طرح ابن قتیبہ نے اس فصل کے ذیل میں اور بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اشراف قریش کے کاروبار کا ذکر فرمایا ہے۔

محمد ثین، مفسرین اور ائمہ کرام کا کسب معاش

علامہ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الانساب" سے مولانا عبد القیوم حقانی نے اپنی کتاب "پیشہ رزق حلال اور ارباب علم و کمال" میں کسانوں، چرواہوں، دست کاروں، صنعت والوں، تاجروں، کاریگروں، پارچہ بانوں، پارچہ فروشوں، درزیوں، دھویوں، روغن سازوں، قصابوں، حلوائیوں، آٹا پیسنے والوں، صابن سازوں، صیقل گروں، شیشہ تیار کرنے والوں، لوہاروں، بڑھئیوں، لکڑھاروں، شکار کرنے والوں، جراب موزے تیار کرنے والوں اور مزدوروں کے پیشوں سے منسلک علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین اور ائمہ اسلام کی ایک طویل فہرست، نقل کی ہے (جو دیکھنا چاہیں وہاں سے دیکھ سکتے ہیں)

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۵۲)

حصول معاش کے چند آداب

۱. دن میں حصول معاش کی کوشش فطری ہے

ذرا اس بات میں غور کیا جائے کہ سارے انسان رات کے وقت سوتے ہیں اور دن کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور رات کے وقت نیند آتی ہے اور دن کے وقت نیند بھی نہیں آتی۔ تو کیا ساری دنیا کے انسانوں نے مل کر کوئی بین الاقوامی کانفرنس تھی جس میں سب انسانوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دن کے وقت کام کریں گے اور رات کے وقت سویا کریں گے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ رات کے وقت سو جاو اور دن کے وقت کام کرو۔

[وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا] (النباء: ۱۰۶)

ترجمہ: "اور رات کو پردہ مقرر کیا، اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا"

اگر یہ چیز انسان کے اختیار میں دے دی جاتی کہ وہ جب چاہے کام کرے اور جس وقت چاہے سو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی شخص کہتا کہ میں دن کو سوؤں گا اور رات کو کام کروں گا، کوئی کہتا کہ میں شام کو سوؤں گا اور صبح کے وقت کام کروں گا، کوئی کہتا کہ میں صبح کے وقت سوؤں گا اور شام کے وقت کام کروں گا۔ پھر اس اختلاف کا نتیجہ

یہ ہوتا کہ ایک وقت میں ایک شخص سونا چاہ رہا ہے اور دوسرا شخص اسی وقت کھٹ پٹ کر رہا ہے اور اپنا کام کر رہا ہے، اور اس کی وجہ سے دوسرے کی نیند خراب ہوتی۔ اس طرح دنیا کا نظام خراب ہو جاتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ دن کے وقت کام کرو اور رات کے وقت آرام کرو۔ اور اس کو فطرت کا ایک تقاضہ بنا دیا۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۶۱ تا ۷۵)

۲. حلال روزگار نہ چھوڑیں

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من رزق في شيء فليزمه- من جعلت معيشته في شيء فلا ينتقل عنه حتى يتغير عليه-

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو جس کام کے ذریعہ رزق مل رہا ہو، اس کو چاہئے کہ وہ اس کام میں لگا رہے، اپنے اختیار اور مرضی سے بلا وجہ اس کو نہ چھوڑے اور جس شخص کا روزگار اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے کسی چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہو تو وہ شخص اس روزگار کو چھوڑ کر دوسری طرف منتقل نہ ہو، جب تک کہ وہ روزگار خود سے بدل جائے یا اس روزگار میں خود سے ناموافقت پیدا ہو جائے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۷۸)

جب اللہ جل شانہ نے کسی شخص کے لئے حصول رزق کا ایک ذریعہ مقرر فرمادیا، وہ شخص اس میں لگا ہوا ہے اور اس کے ذریعہ اُس کو رزق مل رہا ہے تو اب بلا وجہ اس روزگار کو چھوڑ کر الگ نہ ہو، بلکہ اس میں لگا رہے، تا وقتیکہ وہ خود اُس کے ہاتھ سے نکل جائے یا ایسی ناموافقت پیدا ہو جائے کہ اب آئندہ اس کو جاری رکھنا پریشانی کا سبب ہو گا۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کسی ذریعہ سے رزق وابستہ کر دیا ہے تو یہ اللہ جل شانہ کی عطا ہے، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے بندے کو اس کام میں لگایا گیا ہے اور اس سے وابستہ کیا گیا ہے، کیونکہ ویسے تو رزق کے حصول کے ہزاروں راستے اور طریقے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لئے کسی خاص طریقے کو رزق حاصل کرنے کا سبب بنا دیا تو یہ منجانب اللہ ہے، اب اس منجانب اللہ طریقے کو اپنی طرف سے بلا وجہ نہ چھوڑے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۷۸)

چوتھی فصل: معاش کا درجہ اور اس کے متعلق افراط و تفریط

حق تعالیٰ شانہ نے اس امت کو "امت وسطا" کا لقب عطا فرمایا ہے، کہ یہ امت معتدل امت ہے، ٹھیک سیدھی راہ پر ہے، جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں ہے اور افراط و تفریط سے بالکل بری ہے جس کی مکمل تصویر خیر القرون ہے۔ آج ہماری زندگی کا ہر شعبہ بند نظمی اور افراطی تفری کا شکار ہے اکثر لوگ تو معاد و آخرت کو بھلا کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئے ہیں اور ان کی علمی و عملی تحقیقات اور غور فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے بلکہ بعض بے دین تو وہ ہیں جنہوں نے سرے سے تقدیر و توکل کا ہی انکار کر دیا ہے، اور کچھ ناواقف ایسے بھی ہیں جنہوں نے تقدیر و توکل کو اپنی کم ہمتی اور بے کاری کا بہانہ بنا لیا ہے حالانکہ دنیا میں اتنا انہماک کہ آدمی آخرت سے غافل ہو کر دنیا ہی کو اصل مقصد سمجھ لے سراسر غلط ہے اور دنیا سے اتنا کنارہ کشی اختیار کرنا کہ رہبانیت تک پہنچ جائے یہ بھی تعدی اور ظلم ہے چنانچہ ایک طرف تو اسلام "رہبانیت" کا مخالف ہے اور انسان کی معاشی سرگرمیوں کو جائز و مستحسن بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری قرار دیتا ہے، انسان کی معاشی ترقی اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور کسب حلال اس کے نزدیک فریضۃ بعد الفریضہ کا مقام رکھتا ہے، لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی اتنی واضح ہے کہ اسلام کی نظر میں انسان کا بنیادی مسئلہ معاش نہیں اور نہ معاشی ترقی اس کے نزدیک انسان کا مقصد زندگی ہے، معمولی سمجھ بوجھ سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی کام کا "جائز و مستحسن" ہونا ایک الگ بات ہوتی ہے اور اس کا "مقصد زندگی" ہونا بالکل جدا چیز ہے۔

اسلام کے معاشی مسائل پر بحث کرتے وقت بہت سی الجھنیں اور غلط فہمیاں ان ہی دونوں چیزوں کو خلط ملط کرنے سے پیدا ہوتی ہیں، اس لئے پہلے ہی قدم پر اس بات کا صاف ہونا ضروری ہے۔

پہلی غلط فہمی (معاش کو بنیادی مسئلہ بنا لیا گیا ہے)

اسلامی معاشیات اور مادی معاشیات کے درمیان گہرا بنیادی اور دور رس فرق یہ ہے کہ مادی معاشیات میں معاش انسان کا بنیادی مسئلہ اور معاشی ترقیات اس کی زندگی کا منتہائے مقصود ہیں اور اسلامی معاشیات میں یہ چیزیں ضروری اور ناگزیر سہی لیکن انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہیں، اس لئے جہاں قرآن کریم نے رہبانیت کی مذمت اور

"وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ" (الجمعة: ۱۰)

اللہ کا فضل تلاش کرو

اللہ کے احکام ملتے ہیں، جہاں ہمیں تجارت کیلئے "فضل اللہ" اموال کیلئے "خیر" اور "الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا" (النساء: ۵) خوراک کیلئے "وَالْقَلِيلَ مِنْ الرِّزْقِ" (العراف: ۲۲) لباس کیلئے "زِينَةَ اللَّهِ" (النساء: ۵) اور رہائش کیلئے "سکن" کے احترامی القاب ملتے ہیں، وہاں دنیاوی زندگی کیلئے "مَتَاعُ الْخُرُورِ" (الحديد: ۲۰) کے الفاظ بھی آتے ہیں، ان سب کیلئے "الدنيا" کا

لفظ بھی آتا ہے جو اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے کچھ اچھا تاثر نہیں دیتا اور قرآن کریم کے مجموعی اسلوب سے اس کی دنائت و حقارت سمجھ میں آتی ہے، کوتاہ نظری اس موقع پر تضاد کا شبہ پیدا کر سکتی ہے، لیکن درحقیقت اس کے پیچھے اصل راز یہی ہے کہ آسمانی تعلیمات کی نظر میں تمام وسائل معاش انسان کی رہ گزر کے مرحلے ہیں اس کی اصل منزل درحقیقت ان سے آگے ہے اور وہ ہے عبادت، خلافت اور دعوت کے مقاصد عظیمہ کا حصول اور اس کے نتیجہ میں آخرت کی فلاح و بہبود اور ابدی کامیابیاں۔ انسان کا اصل مسئلہ اور اس کی زندگی کا مقصود انہی دو منزلوں کی تحصیل ہے، لیکن چونکہ ان دو منزلوں کو دنیا کی شاہراہ سے گزرے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لئے وہ تمام چیزیں بھی انسان کیلئے ضروری ہو جاتی ہیں جو اس دنیاوی زندگی کیلئے ضروری ہوں۔ چنانچہ حدیث ذیل اسی طرف مشیر ہے:

عن ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة۔

(کنز العمال حدیث ۹۲۲۱، ص ۹، ج ۲ مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۲/۱ ج)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حلال کمائی کو تلاش کرنا فرض کے بعد ایک فرض ہے۔"

مذکورہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حلال مال کا طلب کرنا فرض ہے بعد اور فرض کے، یعنی ان فرضوں کے بعد جو ارکان اسلام ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ، یعنی مال حلال کی طلب فرض تو ہے مگر اس فرض کا رتبہ دوسرے فرضوں سے کم ہے جو کہ ارکان اسلام ہیں۔ اور یہ فرض اس شخص کے ذمہ ہے جو مال کے ضروری خرچ کے لیے محتاج ہو۔ خواہ اپنی ضرورت رفع کرنے کو یا اپنے اہل و عیال کی ضرورت رفع کرنے کو اور جس شخص کے پاس بقدر ضرورت موجود ہے مثلاً صاحب جائیداد ہے یا اور کسی طرح سے اس کو مال مل گیا۔ تو اس کے ذمہ یہ فرض نہیں رہتا۔ اس لیے کہ مال کو حق تعالیٰ شانہ نے حاجتوں کے رفع کرنے کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ بندہ ضروری حاجتیں پوری کر کے اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں مشغول ہو۔ کیونکہ بغیر کھائے پئے عبادت نہیں ہو سکتی۔ پس مال مقصود لذاتہ نہیں بلکہ مطلوب لغیرہ ہے سو جب ضرورت کے قابل میسر ہو گیا تو خواہ مخواہ حرص کی وجہ سے اس کو طلب کرنا اور بڑھانا نہیں چاہیے۔ پس جس کے پاس قدر ضرورت موجود ہو اس پر بڑھانا فرض نہیں بلکہ مال کی حرص خدا تعالیٰ سے غافل کرنے والی اور اس کی کثرت گناہوں میں مبتلا کرنے والی ہے۔

"یعنی اول تو بندے کے ذمہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی تخلیق کے مقاصد "معرفت، عبدیت اور خلافت" پر اپنی قوت خرچ کرے، جب اس سے وقت بچے تو بقدر ضرورت کمانے کی طرف توجہ کرے اور حلال کمائی تلاش کرے اور اس میں احکام شرعیہ کی پابندی کے ساتھ لگے۔

(ماخوذ از کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۳۷، ۳۸)

البتہ جس جگہ پر معیشت میں اور اللہ جل شانہ کے عائد کردہ فرائض کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے، وہاں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عائد کیے ہوئے فرائض کو ترجیح ہوگی۔ بعض لوگ افراط کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، جب انہوں نے یہ سنا کہ طلبِ حلال بھی دین کا ایک حصہ ہے تو اس کو اتنا آگے بڑھایا کہ اس طلبِ حلال کے نتیجے میں اگر نمازیں ضائع ہو رہی ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں، روزے چھوٹ رہے ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں، حلال و حرام ایک ہو رہا ہے تو ان کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو جواب دیتے ہیں کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں یہ بھی تو دین کا ایک حصہ ہے، ہمارے دین میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے، لہذا جو کام ہم کر رہے ہیں یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۷۹ تا ۱۸۰)

دوسری غلط فہمی ایمان و توکل اور کمائی سے متعلقہ احکامات سیکھے بغیر کمائی و معاش میں لگنا

آج مسلمان نے کمانے کو دین سیکھنے کے مقابلے میں اپنے اوپر پہلے درجے کا فرض و واجب کر لیا ہے جو کہ دوسرے درجے کا فریضہ ہے نہ کہ پہلے درجے کا، قرآن کریم نے ایمان و توکل اور اعمال کے سیکھنے کیلئے کتنی تاکید کی ہے اور قرآن کریم سارا اسی سے بھرا پڑا ہے، جبکہ کمانے کے متعلق کوئی اس درجے کا صریح حکم قرآن کریم میں نہیں ہے اسلام نے معاش کیلئے جو بنیادیں بتائی ہیں، پہلے ان کو سیکھا جائے یعنی تجارت و معاش کے متعلق ایمان و توکل اور احکام شرعیہ کو معاش میں لگنے سے پہلے سیکھنا ہے۔ ان کے حاصل کرنے کیلئے جتنا وقت دینا ضروری ہے، وہ ان پر صرف کیا جائے، کیونکہ جب مسلمان ان بنیادی چیزوں کو حاصل کیے بغیر کمائی میں لگے گا تو اس کمائی میں اللہ تعالیٰ کے حکم اس سے ٹوٹیں گے اور اس سے دنیا و آخرت میں اس کا نقصان ہو گا۔

امام شافعیؒ نے "الرسالۃ" میں اور امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کسی مکلف کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی معاملہ پر اقدام کرے یہاں تک کہ یہ نہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس میں کیا ہے اور امام قرآنی مالکیؒ نے "کتاب الفروق" میں فرمایا ہے کہ جو خرید و فروخت کا کام کرے اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ یہ سیکھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کیا چیز مشروع فرمائی ہے اور جو اجارہ داری کرے اس کے ذمہ یہ واجب ہے کہ اجارہ کے احکام کو جانے اور جو قرض کے لین دین کا معاملہ کرے اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو سیکھے اور جو نماز پڑھے اس کے ذمہ اس نماز کے احکام جاننے ضروری۔

اور کتاب "الروحة المشتیكة" میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ عجمی (جہلاء) لوگ ہمارے بازاروں میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک خرید و فروخت کے احکام کو نہ جان لیں اور اس کی اصلیت بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے ملتی ہے کیونکہ آپ بھی ہر اس شخص کو جو کوئی کام کرنا چاہتا تھا اس کے احکام اور ضروریات سکھایا کرتے تھے۔ "کنز العمال" میں مرفوعاً نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے بازاروں میں صرف وہی آدمی خرید و فروخت کیا کرے جو دینی مسائل جانتا ہو۔

اور مجاہدیؒ نے شرح مختصر ابن ابی جرہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کا قول ہے کہ جو بیع و شراء کے احکام کو نہ جانتا ہو اس کے لئے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا اور بازار میں بیٹھنا جائز نہیں اور یہ کہ جو یہ کرنا چاہے اس پر بہت ضروری ہے کہ اس کے احکام کو سیکھے اور اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے اور یہی امام مالکؒ نے کتاب القراض میں فرمایا ہے اور مدد نہ میں فرمایا ہے کہ میرے نزدیک لین دین کا معاملہ کرنا اس شخص کے لئے درست نہیں جو (اپنی جہالت کی وجہ سے) حرام کو حلال کرے یا حلال حرام میں تمیز ہی نہ کتر ا ہو، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص کو انہوں نے یہ کہہ کر بازار بھیجا کہ جو خرید و فروخت کے احکام کو نہ جانتا ہو۔ اس کو بازار سے نکال دے اور مدخل ابن الحاج میں ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو کوڑے بھی لگایا کرتے تھے جو احکام جانے بغیر خرید و فروخت کرنے بیٹھ جاتا اور فرماتے ہمارے بازاروں میں شخص نہ بیٹھا کرے جو سود کو نہ جانتا ہو۔ امام مالکؒ نے بھی اس شخص کو بازار سے نکلوا دینے کا حکم فرمایا تھا جو احکام کو نہ جانتا ہو تاکہ (اپنے مسائل سے جہالت کی وجہ سے) لوگس کو سود نہ کھلا دے اور میں نے سیدی ابو محمد سے سنا کہ ان کے زمانہ میں محتسب (داروغہ) بازار میں جاتا اور (ہر ہر) دوکان پر ٹھہرتا اور دوکاندار سے اس کے متعلقہ مسائل پوچھتا کہ کس طرح کرنے سے سود ہو جائے گا اور کیسے سودی کام سے بچے گا اگر وہ صحیح صحیح جواب دے دیتا تو اس کو چھوڑ دیتا اور جو ان احکام میں سے کسی سے بھی لاعلمی کا اظہار کرتا اس کو نکال دیتا اور کہتا کہ تمہارے لئے مسلمانوں کے بازار میں بیٹھنا جائز نہیں تم لوگوں کو سود اور ناجائز چیزیں کھلاتے ہو۔

اور "تنبیہ المغترین" میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ حکام کو فرماتے تو وہ تاجروں اور بازاری لوگوں کو حضرت امام کے سامنے پیش کرتے۔ امام صاحب ان سے سوالات کرتے۔ اگر کوئی ایسا شخص ان میں سے پاتے جو احکام معاملات کی سوچھ بوجھ نہ رکھتا ہو، اور حلال و حرام میں تمیز نہ کرنے والے ہو تو اس کو بازار سے نکلوا دیتے اور اس کو فرماتے کہ (پہلے) خرید و فروخت سے متعلق مسائل کو سیکھو پھر بازار میں بیٹھو کیونکہ اگر مسائل سے ناواقف ہو گا تو سود کھائے گا۔

(ماخوذ از ماہنامہ الفاروق، ۲۰۰۹ء)

تیسری غلط فہمی (کسب یعنی کمائی اور پیسہ بنانے و دولت جمع کرنے کے درمیان فرق نہ کرنا)

تجارت اور دیگر ذرائع معاش کے متعلق مسلمان کو عمومی طور پر یہ غلط فہمی ہوتی ہے، کہ اسلام نے اسے کمانے اور تجارت کرنے کی جو تعلیم دی ہے، اس سے مراد پیسہ بنانا اور دولت جمع کرنا سمجھ لیا جاتا ہے، اور اپنے جائز و ناجائز کمانے اور پھر اسے بینک بیلنس بڑھانے اور دولت جمع کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس کی دلیل میں حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما جیسے اجلاء و اغنیاء تجارتی صحابہ کی مثال دے کر اپنے لئے جائز و ناجائز ہر طرح سے پیسہ بنانے و دولت اکٹھی کرنے کو جائز بنا لیا جاتا ہے، اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمائی کے طریقوں کو نظر انداز کرنا تو کرنا ان کے کمانے کے بعد اس کمائی کو دوسروں پر خرچ کرنے اور اس کو ناداروں و ضرورت مندوں اور محتاجوں پر لگانے اور دین کی محنت پر خرچ کرنے کی جو عظیم مثالیں قائم کیں، ان کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ ان کے ان انفاقی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں ہماری طرح نہ دولت و مال سے محبت و لگاؤ تھا اور نہ ہی وہ حضرات ذرائع معاش، تجارت وغیرہ کو پیسہ و دولت بنانے کی غرض سے کرتے تھے۔

الغرض پیسہ و دولت جمع کرنا اور کسب و کمائی، رزق و روزی حاصل کرنا دونوں میں بہت فرق ہے، کمانا تو رزق سے متعلقہ چیز ہے اور پیسہ بنانا و دولت جمع کرنا، ایک الگ کام ہے۔ رزق و معاش کا انتظام تو عبادت ہے اور اس پر اجر ہے اور "التاجرو الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء یوم القیامۃ" (الحديث) ترجمہ سچا و امانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، جبکہ دوسری طرف دولت و پیسہ بنانا اور اسے جمع کرنا اور اسے بڑھانا یعنی حرص مال (جسے آج کل کی اصطلاح میں منی جزیشن، میکسمائزیشن آف منی، بینک بیلنس بنا کر رکھنا اور پیسہ سے، پیسہ کو بڑھانا کہتے ہیں) اور اسے ضرورت مندوں پر نہ لگانا اسلام میں ناپسند ہے بلکہ اس پر عذاب الیم کی سزا ہے،

[وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْنِزُونَ] (التوبہ: ۳۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں عذاب الیم کی خبر دیدیتے" چنانچہ قرآن کریم و احادیث نبویہ میں جہاں کمانے کے فضائل ہیں تو مال و دولت جمع کرنے کی وعیدیں بھی آئی ہیں۔

البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ حقوق ادا کرنے کے علاوہ مزید کمانا یہ کسی آدمی کی اپنی صوابدید پر ہے اور اس میں وہ باختیار ہے کہ کمائے اور مزید مال جمع کرے یا عبادت اور دینی کاموں کے لئے (اس سے کنارہ کشی اختیار کر لے کیونکہ سلف

صالحین رحمہم شیخ میں ہر قسم کی نظیر موجود ہے۔ کسی نے مال جمع فرمایا ہے اور کسی نے نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر مباح ہیں۔

مفتی الہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دنیا (یعنی مال) آدمی کیلئے حق تعالیٰ شانہ کی مرضیات پر عمل کرنے کیلئے بہترین مددگار ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت ان کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ اشرفیاں اور دس لاکھ درہم تھے اور جائیداد خیبر اور وادی قریٰ کی تھی جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مال کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ دینار چھوڑے تھے اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال کا شمار ہی مشکل ہے اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے

[يَذْخُرُونَ رِبَّهُمْ بِالْخَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ] (الکہف: ۲۸)

ترجمہ "اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں" اور ارشاد ہے

[رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ] (النور: ۳۷)

ترجمہ: "(یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت"

(ماخوذ از کتب حلال اور راہ اعتدال ص ۲۷۱ تا ۲۷۰)

جو احادیث دولت کی مذمت اور فقر و زہد کی فضیلت میں بیان کی جاتی ہیں انکے ذیل میں یہ علماء کرام یہ ارشاد فرمادیتے ہیں کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ ہی کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے۔

چوتھی غلط فہمی (انسان اپنی سمجھداری سے کماتا ہے)

انسان کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ خود اپنی قوت و طاقت اور ہوشیاری و سمجھداری اور کمائی میں مہارت کی وجہ سے اور اپنی قوت بازو سے کما رہا ہے، یہ اس کی سراسر خام خیالی ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

[وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا] (ہود: ۶)

ترجمہ: "اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے"

آیت مذکورہ میں انسان پر ایک عظیم الشان احسان کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ کہ اسکے رزق کی کفالت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی ہے اور نہ صرف انسان بلکہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی، وہ جہاں کہیں بھی رہتا ہے اس کی روزی اس کے پاس پہنچتی ہے۔

پانچویں غلط فہمی (یقین و توکل کے زعم میں ترک معاش)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص کلیۃ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے حق تعالیٰ شانہ اس کی ہر ضرورت کا تکفل فرماتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں۔

(فضائل صدقات)

چنانچہ بندے کو چاہئے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے اس پر اس سے زیادہ اعتماد رکھے جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے اور ہر حال میں اللہ پاک ہی پر بھروسہ کرے، بس یہی توکل کی حقیقت ہے لیکن آج کل بعض لوگوں میں توکل کے معنی یہ مشہور ہیں کہ تمام اسباب و وسائل ترک کر کے بیٹھ جائے، یہ معنی بالکل غلط ہیں اور تمام قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور توکل کا حال یہ سمجھنا چاہئے کہ اسباب و تدابیر بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو سب اختیار کرے مگر ان کو مؤثر نہ سمجھے یہ اعتقاد رکھے کہ کام تو اللہ تعالیٰ کے حکم و فضل سے ہی بنے گا، شرعاً ہر چیز توکل کے لئے یہ لازم نہیں کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہو سکتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ کے درپے نہ ہو، اسباب کو مؤثر نہ سمجھے اور نہ ہی ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ شانہ پر ہی نظر رکھے اور ہر چیز کو ان ہی کی عطا سمجھے، البتہ کسی کو اسباب کے اختیار کرنے سے الجھن ہو اور ترک اسباب سے قلب کو راحت ہو اور اس کے قلب میں اتنی قوت ہو کہ ترک اسباب سے پریشانی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو ترک اسباب کی بھی اجازت ہے لیکن توکل اس پر موقوف نہیں۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال، ص: ۱۰۴، ۱۰۵)

لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بڑا نازک مسئلہ ہے کہ دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں ہے، دنیا کے اندر بھی رہنا ہے، جب بھوک لگی ہے تو کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب پیاس لگتی ہے تو پانی کی ضرورت پیش آتی ہے، سر چھپانے اور رہنے کے لئے گھر کی بھی ضرورت ہے، کسب معاش کی بھی ضرورت ہے، لیکن اب سوال یہ ہے کہ جب یہ سب کام

بھی انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان دنیا کے اندر بھی رہے، اور دنیا کی ضروریات بھی پوری کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دل میں دنیا نہ آئے، دل میں دنیا سے بے رغبتی پائی جائے۔ ان دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ یہی وہ کام ہے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین آکر سکھاتے ہیں کہ کس طرح تم دنیا میں رہو، اور دنیا کی محبت کو دل میں جگہ نہ دو۔ ایک حقیقی مسلمان دنیا کے اندر بھی رہے گا، دنیا والوں سے تعلق بھی قائم کرے گا، حقوق بھی ادا کرے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی محبت سے بھی پرہیز کریگا۔ حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں

بازار سے گزرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

یہ کیفیت کیسے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی دنیا میں رہے، دنیا سے گزرے، دنیا کو برتے، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ آئے؟

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۳۰)

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ ظاہری اسباب اور دنیاوی اسباب کو اختیار کرتا ہے اور شرعاً ان اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت بھی ہے، لیکن ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان یہی فرق ہے کہ جب ایک کافر دنیا ظاہری اسباب اختیار کرتا ہے تو وہ انہی اسباب پر بھروسہ کرتا ہے کہ جو اسباب میں اختیار کر رہا ہوں، انہی اسباب کے ذریعہ میرا کام بن جائے گا۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۳۸)

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص بے روزگار ہے اور اس بات کے لئے کوشش کر رہا ہے کہ مجھے اچھی ملازمت مل جائے۔ اب ملازمت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ جگہیں تلاش کرے، اور جہاں کہیں ملازمت ملنے کا امکان ہو وہاں درخواست دے، اور اگر کوئی جاننے والا ہے تو اس سے اپنے حق میں سفارش کروائے وغیرہ۔ یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ اب ایک کافر سارا بھروسہ انہی ظاہری اسباب پر کرتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ درخواست ٹھیک طریقے سے لکھ دوں، سفارش اچھی کرادوں اور تمام ظاہری اسباب اختیار کر لوں اور بس۔ اس کی پوری نگاہ اور پورا بھروسہ انہی اسباب پر ہے یہ کام کافر کا ہے۔

اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ اسباب تو وہ بھی اختیار کرتا ہے، درخواست وہ بھی دیتا ہے، اور اگر سفارش کی ضرورت ہے تو جائز طریقے سے وہ سفارش بھی کرتا ہے، لیکن اس کی نگاہ ان اسباب پر نہیں ہوتی، وہ جانتا ہے کہ نہ یہ درخواست کچھ کر سکتی ہے اور نہ یہ سفارش کچھ کر سکتی ہے، کسی مخلوق کی قدرت اور اختیار میں کوئی چیز نہیں، ان اسباب کے اندر تاثیر پیدا کرنے والی ذات اللہ جل شانہ کی ذات ہے، وہ مسلمان تمام اسباب اختیار کرنے کے بعد اسی ذات سے مانگتا ہے کہ یا اللہ ان اسباب کو اختیار کرنا آپ کا حکم تھا، میں نے یہ اسباب اختیار کر لیے، لیکن ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، میں آپ ہی سے مانگتا ہوں کہ آپ میری یہ مراد پوری فرمادیجئے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۴۸ تا ۱۴۹)

چھٹی غلط فہمی (کمانا بھی تو عبادت ہی ہے)

یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے، جس کی نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض اوقات گمراہیاں پیدا ہو جاتی ہیں، وہ یہ کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ مومن کا ہر کام عبادت ہے، یعنی اگر مومن کی نیت صحیح ہے اور اس کا طریقہ صحیح ہے اور وہ سنت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے تو پھر اس کا کھانا بھی عبادت ہے، اس کا سونا بھی عبادت ہے، اس کا ملنا جلنا بھی عبادت ہے، اس کا کاروبار کرنا بھی عبادت ہے، اس کا بیوی بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی عبادت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مومن کے یہ سب کام عبادت ہیں، اسی طرح نماز بھی عبادت ہے، تو پھر ان دونوں عبادتوں میں کیا فرق ہے؟ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۵۷)

پہلی قسم: براہ راست عبادت

ان دونوں عبادتوں میں فرق یہ ہے کہ ایک قسم کے اعمال وہ ہیں جو براہ راست عبادت ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بندگی کے علاوہ جن کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے اور وہ اعمال صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بندگی کے لئے ہی وضع کیے گئے ہیں۔ جیسے نماز ہے، اس نماز کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بندگی ہے کہ بندہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت کرے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے آگے سر نیاز جھکائے، اس نماز کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، لہذا یہ نماز اصلی عبادت اور براہ راست عبادت ہے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت، صدقات، حج، عمرہ، یہ سب اعمال ایسے ہیں ان کو صرف عبادت ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے، ان کا کوئی اور مقصد اور مصرف نہیں ہے، یہ براہ راست عبادتیں ہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۷ ص ۵۷)

دوسری قسم: بالواسطہ عبادت

ان کے مقابلے میں کچھ اعمال وہ ہیں جن کا اصل مقصد تو کچھ اور تھا، مثلاً اپنی دنیاوی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل تھی، لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے فضل سے مومن سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم اپنے دنیاوی کاموں کو بھی نیک نیتی سے ہماری مقرر کردہ حدود کے اندر اور ہمارے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق انجام دو گے تو ہم تمہیں ان کاموں پر بھی ویسا ہی ثواب دیں گے جیسے ہم پہلی قسم کی عبادات پر دیتے ہیں۔ لہذا یہ دوسری قسم کے اعمال براہ راست عبادت نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہیں اور یہی عبادت کی دوسری قسم ہے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۷ ص ۵۸ تا ۵۹)

"حلال کمانا" بالواسطہ عبادت ہے

مثلاً یہ کہہ دیا کہ اگر تم بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے جائز حدود کے اندر رہ کر کماؤ گے اور اس نیت کے ساتھ رزق حلال کماؤ گے کہ میرے ذمے میری بیوی کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے بچوں کے حقوق ہیں، میرے ذمے میرے نفس کے حقوق ہیں، ان حقوق کو ادا کرنے کے لئے میں کما رہا ہوں، تو اس کمائی کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ عبادت بنا دیتے ہیں۔ لیکن اصلاً یہ کمائی کرنا عبادت کے لئے نہیں بنایا گیا، اس لئے یہ کمائی کرنا براہ راست عبادت نہیں بلکہ بالواسطہ عبادت ہے۔

اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۷ ص ۵۸

کسب و کمائی کے درجے

(ماخوذ از بہشتی زیور مع اضافات مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم)

۱. فرض:

یہ کمائی کی وہ مقدار ہے جو آدمی کی ذات کو اور اس کے عیال کو کافی ہو اور اس کے قرضوں کی ادائیگی کے واسطے اور جس کا خرچہ اس پر واجب ہو اس کے خرچے کے لئے کفایت کرے۔

مسائل:

- آدمی فرض سے زیادہ کمائی کو ترک کرے تو جائز ہے۔

- اگر کسی کے والدین تنگدست ہوں تو اس پر فرض ہے کہ ان کی ضرورت کے بقدر کمائی کرے۔
- اگر اس قدر مال کمایا کہ اپنے اہل و عیال کے واسطے ذخیرہ رکھ چھوڑا تو اس کی گنجائش ہے۔

۲. مستحب:

یہ وہ مقدار ہے جو فرض سے زائد ہو تاکہ فقیر کی ہمدردی اور عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کر سکے۔ ایسی کمائی میں کوشش کرنا نفل عبادت سے افضل ہے۔

۳. مباح:

مستحب مقدار سے بھی زیادہ زینت اور دولت مندی کے کمانا۔

۴. حرام:

یہ وہ کمائی ہے جو دوسرے سے دولت مندی میں بڑھنے کے لئے اور دوسروں پر فخر کرنے کے لئے کرے۔

مسئلہ:

- جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک ہو اس کو خوراک کے لئے سوال کرنا حرام ہے اور سائل نے سوال کر کے جو مال جمع کیا وہ اس کے حق میں ناپاک اور خبیث ہے۔

کسب سے مستثنیٰ طبقات

کمائی سے الگ تھلگ رہنا فقط چار قسم کے آدمیوں کے لئے افضل ہے:

- ایک وہ شخص جو عبادات بدنہ کیلئے فارغ ہو۔
- دوسرے وہ شخص جو مقامات سلوک طے کرنے میں مصروف ہو اور باطنی احوال کی درستگی میں لگا ہوا ہو اور احوال و مکاشفات کے علوم سے منسلک ہو۔
- تیسرے وہ عالم دین جو علوم دینیہ میں تعلیم و تعلم اور نشر و تبلیغ میں ہمہ تن مصروف ہو اور لوگوں کی دینی ضروریات اس سے وابستہ ہوں جیسے داعی، مفتی، مفسر، محدث، مجاہد اور ان کے ہم پایہ لوگ۔
- چوتھے وہ شخص جو مسلمانوں کے معاملات دنیویہ کے انتظامات کیلئے وقف ہو، جیسے بادشاہ، قاضی، گواہ وغیرہ۔

مذکورہ طبقات کی تکمیل ضروریات کی مختلف صورتیں

ا. ان کی اگر مسلمانوں کے مصالح کے لئے جمع شدہ مال جیسے بیت المال یا اوقاف وغیرہ سے پوری ہو جاتی ہیں تو ان حضرات کا ان ہی اشغال و اعمال میں لگے رہنا معاشی سرگرمیوں میں مشغول ہونے سے افضل ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین بننے کے بعد تجارت سے کنارہ کشی کا مشورہ دیا اور ضروری اخراجات کیلئے بیت المال سے وظیفہ جاری کیا گیا، اور صدیق اکبر نے قدر کفایت وظیفہ لینا قبول فرمایا اور اسے تجارت میں لگنے سے اولیٰ سمجھا اگرچہ وفات کے قریب وہ تمام وظیفہ بیت المال کو واپس کرنے کی وصیت فرما گئے، کیونکہ آپ کا تجارت اور معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینا فرائض خلافت اور امور سلطنت میں خلل کا باعث ہو جاتا۔

ب. اور اگر ان مذکورہ اقسام کے لوگوں کا کام بیت المال یا اوقاف کی بجائے صدقہ اور زکوٰۃ پر چلتا ہے، بشرطیکہ بغیر سوال کے یہ انہیں حاصل ہو جاتا ہے تو بھی ان کا اپنے اپنے کام میں لگے رہنا کسب و معاش کی مشغولیت سے افضل ہے۔

ت. اور اگر حالت یہ ہو کہ ان مذکورہ اشخاص کی ضروریات بغیر سوال کے پوری نہ ہوں تو پھر یہ امر واقعی محل غور ہے کہ کیونکہ سوال کے متعلق بڑی سخت و عیدیں وارد ہوئی ہیں اور سوال کی مذمت والی احادیث کو دیکھ کر یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سوال سے دامن بچانا افضل ہے اور اس بارے میں حالات کا جائزہ لئے بغیر کچھ کہنا مشکل ہے اور ہر شخص اس معاملہ میں خود اپنی صواب دید پر عمل کا مکلف ہے۔

(کسب حلال، راہ اعتدال۔ احیاء العلوم ۲/۷۲)

ث. اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کو کما حقہ پورا کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو اپنے ذرائع معاش کے ذریعے سے اس طرح پورا کرنا کہ ان ذمہ داریوں میں کوئی حرج نہ ہو۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کی مشغولیت کے ساتھ اپنے کاروبار کو بھی جاری رکھا۔

پانچویں فصل: وسائل معاش (ان کا تعارف اور ان کا آپس میں مربوط ہونا)

ذریعہ معاش

ذریعہ معاش وہ مشغلہ ہوتا ہے جس میں لگ کر انسان اپنی معاشی ضروریات کے لئے اسباب کا انتظام کرتا ہے۔

بنیادی ذرائع معاش

انسان کے بنیادی ذرائع معاش کل چار ہیں:

۱. تجارت

۲. زراعت

۳. صناعت

۴. اجارہ (مزدوری، ملازمت اور معاوضہ کے عوض کام کرنا)

ان کا تذکرہ درج ذیل آیات میں ہے:

۱. [اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبِينَ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَأَتَاكُم مِّنْ كُلِّ مَآسَاءٍ ثَمَرُوهٖ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ]۔ (ابراہیم: ۳۲-۳۴)

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے تمہارے رزق کے لئے پھل نکالے اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا، تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کیا اور سورج اور چاند کو تمہارے مفاد میں ایک دستور پر قائم کیا کہ پہیم گردش کر رہے ہیں اور دن اور رات کو تمہارے مفاد میں ایک قانون کا پابند کیا اور وہ کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا ہے۔"

۲. [وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ] (الاعراف: ۱۰) ترجمہ: "ہم نے زمین میں تم کو اقتدار بخشا اور ہمارے لئے اس میں زندگی کے ذرائع فراہم کئے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔"

باقی تمام مروجہ ذرائع معاش مثلاً تعلیم و تدریس، علاج و معالجہ، قضا و عدالت، درزی قصاب، حجام، لوہار، دھوبی نیز سفر و نقل و حمل کے ذرائع اور اسی طرح کی دیگر خدمات وغیرہ غرضیکہ تمام ذرائع معاش ان ہی چاروں قسموں کے ذیل میں آئیں گے۔

ذریعہ معاش میں رائج و مرجوح

تمام فقہاء کے ہاں اباحت میں یہ چاروں طریقے یکساں ہیں، اگرچہ بعضوں نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح بھی دی ہے۔ ان ذرائع اہمیت ذاتی نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ مخلوق کی فلاح و عام خوش حالی اور رفاہیت کا ذریعہ ہیں، لہذا جن ممالک کے طبعی ماحول میں یا جن حالات میں زراعت زیادہ مفید و نفع بخش ہے وہ تجارت و صنعت پر قابل ترجیح ہے اور جن مقامات میں اور جن واقعات و حالات میں تجارت و صنعت عام رفاہیت کی کفیل ہیں وہ لائق ترجیح ہیں، غرض ان وسائل کے باہم رائج و مرجوح کا سوال ملکوں کی طبعی حالت اور زمانے کی ضروریات و حاجات کے پیش نظر ہے، نہ کہ ذاتی فضیلت کے پیش نظر، علامہ عینی نے شرح بخاری میں یہ بات لکھی ہے۔

(بحوالہ کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۳۲۳: بتبیین)

ان کا مختصر تعارف اور اہمیت و حیثیت حسب ذیل ہے:

تجارت

تجارت کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے

[وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ] (البقرة: ۲۷۵)

ترجمہ "اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے"

حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ "التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشهداء يوم القيامة" ترجمہ: "سچا امانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاء و صدیقین و شہدائے کے ساتھ اٹھایا جائے گا"۔

تعارف

وسائل معیشت میں تجارت بہت اہم وسیلہ ہے، چنانچہ فقہائے امت فرماتے ہیں:

"فالبیع والشراء من اكبر الوسائل الباعثة على العمل في هذه الحياة الدنيا واجل اسباب الحضارة والعمران" (الفقه على المذاهب الاربعہ) ترجمہ: تجارت اس دنیا میں معاشی اعمال میں سے بڑا وسیلہ معاش ہے اور تمدن و حضارت کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے۔

(کسب حلال راہ اعتدال ص: ۲۹۹)

زراعت

تعارف

اللہ تعالیٰ شانہ نے قرآن عزیز میں زراعت کی پیداوار کو انسانی دنیا پر عظیم الشان احسان جتا کر اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ طبعی وسائل معیشت میں زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے

[أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ، أَلَأَنْتُمْ تَرْعَوْنَهُ أَفَرَأَيْتُمْ نَخْلًا تَحْرُثُونَ، لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا فَطَلَكُمُ تَفْكِهُوَ، إِنَّا لَمَحْرُومُونَ، بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ]

ترجمہ: "بجلا بتاؤ تو تم جو بھیجتی کرتے ہو، اس کو تم پیداوار بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان ڈالا گیا بلکہ ہم تو محروم رہ گئے"۔

کاشت کاری ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے ذریعے سے نہ صرف انسانوں کی اپنی ضروری خوراک کا بندوبست ہوتا ہے، بلکہ چرند، پرند اور حیوانوں تک کی خوراک کا ذریعہ ہے اور یہ سب کاشت کار کیلئے صدقہ و خیرات شمار ہوتے ہیں، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "ما غرس مسلم شجرة فيتناول منها انسان او دابة او طير الا كانت له صدقة" ترجمہ: "نہیں لگایا کسی مسلمان نے کوئی درخت کہ پھر اس سے کوئی انسان یا چرند، پرند کھائے الایہ کہ وہ اس کیلئے صدقہ ہو جاتا ہے"۔

(ماخوذ از کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۳۱۶ تا ۳۱۹ باختصار)

صنعت و حرفت

تعارف

وسائل معیشت کے شعبوں میں سے تیسرا اہم شعبہ صنعت و حرفت ہے اور بلاشبہ تمدن و حضارت کی ترقی میں صنعت و حرفت کو بھی نمایاں دخل ہے اور تجارت کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت کی برکات بھی بہت زیادہ ہیں، بلکہ یہ خود تجارت کا ہی ایک اہم حصہ ہے اور تجارت کا بہت بڑا مدار اس کی ترقی پر ہے۔

حافظ شمس الدین ذہبی کی الطب النبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں بعض سلف صالحین سے نقل کیا گیا ہے کہ انسان کیلئے جنتی صنعتوں کی ضرورت ہے، ان سب کی ابتداء بذریعہ وحی الہی کسی پیغمبر کے ذریعے عمل میں آئی ہے، پھر حسب ضرورت اس میں اضافے اور سہولتیں مختلف زمانوں میں ہوتی رہیں، سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی آئی ہے اس کا بیشتر حصہ زمین کی آباد کاری اور مختلف صنعتوں سے متعلق ہے، بوجھ اٹھانے کیلئے پہیوں کے ذریعہ چلنے والی گاڑی کی ایجاد بھی اسی سلسلہ کی ایجادات میں سے ہے، معلوم ہوا کہ اشیائے ضرورت کی صنعت کاری اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ بطور وحی انبیائے کرام کو سکھائی گئی ہے۔

(معارف القرآن ۴/۲۲۰ سورہ ہود)

(عن المقدم رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يده وإن نبي الله داود كان يأكل من عمل يده) (بخاری، البيوع) ترجمہ: "حضرت مقدم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے حضرت داؤد علیہ زہ بناتے اور جنگ کیلئے لوہے کی قمیص کی صنعت کا کام کرتے تھے، حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ انسان کیلئے کسب معاش کا کونسا ذریعہ بہتر ہے فرمایا دست کاری۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۳۱۲، ۳۱۳)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام سینے کا اور حضرت ادريس علیہ السلام کپڑا بننے کا کام کیا کرتے اور اس سے معاش کا انتظام کیا کرتے تھے۔

(فتح الباری ۴/۲۴۴)

اجارۃ (مزدوری اور کرایہ داری)

تعارف

کسی کو اجرت اور مزدوری دے کر اپنا کام کرانا، استعمال کیلئے کسی کو اپنی چیز دے کر اس کا کرایہ لینا، شریعت اور فقہ کی زبان میں اس کو اجارہ کہا جاتا ہے اور یہ ان معاملات میں سے ہے جس پر انسان کی تمدن کی بنیاد قائم ہے اس موضوع سے متعلق حدیث ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

حدیث:-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے ہی پیغمبر بھیجے سب نے بکریاں چرائی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور حضرت آپ نے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں میں چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

(صحیح بخاری)

ذرائع معاش کے متفرق ہونے کی حکمتیں

خالق کائنات نے دنیا والوں کے معاش کے واسطے مختلف اسباب و وسائل مقرر فرمائے ہیں اس میں اس کی بڑی حکمتیں ہیں، چنانچہ ارشاد باری عز اسمہ ہے:

[لَخْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا

سُخْرِيًّا]

ترجمہ: "دنیاوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور اس تقسیم میں ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا (اور عالم کا انتظام قائم رہے)"

حق تعالیٰ شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے دوسرے کی امداد کا محتاج ہے اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں کیونکہ انسانی زندگی کی ضروریات اس قدر زیادہ اور اس درجہ متفاوت ہیں کہ انہیں مہیا کرنا کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں، اگر کوئی شخص چاہے کہ وہ تنہا ان تمام ضروریات سے متعلق صرف معلومات ہی فراہم کرے یا انہیں

سیکھ ہی لے تو اس کی عمر فنا ہو جائے گی پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور جن چیزوں کا سیکھنا ہی اس کے بس میں نہیں تو ان کو مہیا کرنا کیسے ممکن ہو سکے گا لامحالہ وہ کسی ایسے شخص کا محتاج ہے جو اس ضرورت کی چیز بنا دے یا مہیا کر دے، چنانچہ احکم الحاکمین اور رب العالمین نے ہر انسان کیلئے ان وسائل و اسباب میں سے کسی ایک کا سیکھنا آسان فرما دیا ہے، جس میں وہ دل چسپی لیتے ہوئے اپنی جسمانی اور فکری صلاحیتوں کے سہارے خود بھی اپنی کار آمد اشیاء فراہم کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اپنی ضرورت کی چیز اس کے علم و ہنر کے طفیل پالیتے ہیں، چنانچہ تمام مخلوق کا انتظام ایک دوسرے کے باہمی تعاون اور ہر ایک کے اپنے اپنے پیشہ اور کاروبار سے منسلک رہنے سے قائم ہے، اگر سب کے سب کسی ایک ہی پیشہ کو اختیار کر لیں تو بھی بقیہ تمام کاروبار ٹھپ ہو جائیں گے، الغرض رب کائنات نے تمام انسانوں تک ان کے معاش کو بہم پہنچانے کیلئے سب کو اپنی استطاعت کے بقدر اس معاشی جدوجہد میں اپنے اپنے شعبے میں حصہ دار بن کر نظام کائنات کے قیام میں کردار ادا کرنے کی ذمہ ڈالی ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۷۵)

کسی انسان کے دل میں حاجت پیدا کی اور دوسرے انسان کے دل میں اس حاجت کو پورا کرنے کا طریقہ ڈال دیا۔ ذرا غور کریں کہ انسان کی حاجتیں اور ضرورتیں کتنی ہیں؟ روٹی کی اسے ضرورت ہے، کپڑے کی اسے ضرورت ہے، مکان کی اسے ضرورت ہے، گھر کا ساز و سامان اور برتنوں کی اسے ضرورت ہے، گویا کہ انسان کو زندگی گزارنے کے لئے بے شمار اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا پوری دنیا کے انسانوں نے مل کر کوئی کانفرنس کی تھی اور اس کانفرنس میں انسان کو پیش آنے والی ضروریات کو شمار کیا تھا۔ اور پھر آپس میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ اتنے لوگ کپڑا بنائیں، اتنے انسان برتن بنائیں، اتنے انسان جوتے بنائیں، اتنے انسان گندم پیدا کریں اور اتنے انسان چاول پیدا کریں وغیرہ۔ اگر تمام انسان مل کر کانفرنس کر کے یہ طے کرنا چاہتے تب بھی یہ انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ انسانوں کی تمام ضروریات کا احاطہ کر لیں، اور پھر آپس میں تقسیم کار بھی کریں کہ تم یہ کام کرنا، تم فلاں چیز کی دکان کرنا اور تم فلاں چیز کی دکان کرنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا قائم کیا ہوا انتظام ہے کہ اس نے ایک انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم گندم اگاو، دوسرے انسان کے دل میں ڈال دیا کہ تم آلے کی چکی لگاؤ، ایک کے دل میں یہ ڈال دیا کہ چاول پیدا کرو، ایک انسان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم گھی کی دکان لگاؤ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر شخص کے دل میں ان حاجات کو ڈال دیا جو تمام انسانوں کی حاجتیں ہیں، چنانچہ جب آپ کسی ضرورت کو پورا کرنا چاہیں اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ کے پاس پیسے بھی ہوں تو بازار میں آپ کی وہ حاجت انشاء اللہ ضرور پوری ہو جائے گی۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۳ ص ۱۷۳ تا ۱۷۷)

مختلف ذرائع معاش کا باہمی ربط

حق تعالیٰ شانہ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اس جہاں کا ایسا محکم نظام بنایا ہے کہ ہر انسان کو دوسرے کا محتاج بنادیا ہے، ہر انسان اپنی زندگی کے ہر شعبے میں دوسرے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا محتاج ہے، غریب آدمی پیسوں کیلئے مال دار کا محتاج ہے تو بڑے سے بڑا مال دار بھی محنت و مشقت کیلئے غریب مزدور کا محتاج ہے، سوداگر گاہکوں کا محتاج ہے اور گاہک سوداگر کا، مکان بنوانے والا معمار، لوہار، بڑھئی کا محتاج ہے اور یہ سب اس کے محتاج ہیں، معالج طبیب مریضوں کے محتاج ہیں اور مریض اطباء و معالجین کے محتاج ہیں، اگر یہ ہمہ گیر باہمی احتیاج نہ ہوتی تو کون کس کا کام کرتا۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۳۸۱)

حق تعالیٰ شانہ نے ہر انسان کو جس کام کیلئے پیدا کیا ہے، اس کام کی رغبت اس کے دل میں ڈال دی وہ بغیر کسی قانونی مجبوری کے اس خدمت ہی کو اپنا پیشہ سمجھتا اور اسی کے ذریعے اپنی روزی حاصل کرتا ہے، اس نظام محکم کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان کی ساری ضروریات چند پیسے خرچ کرنے سے بآسانی حاصل ہو جاتی ہے، پکا پکایا کھانا، سلاسلایا کپڑا، بنا بنایا فرنیچر، تیار شدہ مکان سب کچھ ایک انسان کچھ پیسے خرچ کر کے حاصل کر لیتا ہے، اگر یہ نظام نہ ہوتا تو ایک کروڑ پتی انسان اپنی پوری دولت لٹا کر بھی گندم کا ایک دانہ حاصل نہ کر سکتا، اسی قدرتی نظام کا نتیجہ ہے کہ آپ کسی کھانے کی دکان میں قیام پذیر ہو کر جس جس چیز سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اگر ان کا تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ آٹا اور گھی پنجاب کا گوشت سندھ کا مصالحہ جات ہندوستان کے برتن کرسی میز وغیرہ مختلف ملکوں کے، کھانا پکانے و کھلانے والے مختلف شہروں کے آپ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کے منہ تک پہنچنے والے ایک لقمے کو تیار کرنے میں لاکھوں مشینوں انسانوں اور جانوروں نے کام کیا ہے، ان کو کس نے مجبور و پابند کیا ہے؟ سوائے اس قانون قدرت کے جو قلوب کے مالک نے تکوینی طور پر ہر ایک دل پر جاری فرمادیا ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۳۸۲، ۳۸۳ بحوالہ معارف القرآن)

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام

حق تعالیٰ شانہ نے ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ایسا بنادیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعے) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں تو تمام مسائل حل کر دیتا ہے مثلاً معاشرے کی ضروریات کیا ہیں انہیں کس

طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔

باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصلاح میں طلب رسد کا نظام کہا جاتا ہے طلب رسد کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی جاتی ہے لہذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں نفع دیکھ کر اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کی بجائے اور کام میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو، اسلام نے طلب رسد کی قدرتی قوتوں کے ذریعے دولت کی پیدائش و تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالے نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ہی ترقی یافتہ طریقے دریافت کر لئے جائیں لیکن ان کے ذریعے معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل قدرتی نظام کے تابع ہو کر خود بخود طے پا جاتے ہیں اور انہیں حکومتوں کی منصوبہ بندی کے حوالے کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بندی کے سوا کچھ نہیں، مثال کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کیلئے اور رات کا سونے کیلئے کسی معاہدہ عمرانی یا کسی انسانی منصوبہ بندی کے تحت نہیں طے پائی بلکہ قدرت ربانی کے خود کار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کر دیا ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص علم کے کس شعبے کو اپنا میدان بنائے اسے طبعی ذوق اور مناسبت کی بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالے کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۷۷، ۷۸، ۷۹)

تمام طبقات امت کا دین پر آنا ضروری ہے

اس امت کا معاملہ اجتماعی ہے، انفرادی نہیں ہے اس کا ہر طبقہ دوسرے طبقات کے ساتھ جڑا ہوا اور مربوط ہے، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۳۶، بحوالہ بخاری و مسلم)

اسی طرح امت کا ایک طبقہ اگر دین پر نہ آنا چاہے تو باقی طبقات کے لئے بھی مسائل پیدا کر سکتا ہے، مثلاً اگر تاجروں کا طبقہ حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے یا زمین دار سود پر کھاد اور بیج خریدیں تو ان کے بگاڑ سے لامحالہ دوسرے طبقات بھی ضرور متاثر ہوں گے، اس کی وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ خوش حالی کو ختم کر دیتے ہیں اور قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں، یہاں بظاہر ناپ تول میں کمی تو تاجروں نے کی لیکن زمین دار اس کی نحوست کی وجہ سے بارش سے محروم ہو گئے، اس عالم کی مثال یوں سمجھی جائے، جیسے ایک بہت بڑا تالاب ہے اور اگر اس میں پانی کی ایک بالٹی ڈالی جائے تو پوری حوض کی سطح بلند ہوتی ہے اور اگر بالٹی نکال لی جائے تو پورے حوض کی سطح گر جاتی ہے، اسی طرح جو کوئی مسلمان بھی گناہ کرتا ہے تو اس کا اثر امت کے تمام طبقات پر بھی پڑتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر طبقہ باقی تمام طبقات کو دین پر لانے کی محنت کرتے ہوئے اپنے سے متعلق احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرے، ورنہ جیسے بے نمازی کی نحوست سے چالیس گھر متاثر ہوتے ہیں ایسے ہی ہر طبقہ کی بے دینی سے باقی طبقات کا متاثر ہونا بھی ضروری ہے۔

چھٹی فصل: اجتماعی معاشی زندگی

انسانوں میں اجتماعی حیات کی قدر و قیمت ایک مسلمہ امر ہے، مگر اسلام نے امت مسلمہ میں اجتماعی معاشرے اور اجتماعی زندگی کو جو خاص اہمیت دی ہے وہ کسی ذی بصر کی نگاہ سے اوچھل نہیں ہے، افراد کی انفرادیت کا صحیح استعمال اور ان کی نشوونما اور زندگی کے مختلف شعبوں کی تکمیل اجتماعی اصولوں کے بغیر نامکمل ہے، ایک انسان اس وقت تک معراج انسانیت کو نہیں حاصل کر سکتا جب تک وہ اپنے ان حقوق و فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا نہ کرے، جو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے اور بنی نوع آدم کا فرد ہونے کی حیثیت سے اس کی ذات اس ساتھ قائم ہیں، ان حقوق و فرائض کی درست ادائیگی اور اعلیٰ تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک صحیح اجتماعی زندگی موجود نہ ہو۔

اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ شعبہ کہ "بہ اسباب ظاہر" جس پر انسانوں کے جسمانی حیات اور ان کی بقاء کا دار و مدار ہے "معاشیات" کا شعبہ ہے، چونکہ یہ شعبہ بھی دوسرے شعبوں کی طرح انسان کی دینی و دنیاوی دونوں قسم کی عملی جدوجہد میں بڑی حد تک دخیل ہے تو اس لئے یہ شعبہ بھی اجتماعی زندگی کا ایک اہم جز ہے۔ اسی لئے عقل و فطرت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کی سعادت و فلاح اور درستگی کا بہت کچھ مدار اس کے صالح اور بہتر ہونے پر ہے اسی لئے اسلام نے لوگوں کے آپس کے معاشی معاملات کو خاصی اہمیت دی ہے۔

(ماخوذ از کتب حلال اور راہ اعتدال ص: ۱۳۵ تا ۱۳۷ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام از مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ)

ایک صالح و پاکیزہ معاشی ترتیب زندگی کی ضرورت

ہر ایک انسان میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی زندگی سے فائدہ اٹھانا چاہئے، مگر یہ انفرادی جذبہ زندگی کی کشش اور وسائل حیات کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے، دوسری طرف قانون فطرت جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام کائنات پر حاوی ہے ہر انسان کو اجتماعی زندگی کو بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ اجتماعی زندگی بغیر کسی ایسے دستور و قانون کے متصور نہیں ہو سکتی، جو ان انفرادی جذبات کے حامل مختلف افراد و طبقات کے درمیان ایسا تعاون و اشتراک پیدا کر دے جس کی بنیاد عدل و انصاف اور حق معیشت کی مساوات پر قائم ہو۔ اسلام نے ایسی ہی صالح اجتماعی معاشی ترتیب زندگی کی طرف رہنمائی کی ہے۔

(کتب حلال اور راہ اعتدال ص: ۱۳۸)

اسلام میں معاشیات کی اساس

اسلام میں علم معاشیات کی دو اساس ہیں:

۱. اسلام کے دیئے ہوئے معاشی اصول اپنے اندر علم المعاشیات کے قدیم و جدید نظامہائے مذہبی و عقلی کے تمام محاسن سموئے ہوئے ہیں اور ان سے بھی زیادہ خوبیوں کے مالک ہیں اور ان کے عیوب و نقائص سے یک سر خالی بلکہ ان کے مسموم اثرات کا بے نظیر تریاق ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ چند ذہین فلاسفہ اور نابغہ مفکرین کے دماغ کی اختراع نہیں ہیں بلکہ ان کی بنیاد نظام کائنات کے خالق کی نازل کردہ وحی اور اس کے آخری فرستادہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ زندگی ہے۔

۲. اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں کی طرح معاشیات کی بنیاد بھی ایسے اصولوں پر اٹھائی ہے جو انسان کے مقصد حیات یعنی عبادت اور خلافت پر مبنی ہے۔ معیشت کو ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی بندگی، اطاعت اور آخرت کی ابدی کامیابیوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے اور دوسری طرف انسانی اخلاقیات کے کمال، عام خوشحالی، عام اخوت، ہمدردی اور مساوات، مواسات باہمی کی روح کار فرما ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۱۵۰)

اسلام کے معاشی نظام کے چند بنیادی اصول

اسلام ایک ایسی معاشی زندگی کا بانی اور مؤسس ہے کہ جس کی بنیاد صرف انسان کی رفع حاجات و ضروریات اور انفرادی و اجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے وہ معاشیات کو دولت مندوں کے درمیان نفع کی دوڑ اور خواہشات کی اونچے سے اونچے پیمانے پر تکمیل کی مسابقت کا میدان نہیں بنانا چاہتا بلکہ رفع حاجات و تکمیل ضروریات کیلئے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اس کی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے، اس عادلانہ و منصفانہ معاشی زندگی کے چند بنیادی اصول اوپر درج ذیل ہیں:

۱. یہ ترتیب معاش ہر متعلقہ فرد کی معاشی زندگی کی بنیادی ضروریات کی کفیل ہے اور اپنے دائرہ عمل میں کسی بھی فرد کو معاشی زندگی سے محروم نہیں رکھتی۔

۲. ایسے اسباب و وسائل کا قلع قمع کرتی ہے جو معاشی دست برد کا موقع مہیا کر کے افراد انسانی کے درمیان ظلم و استبداد کی راہیں کھولتے اور معاشی زندگی کے فساد کا موجب بنتے ہیں۔

۳. اسلام دولت اور اسباب دولت کو کسی خاص فرد یا محدود طبقے کے اندر سمٹ آنے میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور اس فرد یا طبقے کو معاشی وسائل پر قابض و مسلط ہونے سے باز رکھتا ہے تا آنکہ معاشی نظام تمام کائنات انسانی کی فلاح کی بجائے چند مخصوص طبقوں کی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔

۴. یہ محنت اور سرمائے کے درمیان صحیح توازن کو قائم کرتا ہے اور ایک کو دوسرے کی حدود پر غاصبانہ دست برد سے بچاتا ہے۔

(کسب حلال راہ اعتدال)

ساتویں فصل: کسب معاش کے علاوہ آمدنی کے دیگر اسباب

در اصل ایک غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ پیسہ صرف پیشے اور کمائی سے ہی حاصل ہوتا ہے اور خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ بعض دفعہ پیسہ بغیر کمائے دیگر ذرائع سے بھی حاصل ہوتا ہے، مثلاً وراثت، ہدیہ، تقویٰ اور صلہ رحمی وغیرہ۔

چنانچہ اقتصادی بہتری، معاشی استحکام و خوشحالی، مال میں خیر و برکت اور وسعت و کشادگی کی غرض سے ہر جائز و مباح طریقہ اپنانے اور ہر مناسب تدبیر و وسیلہ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ان "اسباب و تدابیر" کو ضرور یاد رکھا جائے جن کی تاکید و تلقین قرآن و حدیث میں کی گئی ہے۔ ان اسباب و تدابیر کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱. ایمان و اعمال صالحہ اور دین کے لئے جدوجہد

جو دین کے لئے محنت اور جدوجہد کرے گا اور اس کو اپنا مقصد بنا کر زندگی گزارے گا، اللہ تعالیٰ اس کو پاکیزہ روزی مرحمت فرمائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے

{وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ} (الانفال: ۷۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لیے (اللہ کے ہاں) بخشش اور عزت کی روزی ہے۔" اور دوسری جگہ ارشاد ہے

{فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ} (الحج: ۵۰)

ترجمہ: "تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے بخشش اور آبرو کی روزی ہے"

۔ اور ارشاد باری عزاسمہ ہے {يُجْزِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ}

(سبا: ۴)

ترجمہ: "اس لئے کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو بدلہ دے۔ یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پچیس سال دین کی محنت پر جو کچھ دیا ایک ہزار سال بھی دنیا پر محنت کرتے رہتے تو نہ ملتا، قیصر و کسری کے خزانے پیروں میں ڈال دیئے گئے۔
(از حیاۃ الصحابہ)

۲. انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ)

■ عمومی انفاق

مال میں خیر و برکت، وسعت و کشادگی اور خوشحالی و فراخی کے لئے "انفاق فی سبیل اللہ" انتہائی اہم اور مفید و مؤثر ترین ذریعہ و وسیلہ ہے، خواہ یہ انفاق کسی بھی شکل میں ہو، مثلاً تعمیر مسجد، ضرورت مندوں و محتاجوں کی مدد و اعانت، خیراتی اداروں کے ساتھ تعاون، رفاہ عامہ کے کاموں میں شرکت وغیرہ۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

[مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَنَابِلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ] (البقرة: ۲۶۱)

ترجمہ: "مثال ان لوگوں کی جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ، جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے، اور اللہ کشادگی والا اور علم والا ہے۔"
اس آیت میں سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب کی جو خوشخبری دی گئی ہے اس میں اخروی اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ دنیاوی خیر و برکت اور خوشحالی و آسودگی بھی شامل ہو سکتی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ہر روز طلوع صبح کے ساتھ ہی دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یوں دعا کرتا ہے کہ: "اے اللہ! خرچ کرنے والے کو تو مزید مال عطا فرما" اور دوسرا اس طرح دعا کرتا ہے: "اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے مال کو تو برباد کر دے۔"

(متفق علیہ)

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ "انفاق فی سبیل اللہ" کے لئے ضروری نہیں ہے کہ کوئی بہت بڑی اور خطیر رقم ہی خرچ کی جائے، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے یہاں قبولیت اور اجر و ثواب کے معاملے میں "مقدار" کی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہاں مقدار کو یا کمی بیشی کو نہیں دیکھا جاتا۔

آسمانی نظام قدرت کی طرف سے اپنی خواہشات پر خرچ کرنے والے مال داروں سے چھین کر ان انسانوں پر سرمایہ کی فراوانی کی جاتی ہے، جو اپنے سرمائے سے غریبوں کے مفادات کا تحفظ کریں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس ضرورت سے زیادہ جتنا ہوتا تھا وہ دوسروں، یعنی حاجتمندوں اور اللہ کی راہ میں اور دین کے پھیلانے پر لگاتے تھے۔ جبکہ اپنے اوپر بقدر حاجت ہی خرچ کرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں اس کے بدلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اللہ پاک نے اپنے وعدے کے مطابق خرچ کئے ہوئے مال کو دنیا میں دس گنا بڑھا کر لوٹایا اور آخرت میں ستر گنا یا اس سے زیادہ جتنا اللہ چاہیں گے انہیں دیں گے۔ اور ان کی اس انفاقی ترتیب سے اللہ پاک نے خوش ہو کر قیصر و کسری و دیگر بادشاہوں کے خزانے انہیں دیدیے۔ کیونکہ یہ سب لوگ ان خزانوں کو اپنی خواہشات پر لگا رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی خواہشات کی بجائے دوسروں پر لگا رہے تھے۔ تو انہیں دینے میں اللہ کی مخلوق کا فائدہ تھا اس لئے اللہ پاک نے بادشاہوں کے خزانے صحابہ کرام کے حوالے کر دئے۔

(از افادات حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی)

■ زکاة و صدقات

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ [إِن تَقْرُضُوا اللَّهَ فَرَضًا خَسًّا يُّصَاعَفْهُ لَكُمْ] (التغابن: ۱۷)

ترجمہ: "اگر تم اللہ کو (اخلاص اور نیت) نیک (سے) قرض دو گے تو وہ تم کو اس کا دو چندان دے گا۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ محفوظ کر لو اپنے اموال کو زکاة ادا

کر کے۔

(مرسل ابوداؤد و قدوری رحمت کے خزانے ص ۲۱۸)

۳. تقویٰ

یعنی زندگی کے ہر شعبے میں عموماً اور مالی معاملات میں خصوصاً خوف خدا پر ہیز گاری کو اپنا شیوہ و شعار بنایا جائے، اسلامی آداب و تعلیمات اور شرعی احکام و حدود و قیود کی مکمل پاسداری ہو، نیز ظاہر و باطنی تمام معاصی و منکرات سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

[وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ] (الاعراف: ۹۶)

ترجمہ: "اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔"
نیز ارشاد ہے:

[وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ] (الطلاق: ۲-۳)

ترجمہ: "اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل پیدا فرما دیتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے ایسی جگہ سے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان العبد ليحرم الرزق بالذنوب يصيبه ترجمہ: "انسان کو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔" (ابن ماجہ: ۴۰۲۲) یعنی بعض اوقات انسان کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اس گناہ کی نحوست اور وبال کی وجہ سے اس کے رزق میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جو شخص بھی تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لئے روزی کے تین دروازے کھولیں گے:

ا. اللہ تعالیٰ اسے بغیر کمائے مال دیں گے۔

اللہ تعالیٰ اس کے لئے مال کا خیال چاہے اس کے ذہن میں ڈال دیں کہ اس جگہ کھودنے سے مال مل جائے گا، کہ ایک صاحب عدالت میں بیٹھے تھے، انہوں نے دیکھا کہ سامنے دیوار پر پرانے زمانہ کی عورت کی تصویر بنی ہوئی ہے، جو کسی طرف اشارہ کر رہی ہے، سب اس تصویر کو دیکھتے تھے اور کسی کا اس طرف دھیان نہیں گیا، انہوں نے جب دیکھا، تو سمجھ گئے کہ اس کے اشارہ کی جگہ میں خزانہ ہے، عدالت ختم ہونے کے بعد آلات سے اسے خود ہی کھود کر اس سے بہت بڑا خزانہ نکالا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سارا حال تفصیل سے لکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ مال تمہارا ہے لیکن تم مسلمانوں کے امیر ہو، لہذا تم یہ مال مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دو تو ان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کمائے تھوڑی سی محنت سے مال دیدیا، اس طرح حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو چوہے نے بل سے سترہ اشرفیاں لا کر دیں اس قصہ کو جب انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے [مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ] (التحریم: ۲) والی آیت پڑھی۔

(حیۃ الصحابہ ج: ۳ ص: ۷۰۲)

ب. اللہ تعالیٰ تقویٰ والے کو بغیر مال کے چیزیں دیں گے۔

حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے بند کوٹھری میں بے موسم کے پھل عطا فرمائے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد

ہے

[كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

إِنَّا اللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ] (النساء: ۳۷)

ترجمہ: "زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے وہ بولیں اللہ کے ہاں سے (آتا ہے) بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے چوبیس گھنٹے کے فاقہ کے بعد سمندر سے ایک بہت بڑی مچھلی پھینک دی۔ اس مچھلی کو ایک ماہ تک تین سو آدمیوں نے صبح و شام کھایا۔ اتنی بڑی تھی کہ اس کی آنکھ کے حلقے میں چربی نکالنے کیلئے تیرہ آدمی اس کے اندر گئے۔ پہلی کی ہڈی کے نیچے سے سب سے اونچا آدمی سب سے اونچے اونٹ پر بیٹھ کر گذر گیا، اس ہڈی کو اس آدمی کا سر نہیں ٹکرایا، صحابہ کرام نے جا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو اللہ کا رزق ہے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر مال کے مچھلی عطا کر دی۔ اسی طرح حضرت ام شکر رضی اللہ عنہ کو کافر مسلمان ہونے پر عذاب دے رہے تھے اور وہ پیاس کی حالت میں ریت پر پڑی ہیں، کیا دیکھتی ہیں کہ سینے پر ڈول پڑا ہوا ہے اور رسی آسمان سے آرہی ہے، سورج سے زیادہ چمکدار ہے، انہوں نے اس سے پانی پیا، اس کے بعد انہیں ساری عمر پیاس نہ لگی، روزے رکھ کر دھوپ میں بھی بیٹھیں کہ کسی طرح پیاس لگ جائے لیکن پیاس بالکل ہی نہ لگی، اللہ تعالیٰ انہیں بغیر مال کے پانی عطا کر دیا،

(حیۃ الصحابہ ج: ۱)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں حراست کے زمانہ میں بند کوٹھری میں غیر موسم میں تازہ انگور اور انار ملتے تھے۔
(فضائل اعمال)

ت. بغیر چیزوں کے تقویٰ والے کی ضروریات پوری کر کے اس کی زندگی بنا دیں گے۔

غزوہ بدر میں رفاعہ بن رافع کے ایک تیر لگا جس سے انکی آنکھ پھوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا یا جس کے بعد آپ کو کبھی تکلیف محسوس نہ ہوئی یعنی آنکھ درست ہو گئی۔

(حیۃ الصحابہ ج: ۳-ص: ۶۰)

رومیوں نے حضرت ابو کر صافہ رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کو گرفتار کر لیا تھا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو ابو کر صافہ رضی اللہ عنہ عسقلان شہر کی فصیل پر چڑھ کر زور سے کہتے، اے فلاں، نماز کا وقت ہو گیا ہے اور انکا بیٹا روم میں ان کی آواز سن لیا کرتا تھا۔

(حیۃ الصحابہ ج: ۳-ص: ۶۱۵)

۴. توکل

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص کلیۃ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے حق تعالیٰ شانہ اس کی ہر ضرورت کا تکفل فرماتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص ہمت دنیا کی طرف لگ جاتا ہے (کہ تو جان اور تیرا کام یعنی محنت کر اور کمالے، جتنی مشقت اٹھائے گا اس کے مناسب ہم دیتے رہیں گے)

(فضائل صدقات ص ۴۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی کہ مجھ پر توکل کرو میں تمہاری ضروریات کا کفیل بنوں گا۔

(فضائل صدقات ص ۴۲۹)

مسبب الاسباب پر نظر ہو

بس انسان یہی زاویہ نگاہ بدل لے کہ تدبیروں اور اسباب پر بھروسہ نہ ہو، بلکہ مسبب الاسباب پر بھروسہ ہو کہ وہ سب کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے نہ صرف تدبیر اختیار کرنے کی اجازت دی بلکہ تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا کہ تدبیر اختیار کرو اور ان اسباب کو اختیار کرو، اس لئے کہ ہم نے ہی یہ اسباب تمہارے لئے پیدا کیے ہیں۔ لیکن تمہارا امتحان یہ ہے کہ آیا تمہاری نگاہ ان اسباب کی حد تک محدود رہ جاتی ہے یا ان اسباب کے پیدا کرنے والے پر بھی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ عقیدہ اس طرح پیوست فرما دیا تھا کہ ان کی نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر رہتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسباب کو صرف اس وجہ سے اختیار کرتے تھے کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے حکم ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی مشیت کے عجیب و غریب کرشمے بندے کو دکھاتے ہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۵۲)

۵. عبادت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے کہ آدم کی اولاد، تو میری عبادت کیلئے فارغ ہو جائیں تیرے سینے کو غنی سے پُر کر دوں گا اور تیرے فقر کو زائل کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کریگا تو میں تجھے مشاغل میں پھانس دوں گا اور تیرا فقر زائل نہیں کروں گا۔

(فضائل صدقات، بحوالہ مشکوٰۃ، ابن ماجہ)

۶. دعاء

انسان کو چاہئے کہ اپنے مال میں خیر و برکت اور وسعت و کشادگی کے لئے ظاہری کوشش، تگ و دو اور جدوجہد کے ساتھ ساتھ اپنے خالق و مالک کے سامنے خوب الحاج و زاری، دلجمعی اور توجہ کے ساتھ دعاء و التجاء کا اہتمام بھی کیا کرے، کیونکہ زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا مالک حقیقی تو وہی ہے، اور ہر قسم کے تصرف کی قدرت بھی صرف اسے ہی حاصل ہے اور پھر اس نے خود ہی بندوں کو یہ حکم بھی دے رکھا ہے کہ: [ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ] (المومن: ۶۰) یعنی "تم مجھے پکارو، میں تمہاری پکار کو قبول کرتا ہوں"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو فقر و فاقہ لاحق ہو اور اس نے لوگوں سے مانگنا شروع کر دیا تو اس کا فقر و فاقہ کبھی ختم نہ ہو گا اور جس شخص کو فقر و فاقہ لاحق ہو اور اس نے اپنی حاجت اللہ کے سامنے رکھی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فوری رزق عطا فرمائیں یا کچھ تاخیر سے

(رحمت کے خزانے ص ۵۶ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ کو یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ اے میرے بند و تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھلاؤں، لہذا مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا اے میرے بند و تم سب ننگے ہو جسے میں پہناؤں لہذا مجھ سے مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔

۷. کثرت استغفار

گناہوں سے بچنے کی عملی کوشش اور اہتمام کے ساتھ ساتھ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت "توبہ و استغفار" کی خوب کثرت ہو، کیونکہ یہ چیز فراخی رزق، نیز دنیا و آخرت میں ہر قسم کی خیر و خوبی اور برکت کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا يُمْسِكُمْ بِأُمُومٍ وَابْنِينَ وَيَجْعَلُ

لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ أَنْهَارًا] (نوح: ۱۰-۱۲)

ترجمہ: "اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا، اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا۔"

ان آیات کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عیسیٰ بصری رحمہ اللہ کے سامنے قحط اور خشک سالی کا گلا کیا، آپ رحمہ اللہ نے جواب میں اسے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ سے استغفار کرو، اس کے بعد کسی نے فقر و محتاجی کا گلا کیا، آپ رحمہ اللہ نے اسے بھی یہی نصیحت فرمائی کہ اللہ سے استغفار کرو، اس کے بعد کسی نے بے اولاد ہونے کا شکوہ کیا، آپ رحمہ اللہ نے اسے بھی یہی نصیحت فرمائی کہ اللہ سے استغفار کرو، اور پھر آپ رحمہ اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت کی: [فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا] (نوح: ۱۰)

"پھر میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو الخ۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ جو کثرت سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے راستہ نکالنے میں اور ہر غم کو دور کرتے ہیں اور اسے وہاں سے روزی پہنچاتے ہیں جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا (ابوداؤد)

۸. صلہ رحمی

یعنی قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک، ان کی دلجوئی اور خبر گیری، اور ان میں سے اگر کوئی محتاج و تنگدست ہو تو اس کی مالی مدد و اعانت کا اہتمام کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من احب ان یسقط له فی رزقہ ویسأہ فی اثرہ فلیصل رحمہ ترجمہ: "جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کے رزق میں خوب کشادگی ہو اور اسے خوب طویل زندگی بھی نصیب ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کیا کرے۔"

(متفق علیہ)

صلہ رحمی کے بارے میں یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ چونکہ انسان کے لئے سب سے مقدم اور اہم ترین رشتہ والدین کا ہے، لہذا سب سے پہلا اور بڑا حق بھی انہی کا ہے، مال میں خیر و برکت، رزق میں وسعت و کشادگی، باعزت و پرسکون زندگی اور دنیا و آخرت میں ہر قسم کی خیر و خوبی و سعادت مندی کے لئے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری، ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خبر گیری نہایت ضروری ہے۔

۹. کمزوروں کی مدد

معاشرے میں موجود کمزور افراد مثلاً یتیم، بیوہ، معذور، بیمار، عمر رسیدہ افراد، مزدور، ملازم و خدام وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک، ان کی خبر گیری اور زکوٰۃ و صدقات نافلہ کے ذریعے یا کسی بھی شکل میں ان کی مدد و اعانت کا اہتمام کیا جائے، یہ چیز ایمان کی علامت اور دنیا و آخرت میں خیر و برکت کا سبب ہے، بلکہ معاشرے میں موجود ان کمزور افراد کی بدولت ہی اللہ کی طرف سے مدد و نصرت آتی ہے اور رزق وغیرہ عطا کیا جاتا ہے، گویا ان کمزور افراد کا وجود پورے معاشرے کے لئے باعث خیر و برکت ہے، لہذا ان کی خدمت و خبر گیری اور ان کے ساتھ حسن سلوک نہایت ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اِنَّمَا تَرُزَقُونَ وَتَنْصَرُونَ بِضَعْفَانِكُمْ" ترجمہ:- بے شک تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے تمہارے درمیان موجود کمزوروں کی وجہ سے۔

(ابوداؤد: ۲۵۹۳)

۱۰. دینی کام کرنے والوں کی اعانت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو بھائی تھے، جن میں سے ایک بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا جبکہ دوسرا کسب معاش میں مشغول رہتا تھا، اس مشغول رہنے والے نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (لَعَلَّكَ تَرُزَقُ بِهِ) ترجمہ: شاید تمہیں بھی اسی کی وجہ سے رزق عطا کیا جا رہا ہے۔

(ترمذی: ۲۲۳۵)

۱۱. شکر اور مرضیات ربانی کو بجالانا

جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اللہ نے اسے جسمانی و روحانی، مادی و معنوی اور ظاہری و باطنی مختلف قسم کی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں وہ نعمتیں سد اس کے پاس باقی رہیں تو اسے چاہئے کہ ان نعمتوں پر ہمیشہ خلوص دل کے ساتھ اپنے خالق و مالک اور منعم و محسن کا شکر گزار بن رہے اور شکر کی حقیقت یہ ہے کہ زبان سے بھی شکر ادا کیا جائے، دل میں بھی شکر و احسان مندی کے جذبات ہوں، مزید یہ کہ ان تمام مادی و معنوی ہر قسم کی نعمتوں کا استعمال بھی اس منعم و محسن کی مرضی اور اس کی تعلیمات و توجیہات کے مطابق ہو، بلکہ انسان کا ہر عمل اللہ کی مرضی کے مطابق ہو، یعنی شکر کے زبانی اظہار اور دل میں جذبہ ہی احسان مندی کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی جذبہ شکر و امتنان کا ثبوت پیش کیا جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

[وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ] (ابراہیم: ۷)

ترجمہ: "اور جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔"

اس آیت میں شکر ادا کرتے رہنے پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں میں اضافہ و زیادتی کی خوشخبری دی گئی ہے، جبکہ ناشکری کی صورت میں عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

یہ عذاب نعمتوں سے محرومی کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح نعمتیں دینے پر قادر ہے بعینہ اسی طرح وہ اپنی دی ہوئی نعمتیں واپس لینے پر بھی قادر ہے، جو دے سکتا ہے وہ چھین بھی سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ نعمتیں واپس تو نہ لے، البتہ انہی نعمتوں کو ہی عذاب بنا دیا جائے۔ مثلاً انسان کے لئے بعض اوقات اس کی اپنی ہی آل و اولاد فتنہ و عذاب اور درد سر بن جایا کرتی ہے، یا بعض اوقات اس کا اپنا ہی مال و دولت اس کے لئے وبال جان، مختلف مصائب و آفات، اور ذہنی و جسمانی عوارض و امراض کا سبب بن جایا کرتا ہے۔

۱۲. صبر

اس دنیا میں دکھ بھی ہے اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی اور غمی بھی شہرینی بھی ہے اور تلخی بھی سر دی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگوار بھی ہے اور ناخوشگوار بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اُسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمان و صبر و تحمل کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو ہمارا حکیم اور رب ہے اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔

(معارف الحدیث ج ۲، ص ۲۹)

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتے ہیں اسی طرح صبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے اور اسے من جانب اللہ مال اور روزی بھی عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی بیماری پر صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انکی تعریف فرمائی

[إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا] (ص: ۴۴)

ترجمہ: "ہم نے انکو صبر کرنے والا پایا"

پھر صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں۔

۱۳. نماز

حافظ ابن قیم زاد المغاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز روزی کو کھینچنے والی ہے، صحت کی محافظ ہے، بیماریوں کو رفع کرنے والی ہے، دل کو تقویت پہنچاتی ہے، چہرہ کو خوبصورت اور منور کرتی ہے۔ جان کو فرحت پہنچاتی ہے۔ اعضاء میں نشاط پیدا کرتی ہے۔ کابلی کو دفع کرتی ہے۔ شرح صدر کا سبب ہے۔ روح کی غذا ہے، دل کو منور کرتی ہے۔ اللہ کے انعام کی محافظ ہے اور عذاب الہی سے حفاظت کا سبب ہے۔ شیطان کو دور کرتی ہے اور رحمن سے قرب پیدا کرتی ہے۔ غرض روح اور بدن کی صحت کی حفاظت میں اس کو خاص دخل ہے اور دونوں چیزوں میں اس کی عجیب تاثیر ہے۔ نیز دنیا اور آخرت کی مضرتوں کے دور کرنے میں اور دونوں جہان کے منافع پیدا کرنے میں اس کو بہت خصوصیت ہے۔

(فضائل اعمال صفحہ ۴۴۳)

۱۴. روزہ

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اس مہینہ (رمضان) میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔"

(ابن خزیمہ، بیہقی، ابن حبان، فضائل اعمال ص ۶۳۶)

۱۵. حج و عمرہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج اور عمرے کے درمیان تسلسل رکھو کیونکہ یہ دونوں فقر و فاقہ اور گناہوں کو دور کر دیتے ہیں

(ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، رحمت کے خزانے ص ۳۱۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج (اور عمرہ کرنے والا) کبھی محتاج فقیر نہیں ہوگا۔

(طبرانی، بزاز باسناد جید، رحمت کے خزانے ص ۳۲۲)

۱۶. اپنے فقر کو چھپانا

ایک حدیث میں حضرت ابن عباس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھوکا ہو یا حاجت مند ہو اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ شانہ پر (بوجہ اس کے لطف و کرم کے) یہ حق ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے۔

(مشکوٰۃ۔ فضائل صدقات: ۴۲۷)

آٹھویں فصل: حرام مال کی نحوست اور بد انجامی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے اللہ صدقہ کرے، تو اس کا صدقہ قبول ہو، اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (من جانب اللہ) برکت ہو اور جو شخص حرام (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہو گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔" (مسند احمد نیز شرح السنۃ بھی اسی طرح ہے)

(تشریح) حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہو اصدقہ قبول نہیں ہوتا اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی اور جب کوئی آدمی ناجائز و حرام طریقہ سے کمایا ہو مال مرنے کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کے لئے وبال ہی کا باعث ہو گا اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہو گا اور وارثوں کو حرام کھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کے لئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملنے والا ہے، آگے جو فرمایا گیا ہے اس میں مال حرام کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعث وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک مال سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے وہ گناہوں کی گندگی کو دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا پاک صاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے کہ "اے پیغمبرو! تم کھاؤ، پاک اور حلال غذا اور عمل کرو صالح" اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ۔ اے ایمان والو تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پر اگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے دعا کرتا ہے۔ اے میرے رب!

اے میرے پروردگار!! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے۔ اس کا لباس حرام ہے، اور حرام غذا سے اس کا نشوونما ہوا ہے، تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی۔

(صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ "جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم بھی حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگی۔" (یہ بیان کر کے) حضرت ابن عمر نے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دے لیں اور بولے "بہرے ہو جائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے نہ سنا ہو"۔ (یعنی میں نے جو کہا یہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے)

(مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی نشوونما حرام مال سے ہوئی ہو، اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔

(مسند احمد، سنن داری، شعب الایمان للبیہقی)

جب حلال و حرام کی تمیز اٹھ جائے گی

حدثنا آدم: حدثنا ابن ابی ذئب حدثنا سعید المقبری، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "یاتی علی الناس زمانہ لا یبالی المرء ما اخدمہ، امن الحلال ام من الحرام؟"
(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۱۱)

حدیث کا مفہوم

یعنی زمانے کی خبر دی گئی ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ جو چیز اس نے حاصل کی ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسے زمانے میں یہ بات فرما رہے ہیں جب ہر شخص کو حلال و حرام کی فکر تھی۔ گویا کہ ایک وعید بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ زمانہ خراب زمانہ ہو گا اللہ بچائے ہمارے زمانے میں یہ حالت ہوتی جا رہی ہے کہ لوگوں کو حلال و حرام کی پرواہ نہیں رہی۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۱۲)

حلال و حرام کی فکر پیدا کریں

ہر کام کرتے وقت یہ دیکھو کہ جو کام میں کر رہا ہوں یہ حق ہے یا ناحق ہے۔ اگر انسان اس فکر کے ساتھ زندگی گزارے کہ ناحق کوئی پیسہ اس کے مال کے اندر شامل نہ ہو تو یقین رکھے پھر اگر ساری عمر نوافل نہ پڑھیں اور ذکر و تسبیح نہیں کی لیکن اپنے آپ کو حرام سے بچا کر قبر تک لے گیا تو انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اور اگر حلال و حرام کی فکر تو نہیں کی مگر تہجد کی نماز بھی پڑھ رہا ہے، اشراق کی نماز بھی پڑھ رہا ہے، ذکر و تسبیح بھی کر رہا ہے تو یہ نوافل اور یہ ذکر انسان کو حرام مال کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۱۲)

حرام مال حلال مال کو بھی تباہ کر دیتا ہے

لہذا ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ جو پیسے اس کے پاس آرہے ہیں اور جو کام وہ کر رہا ہے، ان میں کہیں حرام مال کی آمیزش تو نہیں ہے۔ حرام مال کی آمیزش کی چند مثالیں آپ کے سامنے سمجھانے کے لئے پیش کر دیں۔ ورنہ نہ جانے کتنے کام ایسے ہیں جن کے ذریعہ نادانستہ اور غیر شعوری طور پر ہمارے حلال مال میں حرام مال کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جب کبھی کسی حلال مال کے ساتھ حرام مال لگ جاتا ہے تو وہ حرام حلال کو بھی تباہ کر کے چھوڑتا ہے، یعنی اس حرام مال کے شامل ہونے کے نتیجے میں حلال مال کی برکت، اس کا سکون اور راحت تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر شخص اس کی فکر کرے اور ہر شخص اپنے ایک ایک عمل اور اپنی آمدنی کا جائزہ لے کہ ہمارے حلال مال میں کہیں کوئی حرام مال تو شامل نہیں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہم سب کو اس فکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۱۲ تا ۲۱۳)

طلب "حلال" کی ہو

رزق طلب کرنا فریضہ اس وقت ہے جب طلب حلال کی ہو، روٹی، کپڑا اور پیسہ بذات خود مقصود نہیں ہے، یہ نیت نہ ہو کہ بس پیسہ حاصل کرنا ہے، چاہے جس طرح بھی حاصل ہو، چاہے جائز طریقے سے حاصل ہو یا ناجائز طریقے سے حاصل ہو، حلال طریقے سے حاصل ہو یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس صورت میں یہ طلب، طلب حلال نہ ہوئی جس کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جس کو فریضہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ مومن کا یہ عمل اس وقت دین بنتا ہے جب وہ اسلامی تعلیمات کے

مطابق اس کو حاصل کرے۔ اب اگر اس نے حلال و حرام کی تمیز ہٹا دی اور جائز و ناجائز کا سوال ذہن سے مٹا دیا تو پھر ایک مسلمان میں اور کافر میں رزق حاصل کرنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہا۔ بات تو جیسی بنے گی جب وہ رزق تو ضرور طلب کرے لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر کرے۔ اس کو ایک ایک پیسے کے بارے میں فکر لاحق ہو کہ یہ پیسہ حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام طریقے سے آرہا ہے، یہ پیسہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کے مطابق آرہا ہے یا اس کے خلاف آرہا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کے خلاف آرہا ہے تو اس کو جہنم کا انگارہ سمجھ کو چھوڑ دے۔ کتنی بڑی سے بڑی دولت ہو۔ لیکن اگر وہ حرام طریقے سے آرہی ہے تو اس کو لات مار دے اور کسی قیمت پر بھی اس حرام کو اپنی زندگی کو حصہ بنانے پر راضی نہ ہو۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۱۳)

حرام کے پیسوں کا نتیجہ

آج ہر شخص اس فکر میں ہے کہ کسی طرح دو پیسے جلدی سے ہاتھ آجائیں، کل کے بجائے آج ہی مل جائیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں، یا حرام طریقے سے ملیں، دھوکہ دے کر ملیں، یا فریب دے کر ملیں، یا دوسرے کی جیب کاٹ کر ملیں، لیکن مل جائیں۔ یاد رکھو، اس فکر کے نتیجے میں تمہیں دو پیسے مل جائیں گے، لیکن یہ دو پیسے نہ جانے کتنی بڑی رقم تمہاری جیب سے نکال کر لے جائیں گے۔ یہ دو پیسے دنیا میں تمہیں کبھی امن اور سکون نہیں دے سکتے۔ یہ دو پیسے چین کی زندگی نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ یہ دو پیسے تم نے حرام طریقے سے اور دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر، دوسرے انسان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر حاصل کیے ہیں۔ لہذا گنتی میں تو یہ پیسے شاید اضافہ کر دیں، لیکن تمہیں چین لینے نہیں دیں گے۔ اور کوئی دوسرا شخص تمہاری جیب پر ڈاکہ ڈال دے گا، اور اس سے زیادہ نکال کر لے جائے گا۔ آج بازاروں میں یہی ہو رہا ہے کہ آپ نے ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کر پیسے کمائے۔ دوسری طرف دو مسلح افراد آپ کی دکان میں داخل ہوئے، اور اسلحہ کے زور پر آپ کا سارا اثاثہ اٹھا کر لے گئے۔ اب بتائیے، جو پیسے آپ نے حرام طریقے سے کمائے تھے، وہ فائدہ مند ثابت ہوئے یا نقصان دہ ثابت ہوئے؟ لیکن اگر تم حرام طریقہ اختیار نہ کرتے، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ معاملہ درست رکھتے تو اس صورت میں یہ پیسے اگرچہ گنتی میں کچھ کم ہوتے، لیکن تمہارے لئے آرام اور سکون اور چین کا ذریعہ بنتے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۵۲ تا ۲۵۳)

عذاب کا سبب گناہ ہیں

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہت امانت اور دیانت کے ساتھ پیسے کمائے تھے، اس کے باوجود ہماری دکان پر بھی ڈاکو آگئے، اور لوٹ کر لے گئے۔ بات یہ ہے کہ ذرا غور کرو کہ اگرچہ تم نے امانت اور دیانت سے کمائے تھے، لیکن یقین کرو کہ تم سے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور سرزد ہوا ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ یہی فرما رہے ہیں کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچ رہی ہے، وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے کوئی گناہ کیا ہو، لیکن اس کا خیال اور دھیان نہیں کیا، ہو سکتا ہے کہ تم نے زکوٰۃ پوری ادا نہ کی ہو، یا زکوٰۃ کا حساب صحیح نہ کیا ہو۔ یا اور کوئی گناہ کیا ہو، اس کے نتیجے میں یہ عذاب تم پر آیا ہو۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۵۳)

یہ عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا

دوسرے یہ کہ جب کوئی گناہ معاشرے میں پھیل جاتا ہے، اور اس گناہ سے کوئی روکنے والا بھی نہیں ہوتا تو اس وقت جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کوئی عذاب آتا ہے تو عذاب یہ نہیں دیکھتا کہ کس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اور کس نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ عذاب عام ہوتا ہے، تمام لوگ اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَأَنفَقُوا فَنُنَزِّلُ لَآئِمَّةً ۚ يَوْمَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً" (انفال: ۲۵)

ترجمہ: "یعنی اس عذاب سے ڈرو، جو صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔"

بلکہ جو لوگ ظلم سے علیحدہ تھے، وہ بھی اس عذاب میں پکڑے جائیں گے، اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ خود تو ظالم نہیں تھے، لیکن کبھی ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہیں کی، کبھی ظلم کو مٹانے کی جدوجہد نہیں کی، اس ظلم کے خلاف ان کی پیشانی پر بل نہیں آیا، اس لئے گویا کہ وہ بھی اس ظلم میں ان کے ساتھ شامل تھے۔ لہذا یہ کہنا کہ ہم تو بڑی امانت اور دیانت کے ساتھ تجارت کر رہے تھے، اس کے باوجود ہمارے ہاں چوری ہو گئی اور ڈاکہ پڑ گیا، اتنی بات کہہ دینا کافی نہیں۔ اس لئے کہ اس امانت اور دیانت کو دوسروں تک پہنچانے کا کام تم نے انجام نہیں دیا، اس کو چھوڑ دیا، اس لئے اس عذاب میں تم بھی گرفتار ہو گئے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۵۳ تا ۲۵۴)

حرام کمائی کی بہت سی شکلیں ہیں، ان میں سے بنیادی اور کثیر الوقوع تین ہیں، سود، جو اور غرر، آئندہ اوراق میں ان کی کچھ تفصیل عرض کی جا رہی ہے۔

ربا (سود)

دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کی طرح عربوں میں بھی سودی لین دین کا رواج تھا، اور ہمارے یہاں کے سود خور مہاجنوں کی طرح وہاں بھی کچھ سرمایہ دار یہ کاروبار کرتے تھے جس کی عام مروج و معروف صورت یہی تھی کہ ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے اور طے ہو جاتا کہ یہ رقم وہ فلاں وقت تک اتنے اضافے کے ساتھ ادا کر دیں گے۔ پھر اگر مقررہ وقت پر قرض لینے والا ادانہ کر سکتا تو مزید مہلت لے لیتا اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اور اضافہ طے ہو جاتا۔ اس طرح غریب قرض داروں کا بوجھ بڑھتا رہتا اور سود خور مہاجن ان کا خون چوستے رہتے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلام کی روح اور اس کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ اسلام کی تعلیم اور ہدایت تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی جائے، کمزوروں کو سہارا دیا جائے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے اور یہ سب اپنی کسی دنیوی مصلحت و منفعت کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ نے اپنے ارشادات میں جس طرح ام النبیات شراب سے لوگوں کو بچانے کے لئے تدریجی رویہ اختیار فرمایا، اسی طرح سود کے ظالمانہ اور لعنتی کاروبار کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بھی اسی حکمت عملی کو استعمال کیا گیا۔ شروع میں طویل مدت تک صرف مثبت انداز میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اپنی دولت فی سبیل اللہ خرچ کرو، غریبوں کی مدد کرو، کمزوروں کو سہارا دو، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرو، رحم، سخاوت اور ایثار جیسے اخلاق کو اپناؤ، بتلایا گیا کہ تم بھی فانی ہو، تمہاری دولت بھی فنا ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس دولت کے ذریعہ آخرت کی ابدی فلاح اور جنت کماؤ، قارون جیسے پرستاران دولت کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

اس تعلیم و ہدایت اور اس کے مطابق عمل نے معاشرہ کا مزاج ایسا بنادیا اور فضا اس کے لئے سازگار ہو گئی کہ اس ظالمانہ اور انسانیت کش کاروبار (ربو۔ سود) قطعی حرمت کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ چنانچہ اواخر سورہ بقرہ کی ۲۷۵ سے ۲۸۱ تک کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں واضح طور پر ربو (سود) کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے، یعنی،

"الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِي يَسْحَبُ ظِلَّهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَاتَّبَعَهَا فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُغْبِطُ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتِغُوا فَلَکُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِکُمْ لَا تُظْلَمُونَ وَلَا تَظْلِمُونَ ۚ وَإِن کَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَیْسَرَةٍ ۚ وَإِن تَصَدَّقُوا خَیْرًا لَّکُمْ إِن کُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

ان آیتوں میں یہ بھی صراحت کر دی گئی اگر پچھلے لین دین کے سلسلے کی کسی کی کوئی سودی رقم کسی مقروض کے ذمے باقی ہے تو وہ بھی اب نہیں لی دی جائے گی۔ انہی آیتوں میں آخر میں یہ بھی اعلان فرمادیا گیا کہ سودی کاروبار کی حرمت کے اس اعلان کے بعد بھی جو لوگ باز نہ آئیں اور خداوندی قانون کی نافرمانی کریں ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے (اللہ کی پناہ)!

یہ وعید (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ کی وعید) سودی کاروبار کے سوا زنا، شراب، خون ناحق وغیرہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں یہ گناہ دوسرے سب گناہوں سے زیادہ شدید و غلیظ ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خور ہی کو انتہائی درجہ کے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے اور سود لینے والوں کے ساتھ اس کے دینے والوں یہاں تک کہ سودی دستاویز لکھنے والوں اور سودی معاملے کے گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے اور بعض روایات میں سود کا گناہ زنا سے ستر گنا زیادہ بتلایا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس باب کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کن گناہوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا! رسول اللہ وہ کون سے سات گناہ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں کسی کو) شریک کرنا، اور جادو کرنا، اور ناحق کسی آدمی کو قتل کرنا، اور سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا، اور اپنی جان بچانے کے لئے جہاد میں لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا، اور اللہ کی پاک دامن بھولی بھالی بندویوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے یہ شدید ترین اور خبیث ترین کبیرہ گناہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "موبقات" فرمایا ہے (یعنی آدمی کو اور اس کی ایمانی روح کو ہلاک و برباد کر دینے والے) ان میں آپ

نے شرک اور سحر اور قتل ناحق کے بعد اکل رہا (سود) لینے اور کھانے کا ذکر فرمایا اور اس کو روجی ایمانی کے لئے قاتل اور مہلک بتلایا ہے۔ جس طرح اطباء اور ڈاکٹر اپنے تحقیقی علم و فن اور تجربہ کی بناء پر اس دنیا میں زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں دواؤں، غذاؤں وغیرہ کے خواص بیان کرتے ہیں کہ فلاں چیز میں یہ خاصیت اور تاثیر ہے اور یہ آدمی فلاں مرض کے لئے مفید یا مضر ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کی بنیاد پر انسانوں کے عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے خواص اور نتائج بتلاتے ہیں کہ فلاں ایمانی عقیدہ اور فلاح نیک عمل اور فلاں اچھی خصلت کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں جنت کی نعمتیں اور دنیا میں قلب و روح کا سکون ہے اور فلاح کا فرانہ و مشرکانہ عقیدے اور فلاح ظلم و معصیت کا انجام اللہ کی لعنت اور دوزخ کا عذاب اور دنیا میں ہر طرح طرح کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اور غورو فکر میں غلطی کا امکان ہے اور کبھی کبھی غلطی کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے علم کی بنیاد خالق کائنات اور علیم کل اللہ تعالیٰ کی وحی پر ہوتی ہے اس میں کسی بھول چوک یا غلطی کا احتمال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر عجب معاملہ ہے کہ حکیموں ڈکٹروں کی تجویز کی ہوئی دواؤں کو سب بلا چون و چرا ان کے اعتماد پر استعمال کرتے ہیں، پرہیز کے بارے میں وہ جو ہدایت دیں اس کی بھی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسی کو عقل کا تقاضا سمجھا جاتا ہے اور کسی مریض کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ کہے کہ میں دوا جب استعمال کروں گا جب اس کی تاثیر کا فلسفہ مجھے سمجھا دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول برحق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً سود کے بارے میں فرمائیں کہ وہ شدید خبیث کبیرہ گناہ اور "موہقات" میں سے ہے، خدا کی لعنت و غضب کا موجب اور روح ایمان کے لئے قاتل ہے اور سود خوروں کے لئے آخرت میں لرزہ خیز عذاب ہے تو بہت سے مدعیان عقل و ایمان کے لئے یہ کافی نہ ہوا اور وہ اس کا "فلسفہ" معلوم کرنا ضروری سمجھیں، اللہ والوں کو ایمان و یقین نصیب فرمائے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۰۵ تا ۱۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو باہر سے نظر آتے ہیں، میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ (جو ایسے عذاب میں مبتلا ہیں) انہوں نے بتلایا کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔

(مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم غیب کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا اس ضمن میں جنت اور دوزخ کے بعض مناظر بھی دکھائے گئے تاکہ خود آپ کو "حق الیقین" کے بعد "عین الیقین" کا مقام بھی حاصل ہو جائے اور آپ ذاتی مشاہدہ کی بناء پر بھی لوگوں کو عذاب و ثواب سے آگاہ کر سکیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک منظر یہ بھی دیکھا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ کچھ لوگوں کے پیٹ اتنے بڑے ہیں جیسے کے اچھا خاصا گھر اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو دیکھنے والوں کو باہر ہی سے نظر آتے ہیں اور آپ کے دریافت کرنے پر حضرت جبریل نے بتلایا یہ سود لینے والے اور کھانے والے لوگ ہیں جو اس لرزہ خیز عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشاہدہ کو خود آپ کی زبان مبارک سے سنا اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے بعد کے راویان حدیث کو ان کی محنت و عنایت کے طفیل میں حدیث کی مستند کتابوں کے ذریعہ یہ مشاہدہ ہم تک بھی پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ ایسا یقین نصیب فرمائے کہ دل کی آنکھوں سے یہ منظر ہم کو بھی نظر آئے۔

(معارف الحدیث ج ۷، ص ۱۰۹ تا ۱۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود خوری کے ستر حصے ہیں ان میں سے ادنیٰ اور معمولی ایسا ہے جیسے کہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرنا۔

(سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلہ معارف الحدیث میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی محاورہ اور قرآن و حدیث کی زبان "سبعون" کا لفظ خاص معین عدد (۷۰) کے علاوہ کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ اکثر اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود خوری اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدرجہا زیادہ شدید خبیث گناہ ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے صرف یہی وہ گناہ ہے جس سے باز نہ آنے والوں کے خلاف قرآن پاک میں اللہ و رسول کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۱۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے اور کھانے والے پر اور سود دینے اور کھلانے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اس کی گواہوں پر، آپ نے فرمایا کہ (گناہ کی شرکت میں) یہ سب برابر ہیں۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۱۱ بحوالہ صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کسی قرض دے تو اگر وہ مقروض و مدیون آدمی قرض دینے والے کو کوئی چیز بطور ہدیہ دے یا سواری کے لئے اپنا جانور پیش کرے تو چاہئے کہ وہ اس کے ہدیہ کو قبول نہ کرے اور اس کے جانور کو سواری میں استعمال نہ کرے، الا یہ کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے اس طرح کا تعلق اور معاملہ ہو تا رہا ہو۔

(سنن ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود کا معاملہ اتنا سنگین اور خطرناک ہے کہ اس کے ادنیٰ شعبہ سے بھی بچنا چاہئے جب کسی بندہ کو آدمی قرض دے تو اس کی پوری احتیاط کرے کہ اس قرض کی وجہ سے ذرہ برابر بھی دنیوی فائدہ حاصل نہ ہو اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۱۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ربوا والی آیت (یعنی سورہ بقرہ کی جس آیت میں ربوا کی حرمت کا قطعی اعلان فرمایا گیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے) آخری دور میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اٹھائے گئے اور آپ نے ہمارے لئے اس کی پوری تفسیر و تشریح نہیں فرمائی، لہذا ربوا کو بالکل چھوڑ دو اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی پرہیز کرو۔

(سنن ابن ماجہ، مسند داری)

(تشریح) "ربوا" عربی زبان کا ایک عام معروف لفظ تھا جو نزول قرآن سے پہلے بھی بولا جاتا تھا اور وہاں کا ہر شخص اس کا مطلب سمجھتا تھا اور وہ وہی تھا جو اوپر تمہیدی سطروں میں بیان کیا گیا ہے اس لئے جب حرمت ربوا والی آیت نازل ہوئی تو وہاں سب نے اس سے یہی سمجھا کہ سودی کاروبار جس کا وہاں رواج تھا حرام قرار دے دیا گیا اس میں نہ کسی کو کوئی شبہ ہوا اور نہ کسی شبہ کی گنجائش تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ارشادات میں (جو آگے درج ہو رہے ہیں) خرید و فروخت کی بعض ایسی صورتوں کے بھ "ربوا" کے حکم میں ہونے کا اعلان فرمایا جن میں کسی پہلو سے ربوا کا شائبہ تھا اور جن کو وہاں پہلے "ربوا" نہیں کہا اور سمجھا جاتا تھا مگر اس سلسلہ کی ساری جزئیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمائیں جیسا کہ حکمت شریعت کا تقاضا تھا اصولی ہدایت فرمادی اور یہ کام امت کے مجتہدین اور فقہاء کے لئے رہ گیا کہ وہ آپ کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں جزئیات کے بارے میں فیصلہ کریں (تمام ابواب شریعت کا یہی حال ہے) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو امت کے فقہاء و مجتہدین کی صفوں میں ہیں ربوا کے بارے میں سخت و عیدوں سے ڈرتے اور لرزتے ہوئے یہ خواہش رکھتے تھے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باب (ربوا) کی وہ جزئیات بھی بیان فرما جاتے جو آپ نے بیان نہیں فرمائیں اور جن کے بارے میں اب اجتہاد سے فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اپنے اس انتہائی خدا ترسانہ اور محتاط نقطہ نظر کی بناء پر انہوں نے اپنے اس ارشاد کے آخر میں فرمایا "یعنی اب اہل ایمان کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ "ربوا" اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی اپنے کو بچائیں۔ لیکن اس کے برعکس ہمارے زمانہ کے بعض دانشور مدعیان اجتہاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "ربوا" کی حقیقت مشتبہ بلکہ نامعلوم ہے اور پھر اس کی بنیاد پر وہ سود کی بہت سی مروجہ صورتوں کا جو از نکالتے ہیں "ہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجما"

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۱۲ تا ۱۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے لیکن اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔

(مسند احمد، سنن ابن ماجہ، شعب الایمان، بہیقی)

(تشریح) اگر حدیث کے لفظ عاقبتہ سے اخروی انجام مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی صاحب ایمان کو اس میں شک شبہ نہیں ہو گا۔ عالم آخرت میں پہنچ کر ہم سب دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کیا اور یہاں وہ لکھ پتی کروڑ پتی ہو گئے، آخرت میں وہ بالکل مفلس کوڑی کوڑی کے محتاج ہوں گے اور ان کی وہ دولت ہی ان کے لئے وبال اور عذاب ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اطلاع دی ہے۔ اور اگر حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ سود کے ذریعہ دولت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن آخر کار دنیا میں بھی اس پر زوال آئے گا تو ظاہر بینوں کو تو اس میں شک اور کلام ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو حقائق دیکھنے والی نگاہ دی ہے انہیں اس میں بھی کوئی شک شبہ نہ ہو گا۔ بکثرت ایسے واقعات مشہور ہیں کہ ایک شخص سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہا اور وہ اپنے وقت کا قارون بن گیا پھر کبھی اس شخص کی زندگی ہی میں اور کبھی اس کے بعد کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا اور ایسی کوئی آفت آئی جس نے سارا حساب برابر کر دیا اور کبھی کبھی تو وہ لکھ پتی اور کروڑ پتی دیوالیہ اور محتاج ہو کر رہ گیا اور یہ بات سو فیصد مشاہدہ اور تجربہ میں ہے کہ سود خود لوگ اس حقیقی راحت اور عزت و احترام سے یکسر محروم رہتے ہیں، جو دولت کا اصل مقصد اور ثمرہ ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کوئی سود خور سودی کاروبار کے ذریعہ خواہ کتنی ہی دولت پیدا کر لے وہ دولت کے حقیقی لطف و ثمرہ سے ہمیشہ محروم ہی رہتا ہے، اس حساب سے وہ دولت مند ہونے کے باوجود مفلس اور تہی دست ہی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا

گیا ہے (ربا اور سود سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ برکت سے محروم رکھتا ہے اور اس پر دیر سویر بربادی آتی ہے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۱۳ تا ۱۱۵)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے کی بیج سونے کے بدلے اور چاندی کی چاندی کے بدلے اور گہیوں کی گہیوں کے بدلے اور جو کی جو کے بدلے اور کھجوروں کی کھجوروں کے بدلے اور نمک کی نمک کے بدلے یکساں اور برابر اور وسعت بدست ہوئی چاہئے اور جب اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت بشرطیکہ لین دین وسعت بدست ہو۔

(صحیح مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض اور گہیوں کی گہیوں کے عوض اور جو جو کے عوض اور کھجوریں کھجوروں کے عوض اور نمک نمک کے عوض دست بدست برابر سرابریچا خرید جائے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا (اور وہ سود کے گناہ کا مرتکب ہوا) اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس مضمون کی حدیثیں اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری کے علاوہ حضرت عمر، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابو بکر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ان کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے یعنی سونا، چاندی گہیوں، جو، کھجور، نمک اگر ان میں سے کسی جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے مثلاً گہیوں دے کر اس کے بدلے میں گہیوں لئے جائیں تو یہ معاملہ جب جائز ہو گا جب برابر برابر اور اور دست بدست لیا دیا جائے۔ اگر کمی بیشی ہوئی یا لین دین دست بدست (ہاتھ کے ہاتھ) نہ ہو بلکہ قرض ادھار کی بات ہوئی تو جائز نہ ہو گا بلکہ یہ ایک طرح کا سود کا معاملہ ہو جائے گا اور دونوں فریق سود کے مرتکب اور گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "حجة الله البالغة" میں ان حدیث کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جس ربا (سود) کا رواج تھا اور جس کو "ربا" کہا جاتا تھا وہ قرض ادھار والا ہی سود تھا جس کی صورت (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا) یہ تھی کہ جو سرمایہ دار مہاجن سودی کاروبار کرتے تھے، ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے تھے اور طے ہو جاتا تھا کہ اتنے اضافہ کے ساتھ فلاں وقت تک وہ یہ

قرض ادا کر دیں گے پھر اگر مقررہ معیار پر وہ ادا نہ کر سکتے تو اور مہلت سے لے لیتے اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اور اضافہ طے ہو جاتا (شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ) اسی سودی کاروبار کا رواج تھا اور اسی کو "ربا" کہا جاتا تھا، قرآن مجید میں براہ راست اسی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے خرید و فروخت کی بعض صورتوں کے بھی ربوہ کے حکم میں داخل ہونے کا اعلان فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔ ان حدیثوں میں اسی کا اعلان فرمایا گیا ہے ان میں کسی جنس کا بھی اگر اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے تو کسی طرف کمی بیشی نہ ہو بلکہ برابر سر برابر ہو اور لین دین ہاتھ کے ہاتھ ہو اگر تبادلہ میں کمی بیشی ہوئی یا لین دین ہاتھ کے ہاتھ نہ ہو تو یہ ربوہ اور سود کی ایک قسم ہوگی اور دونوں فریق گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے معمول کے مطابق اس حکم کی جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قعیش اور "رفاہیت بالغہ" یعنی زیادہ بلند معیار اور رئیسانہ ٹھاٹھاٹ کی زندگی پسند نہیں فرماتا جو شخص بہت اونچے معیار اور قعیش کی زندگی گزارے گا وہ لازمی طور پر طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہو گا اور آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے اور روح کے تزکیہ کی فکر سے وہ اسی حساب سے غافل ہو گا، علاوہ ازیں معاشرہ ہمیں زیادہ اونچے نیچے سے جو طرح طرح کے مفسد پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پیدا ہوں گے۔

حدیث میں صرف مذکورہ بالا چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے لیکن امت کے فقہاء مجتہدین کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جو چیزیں اس نوعیت کی ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے اگرچہ تفصیلات میں فقہاء کی راہوں میں کچھ فرق و اختلاف ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۱۶ تا ۱۱۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت اچھی قسم کی (برنی) کھجوریں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس گھٹیاں قسم کی کھجوریں تھیں میں نے وہ دو صاع دے کر یہ برنی ایک صاع خرید لیں۔ آپ نے فرمایا اوہو! یہ تو عین ربا ہوا، آئندہ ایسا کبھی نہ کرو، جب تم (کھجوروں سے) کھجوریں خریدنی چاہو تو پہلے اپنی کھجوریں بیچ دو، پھر ان کی قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ (جو یقیناً اس سے ناواقف نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ربوا کو حرام قرار دے دیا ہے) انہوں نے جس طرح کھجوریں خریدی تھیں اس کو انہوں نے ربوا نہیں سمجھا تھا وہ "ربوا" قرض والے سود ہی کو سمجھتے تھے جس کو عام طور پر ربوا کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا کہ کمی بیشی کے ساتھ کھجوروں کا تبادلہ بھی ربوا کے حکم میں ہے بقول حضرت شاہ ولی اللہ قرض والا ربوا "حقیقی ربوا" ہے اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ ویرہ کی حدیثوں میں جس کو ربوا قرار دیا گیا ہے وہ "حکمی ربوا" ہے یعنی ربوا کے حکم میں ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۲۰)

غرر اور قمار

غرر بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے اور شریعت میں معاملات کے اندر جہاں بھی غرر اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، غرر کے لفظی معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ "ہر وہ چیز جس کے ظاہر کو تم پسند کرو! لیکن اس کا باطن مکروہ ہو" اس کا ترجمہ دھوکہ سے بھی کیا جاتا ہے لیکن ہر دھوکہ کو غرر نہیں کہتے، بلکہ جس میں مندرجہ ذیل تین چیزوں میں سے ایک چیز پائی جائے وہ غرر ہوتا ہے:

(۱) مبیع مقدور التسلیم نہ ہو، یعنی جس چیز کو بیچ رہا ہے اس کی تسلیم (حوالہ کرنے) پر قادر نہ ہو، مثلاً کوئی شخص ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کو فروخت کرتا ہے یا دریا و سمندر میں تیرتی ہوئی مچھلی کو فروخت کرتا ہے، اب معلوم نہیں کہ بعد میں اس پرندے یا مچھلی کو پکڑ سکے گا یا نہیں۔

(۲) مبیع یا ثمن یا اجل ان تینوں میں سے کوئی چیز مجہول ہو، مثلاً سامنے بہت سارے کپڑے رکھے ہیں اور ہاتھ میں ایک پتھر لے کر وہ پتھر مارا اور کہا کہ جس کپڑے کو لگ جائے گا اس کی بیع ہوگی، تو اس صورت میں مبیع مجہول ہے، اسی طرح بائع مشتری کو یہ کہے کہ میں کپڑا تمہاری طرف بھیجوں گا اور تم کپڑا میری طرف پھینک دینا، اس صورت میں مبیع اور ثمن دونوں مجہول ہیں۔

(۳) عقود معاوضہ میں تملیک کو کسی خطر پر معلق کرنا، خطر کا معنی یہ ہے کہ کوئی ایسا آنے والا واقعہ جس کے واقع ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو، اس واقعہ پر تملیک کو معلق کر دیا جاتا ہے، یعنی اگر یہ واقعہ پیش آگیا تو میں نے اپنی فلاں چیز کا تمہیں ابھی سے مالک بنادیا، مثلاً اگر جمعرات کے دن بارش ہوگئی تو یہ کتاب تمہیں پچاس روپے میں فروخت کردی، اس صورت میں کتاب کی فروختی جو تملیک کا ایک شعبہ ہے اس کو بارش کے

وقوع پر معلق کر دیا گیا اور یہ خطر ہے کہ بارش کے ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے اور اس کو قمار یا جوایا میسر بھی کہتے ہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج: ۲، ص: ۱۶۵ تا ۱۶۷)

نویں فصل: اسلام میں معاش پر پابندیاں

اسلام کے نقطہ نظر سے معاشی مسائل کا تصفیہ اپنی منصوبہ بندی کی بجائے بازار کی قوتوں کے تحت ہونا چاہئے، اس بنیادی فلسفہ کو اسلام تسلیم کرتا ہے، قرآن کریم کہتا ہے:

{ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا

سُخْرِيًّا } (الزخرف: ۳۲)

یعنی ہم نے ان کے درمیان کی معیشت تقسیم کر دی ہے، اور ایک کو دوسرے پر درجات کے اعتبار سے فوقیت عطا کی ہے۔ اور اس کے بعد کتنا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ "لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا" تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کائنات کا نظام بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کی معیشت تقسیم کی ہے، یعنی وسائل کی تقسیم، اور قیمتوں کا تعین، اور تقسیم دولت کے اصول یہ سارے کے سارے کسی انسانی منصوبہ بندی کی بنیاد پر وجود میں نہیں آتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس بازار اور اسی دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ معیشت خود بخود تقسیم ہو جائے۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے تقسیم کیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آکر خود دولت تقسیم فرمادی کہ اتنا تم لے لو، اور اتنا تم لے لو، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے فطرت کے ایسے قوانین بنا دیئے ہیں، جن کی روشنی میں انسان کے درمیان معیشت کی تقسیم کا عمل خود بخود ہو جائے۔

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ درجے کا معاشی اصول یہ بیان فرمایا کہ:

"دَعُو النَّاسَ يَرْزُقُ اللَّهُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ" یعنی لوگوں کو آزاد چھوڑ دو، کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرماتے ہیں۔ یعنی ان پر بلا وجہ پابندیاں نہ لگاؤ، بلکہ آزاد چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ بڑا عجیب و غریب نظام بنایا ہے، مثلاً میرے دل میں اس وقت یہ خیال آیا کہ بازار جاکر "پلچی" خریدوں، اور بازار میں جو شخص پھل بیچنے والا ہے اس کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم جاکر "پلچی" فروخت کرو، اور اب جب میں بازار گیا تو دیکھا کہ ایک شخص "پلچی" بیچ رہا ہے، اس کے پاس گیا اور اسے بھاؤ تاؤ کر کے اس سے "پلچی" لے لی، اور اس کے پیسے دے دیئے، تو اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ جل شانہ بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرماتے ہیں۔

بہر حال، یہ بنیادی اصول کہ مارکیٹ کی قوتیں ان بنیادی مسائل کا تعین کرتی ہیں، یہ اصول تو اسلام کو تسلیم ہے، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا یہ بنیادی امتیاز کہ معیشت کو مارکیٹ کی قوتوں پر بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اس کو اسلام تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ انسانوں کو منافع کمانے کے لئے اتنا آزاد نہ چھوڑو کہ ایک کی آزادی دوسرے کی آزادی کو سلب کر لے۔ یعنی ایک کو اتنا آزاد چھوڑو کہ وہ اجارہ دار بن گیا اور بازار میں اس کی اجارہ داری قائم ہو گئی، اور اس کے نتیجے میں دوسروں کی آزادی سلب ہو گئی، لہذا اسلام نے اس آزادی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، وہ پابندیاں کیا ہیں؟ ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلی قسم شرعی اور الہی پابندی، یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ تم اپنا منافع تو کماؤ، لیکن تمہیں فلاں کام نہیں کرنا، اس کو دینی پابندی بھی کہتے ہیں، دوسری قسم ہے "اخلاقی پابندی"، تیسری قسم "قانونی پابندی" ہے۔ یہ تین قسم کی پابندیاں ہیں جو انسان پر شریعت نے عائد کی ہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۸۲ تا ۱۸۳)

۱- دینی پابندی

پہلی قسم کی پابندی جو "دینی پابندی" ہے یہ بہت اہمیت کی حامل ہے، جو اسلام کو دوسرے معاشی نظریات سے ممتاز کرتی ہے۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام اب اپنے بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر اتنا نیچے آگیا ہے کہ اب اس میں حکومت کی کچھ نہ کچھ مداخلت ہوتی ہے، لیکن حکومت کی یہ مداخلت ذاتی عقل اور سیکر لر تصورات کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور اسلام جو پابندی عائد کرتا ہے، وہ "دینی پابندی" ہوتی ہے، وہ دینی پابندیاں کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ تم بازار میں منافع کماؤ، لیکن تمہارے لئے سود کے ذریعے آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کرو گے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے، اسی طرح "قمار" کو ممنوع قرار دے دیا، "قمار" کے ذریعے آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں، اور "احتکار" ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دے دیا، "سٹہ" کو ممنوع قرار دے دیا۔ ویسے تو شریعت نے یہ کہہ دیا ہے کہ جب دو آدمی اگر معاملہ کرنے پر راضی ہو جائیں، تو پھر وہ قانونی معاملہ ہو جاتا ہے، لیکن وہ دونوں اگر کسی ایسے معاملہ پر راضی ہو جائیں جو معاشرے کی تباہی کا سبب ہو، اس معاملے کی اجازت نہیں، مثلاً "سود" کے معاملے پر دو آدمی رضا مندی سے معاملہ کر لیں، تو چونکہ "سود" کے ذریعے معاشی طور پر نقصانات پیدا ہوتے ہیں، تباہ کاریاں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے شرعاً اس کی اجازت نہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۸۳)

۲- اخلاقی پابندی

آزاد معیشت پر شرعاً دوسری پابندی جو عائد کی گئی ہے اس کو "اخلاقی پابندی" کہتے ہیں، اس لئے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو شرعاً حرام تو نہیں اور نہ ان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے البتہ ان کی ترغیب ضرور دی ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام ایک معاشی نظام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دین ہے اور ایک نظام زندگی ہے جس میں سب سے پہلے یہ بات سکھائی جاتی ہے کہ انسان کا بنیادی مقصد آخرت کی بہبود ہے لہذا اسلام یہ ترغیب دیتا ہے کہ اگر تم فلاں کام کرو گے تو آخرت میں تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا، اسلام ذاتی منافع کا محرک تو ہے لیکن وہ صرف دنیاوی منافع کی حد تک محدود نہیں، بلکہ ذاتی منافع میں آخرت کے منافع کو بھی لازمًا شامل سمجھتا ہے، لہذا اسلام نے بہت سے احکام ہمیں اس بات کے دیئے ہیں کہ تمہیں دنیا میں اگرچہ نفع کچھ کم ملے لیکن آخرت میں اس کا نفع بہت ملے گا۔ مثلاً شرعاً یہ کہا گیا ہے کہ ہر وہ انسان جو اپنی معیشت کو کمانے کے لئے بازار میں نکلا ہے اگر یہ نیت کرے کہ وہ اس لئے بازار میں نکلا ہے کہ معاشرے کی فلاں ضرورت کو پورا کروں گا تو اس کی اس نیت کی وجہ سے اس کا یہ سارا عمل عبادت بن جائے گا اور باعثِ اجر ہو جائے گا اور پھر اس نقطہ نظر سے انسان اس چیز کا انتخاب کرے گا جس کی معاشرے کو ضرورت ہوگی۔ اور حقیقت میں معاشرے کو دینی اعتبار سے ضرورت ہونی چاہئے۔ مثلاً فرض کریں کہ لوگ اگر رقص و سرور کے زیادہ شائق ہیں تو اس صورت میں کمیٹیٹل ازم کا تصور تو یہ ہے کہ لوگ زیادہ منافع کمانے کے لئے ناچ گھر قائم کریں چونکہ طلب اس کی زیادہ ہے، لیکن اسلام کی اس دینی پابندی کے تحت اس کے لئے ناچ گھر قائم کرنا جائز نہیں، یا مثلاً ایک شخص یہ دیکھتا ہے کہ اگر میں فلاں کارخانہ لگاؤں گا تو اس میں مجھے منافع تو بہت ہو گا لیکن اس وقت چونکہ رہائشی ضرورت کے لئے لوگوں کو مکانات کی ضرورت ہے اور اس میں منافع تو زیادہ نہیں ہو گا لیکن لوگوں کی ضرورت پوری ہوگی تو اس وقت شریعت کی اس اخلاقی پابندی پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت کے منافع کا حقدار ہو گا۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۸۶ تا ۱۸۷)

۳۔ قانونی پابندی

تیسری پابندی "قانونی پابندی" ہے، یعنی اسلام نے اسلامی حکومت کو یہ اختیار دیا ہے کہ جس مرحلے پر حکومت یہ محسوس کرے کہ معاشرے کو کسی خاص سمت پر ڈالنے کے لئے کوئی خاص پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہے تو ایسے وقت میں حکومت کوئی حکم جاری کر سکتی ہے، اور پھر وہ حکم تمام انسانوں کے لئے قابلِ احترام ہے چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" (النساء: ۵۹)

"یعنی اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو اور اولی الامر یعنی اہل ریاست کی بھی اطاعت کرو۔"

اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر حاکم وقت جو صحیح معنی اسلامی حکومت کا سربراہ ہو اگر کسی مصلحت کی بنیاد پر یہ حکم دیدے کہ فلاں دین تمام لوگ روزہ رکھیں تو اس دن روزہ رکھنا پوری رعایا پر عملاً واجب ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص روزہ نہیں رکھے گا تو عملی طور پر اس کو ایسا ہی گناہ ہو گا جیسے رمضان کا روزہ چھوڑنے کا گناہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اولی الامر کی اطاعت فرض ہے۔

اسی طرح فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر اولی الامر یہ حکم جاری کر دے کہ لوگوں کے لئے خربوزہ کھانا منع ہے تو اب رعایا کے لئے خربوزہ کھانا حرام ہو جائے گا۔ بہر حال اولی الامر کو ان چیزوں کا اختیار دیا گیا ہے، بشرطیکہ وہ یہ احکام عام لوگوں کی مصلحت کے تحت جاری کرے۔ اب اس میں جزوی منصوبہ بندی بھی داخل ہے، مثلاً حکومت یہ کہہ دے کہ فلاں چیز میں لوگ سرمایہ کاری کریں اور فلاں چیز میں سرمایہ کاری نہ کریں۔ تو حکومت حدود شرعیہ میں قانونی طور پر اس قسم کی پابندی عائد کر سکتی ہے۔

بہر حال، کیپٹل ازم کے مقابلے میں اسلام کے معاشی نظام میں یہ بنیادی امتیاز اور فرق ہے اور یاد رکھئے کہ جہاں تک قانونی پابندی کا تعلق ہے یہ پابندی کیپٹل ازم میں بھی پائی جاتی ہے لیکن یہ پابندیاں انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور اسلام میں اصل امتیاز دینی پابندیوں کا ہے جو "وحی" کے ذریعے مستفاد ہوتی ہیں، اور جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ جو پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے وہ یہ ہدایت کرتا ہے کہ فلاں چیز تمہارے لئے مضر اور منع ہے۔ درحقیقت یہ چیز ایسی ہے کہ جب تک انسانیت اس راستے پر نہیں آئے گی اس وقت تک انسانیت افراط و تفریط کا شکار رہے گی۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۸ تا ۱۸۸)

دسویں فصل: معاش سے متعلق دعائیں

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ جب سفر پر جاؤ تو وہاں اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال ہو جاؤ تو قرآن کی آخری پانچ سورتیں سورہ کافرون، سورہ نصر، سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھا کرو اور ہر سورۃ بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب کبھی سفر میں نکلتا تھا تو مالدار ہونے کے باوجود بھ زاد راہ ساتھیوں سے کم رہ جاتا تھا اور میرا حال برا ہو جاتا تھا لیکن جب میں نے یہ سورتیں پڑھنا شروع کیں اس وقت سے میں واپس ہونے تک اپنے تمام رفقاء سفر سے اچھی حالت میں رہتا ہوں اور زاد راہ بھی ان سب سے زیادہ میرے پاس رہتا ہے۔

(تفسیر مظہری، بحوالہ ابویعلیٰ، حسن حصین)

حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلا چکے تو تھک ہار کر ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے اور دعا کی کہ اے میرے رب جو خیر بھی میری طرف نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں، حالانکہ اس وقت آپ ایک کھجور کو بھی ترسے ہوئے تھے۔

(اخرج ابن مردويه، كذا في الدر المنثور ج ۵ ص ۱۲۵) ابن کثیر، سورۃ قصص آیت ۲۴

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو فرماتے:

"اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقًا طَیِّبًا وَّعِلْمًا نَّافِعًا وَّعَمَلًا مَّتَقَبَّلًا۔"

(اسے نسائی نے عمل الیوم واللیلہ حدیث ۱۰۲ میں احمد نے مسند (۲-۳۰۵، ۴۹۴) میں ابن ماجہ نے حدیث ۹۳۵ فی اقامۃ الصلاۃ باب

ما یقول بعد التسلیم میں روایت کیا ہے۔ ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ باب ما یقول فی دبر الصلاۃ الصبح میں ذکر کیا ہے بوصیری زوائد میں لکھتے ہیں اس کے سب راوی معتبر ہیں ایک راوی مولیٰ بن مسلمہ کا حال معلوم نہیں ہے۔)

(اخرجه ابن ماجه واحمد وهذا اسناد رجاله ثقات خلا مولى ام سلمة فانه لم یسم وهو حدیث حسن)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمزم جس مقصد کے لئے پیا جائے پورا ہوتا ہے۔

(ابن ماجہ ۳۲۰، ۳۶۲)

"اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَاشْفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ"

ترجمہ: "اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں نفع دینے والا علم کشادہ روزی اور ہر بیماری سے پوری شفاء"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے۔

"اللَّهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِکَ عَلَیَّ عِنْدَ کَبْرِ سِنِّیْ وَانْقِطَاعِ عَمْرِیْ"

(اخرجه الحاكم عن عیسیٰ بن میمون عن القاسم بن محمد عن عائشہ رضی اللہ عنہما وقال حسن الاسناد والمتن غریب فی الدعاء مستحب للمشائخ الا ان عیسیٰ بن میمون لم یحتج به الشیخان، مجمع الزوائد للہیثمی، باب الادعیه الماثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث رقم (۲۴۱) وقال رواه الطبرانی فی الاوسط واسناده حسن، جامع الصغیر حدیث رقم ۱۴۹۱ عن عائشہ رضی اللہ عنہما، کنز العمال - ۱/۱۹۵)

بڑھاپے میں اور عمر کے آخری حصے میں رزق کی تنگی زیادہ تکلیف دہ ہو سکتی ہے، کیونکہ آدمی اس وقت دوڑ بھاگ اور جہد و جہد کے قابل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ موت کے قرب کا زمانہ ہوتا ہے، اور یہ مومن کی آرزو ہونی چاہیے کہ اس زمانہ میں آدمی اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری کے لئے دوسری تمام فکروں سے فارغ اور آزاد ہو، اس لئے یہ مسنون دعا ہر مومن کے دل کی دھڑکن ہونی چاہیے۔

ایک اور حدیث میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عَمْرِیْ اٰخِرَہُ وَخَیْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِمَہُ وَخَیْرَ اٰیَامِیْ یَوْمَ الْقَاکَ فِیْہِ"

ترجمہ: "اے اللہ میرے عمر کے آخری حصہ کو میری زندگی کا بہترین حصہ کر دے اور میرے آخری عمل میری زندگی کے بہترین عمل ہوں اور میرا سب سے اچھا دن وہ ہو جو تیرے حضور میں میری حاضری کا دن ہو۔"

(معجم کبیر طبرانی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم! مجھے اپنی جان، اپنے اہل و عیال اور مال کے بارے میں بہت ڈر رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح و شام یہ کلمات کہا کرو:

"بسم اللہ علی دینی و نفسی و ولدی و اہلی و مالی"

میں اپنے دین پر، اپنی جان پر، اپنی اولاد پر، اپنے گھر والوں پر اور اپنے مال پر اللہ کا نام لیتا ہوں۔ اس آدمی نے یہ کلمات کہنے شروع کر دیئے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تمہیں جو ڈر لگتا تھا اس کا کیا ہوا؟ اس نے کہا اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے وہ ڈر بالکل جاتا رہا ہے۔

(اخر جہ ابن عساکر کذا فی الكنز (ج ۱ ص ۲۹۴))

"اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مَّنْقِبًا وَّ رِزْقًا حَلَالًا طَيِّبًا"

ترجمہ: "اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ علم جو فائدہ دے اور ایسا عمل جو مقبول ہو اور وہ رزق جو حلال اور ستھرا ہو۔

علامہ جلال الدین السيوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب جمع الجوامع کی قسم اقوال میں حکیم ترمذی کی طرف نسبت کرتے ہوئے روایت ذکر کی کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی تیرے پاس جبرائیل آئے انہوں نے مجھے ان دعاؤں کا کہا یعنی

"اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ طَيِّبًا وَّ اسْتَعْمَلْنِیْ صَالِحًا"

ترجمہ: "اے اللہ مجھے رزق حلال دے اور مجھے اچھے عمل میں لگائے رکھ"

(ذکرہ السيوطی فی قسم الاقوال من "جمع الجوامع" وعزاه الى الحکيم الترمذی ولفظه عن حنظللة رضی اللہ عنہ

مرفوعًا ما جاء في جبرائيل الامرني بهاتين الدعوتين "اللهم ارزقني طيباً واستعملني صالحاً كذا في كنز العمال" (ج ۱ ص ۲۰۴))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

"اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبُکَ مِنَ الْجَوْعِ فَاِنَّهٗ بئْسَ الضَّجِيعُ و اَعُوْذُبُکَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بئْسَت الْبِطَانَةُ"

جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروئیں بدلتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے بھوک کو رفیق خواب یعنی بستر کا ساتھی کہا گیا اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنے والے کو معلوم ہوتا ہے۔

(اخرجه ابن حبان في صحيحه حديث رقم (۱۰۰۵) واخرجه النسائي في السنن الصغرى باب الاستعاذه من الجوع حديث رقم (۵۴۵۳، ۵۴۵۴) و ابن ماجه باب التعوذ من الجوع حديث رقم (۳۲۳۳) و ابوداؤد باب في الاستعاذه حديث رقم (۱۵۴۸) صحيحه الالباني في "صحيح الجامع الصغير" برقم (۱۴۸۳) وفي "صحيح سنن ابى داؤد (۳/۲۲۲)، و "صحيح النسائي (۳/۲۶۵))

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اصول الرفق (فی الحصول) علی الرزق میں یہ حدیث لکھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کوئی فقر و افلاس کی تکلیف پیش آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کچھ کھجور عطا فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں ایک مقدار میں کھجور کی آپ کو دلوں، اور اگر چاہیں تو ایسے کلمات بتا دوں جو آپ کے لئے اس سے بہتر ہیں، اور وہ کلمات یہ ہیں۔

"اللَّهُمَّ احفظني بالاسلام قاعدًا و احفظني بالاسلام راقدًا و لا تطمع فيّ عدوًا و لا حاسدًا، و اعوذ بك من شرّ ما انت اخذ بنا صيته و اسئلك من الخير الذي بيدك"

(ذكره السيوطي في "اصول الرفق في الحصول على الرزق" وعزاه الى المستغفرى و ابن حبان و الخرائطي في مكارم الاخلاق و كنز العمال ۲/۲۲۰ عن عمر رضي الله عنه)

ابن حبان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا مانگا کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ اِنِّى اَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اَخَذُ بِنا صِيْته و اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِى هُوَ بِيَدِكَ كُلِّه"

یہ دعا بھی اوپر والی دعا کا حصہ ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فقر کی شکایت کی۔

(ابن حبان عن عمر رضي الله عنه)

امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کنوز الحقائق میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا مانگا کرتے تھے:

"اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُوسِ وَالتَّبَآؤُسِ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھے گا اس سے تنگدستی دور ہو جائے اور فراوانی خوشحالی آجائے گی یہاں تک کہ اپنے پڑوسیوں پر بھی بہائے گا۔

(الدر المنثور ۲/۲۷۷)

(ذکرہ المناوی فی "کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق" وعزاه الی الطبرانی (ص ۳۹۳))

"اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مَوْتِ الْهَمِّ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ مَوْتِ الْغَمِّ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُوعِ فَانَّهٗ بئْسَ الضَّجِیْعُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخِیَانَةِ فَانَّهَا بئْسَتْ الْبَطَانَةُ"

ترجمہ: "اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں فکر کی موت سے اور تیری پناہ لیتا ہوں غم کی موت سے اور تیری پناہ لیتا ہوں بھوک سے کیونکہ انسان کے ساتھ یہ بہت بُری بہستر ہے اور تیرہ پناہ لیتا ہوں خیانت سے کیوں کہ یہ اندرونی بُری خلصت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا کیا کرتے تھے:

"اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مَوْتِ الْهَمِّ"

یہ دعا معوذات میں سے ہے جس میں چار اہم ترین امور سے خدا تعالیٰ سے پناہ طلب کی گئی ہے، فکر و غم سے اور بھوک و خیانت سے۔

(ذکرہ السیوطی فی قسم الاقوال من "جمع الجوامع" وعزاه الی ابن النجار عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

لفظہ "اعوذ بک من موت الغم واعوذ بک من موت الهم واعوذ بک من موت الهمدم واعوذ بک من الجوع فانه

بئس الضجیع، واعوذ بک من الخیانه فانها بئست البطانة" کذا فی "کنز العمال" (ج ۱ ص ۱۹۹)

حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے

سنا:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيمِ وَبِاسْمِكَ الْعَظِيمِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ"

(ذكره السيوطي في "الجامع الصغير" وعزاه إلى "كتاب السنة" للطبراني عن عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله عنها

(ج ۱ ص ۱۰۲)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْفَاقَةِ وَالذُّلَّةِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أَظْلَمَ"

ترجمہ: "اے اللہ! میں فقر و فاقہ سے اور ذلت سے اور ظلم بننے سے اور مظلوم بننے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(حسن حصین، بحوالہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

تنگی معاش سے حفاظت کیلئے دعائیں

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْفَاقَةِ وَالذُّلَّةِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أَظْلَمَ"

ترجمہ: "اے اللہ! بیشک میں تیرہ پناہ لیتا ہوں فقر و فاقہ اور ذلت و خواری سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ میں (کسی پر) ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے (کوئی ظلم کرے)۔"

(حسن حصین)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ السَّقَاةِ وَالْبِقَاقِ وَسُوءِ الْآخِلَاءِ"

ترجمہ: "اے اللہ! تو مجھے پناہ دے (آپس کے) جھگڑے (اور فساد) سے اور منافقت سے اور (تمام) بُرے (اور ذیل) اخلاق ہے۔"

(حسن حصین)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عَنَّا وَعَنْ مُوَلَّائِ"

ترجمہ: "اے اللہ! میں اپنے غنا کی اور اپنے (ہر) مددگار کے غنا کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔"

(حسن حصین)

روزی میں وسعت کیلئے دعائیں

"اللَّهُمَّ آعِزِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"

ترجمہ: "اے اللہ! تو میری مدد فرما اپنا ذکر کرنے پر اور اپنا شکر ادا کرنے پر اور اپنی اچھی عبادت کرنے پر۔"

(حسن حصین)

"اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِيَّ وَأَنْقِطَاعِ عُمُرِي"

ترجمہ: "اے اللہ! تو میرے (بڑھاپے) میں اور اخیر عمر میں زیادہ فراخ روزی مجھے عطا فرما۔"

(حسن حصین)

روزی میں برکت کیلئے دعائیں

"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِيَّ وَبَارِكْ لِي فِي رِزْقِي"

ترجمہ: "اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے گھر میں میرے لئے گنجائش عطا فرما اور میرے رزق میں برکت دے۔"

نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اور ابن السنی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کے لیے پانی لے کر حاضر ہوا، آپ نے وضو فرمایا، میں نے آپ کو یہ دعا کرتے سنا: "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي الْخَم" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو اس وقت فلاں دعا مانگتے سنا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا میں نے کوئی بھلائی مانگنے سے چھوڑ دی ہے۔ یعنی دین و دنیا کی تمام بھلائی اس میں مانگ لی ہیں۔ ابن السنی نے اس حدیث پر یہ سرخی باندھی ہے کہ "وضو کرنے والا وضو کے دوران کیا دعا کرے" اور نسائی نے یہ سرخی لگائی ہے کہ "وضو کرنے والا وضو سے فارغ ہو کر کیا دعا کرے" اس حدیث میں دونوں احتمال ہیں۔

(الحسن الا عظم ص ۲۲۳ ذی القعدہ ۹۳۵ ج ۱ ص ۲۲۵)

"اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَحْرِمْنا رِزْقَكَ وَبَارِكْ لَنَا فِي مَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَنَا فِي أَنْفُسِنَا وَجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِي مَا عِنْدَكَ"

ترجمہ: "اے اللہ! ہم کو اپنے فضل سے رزق عطا فرما اور اپنا رزق ہم سے مت روک اور جو رزق تو نے ہم کو عطا فرمایا ہے اس میں ہمیں برکت دے اور ہم کو دل کی تو نگری عطا فرما اور ہمارے دل میں ان نعمتوں کی رغبت ڈال دے جو تیرے پاس ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی علیہ وسلم نے فرمایا جسے خدائے پاک نعمت سے نوازے، الحمد للہ کثرت سے پڑھا کرے اور جسے رنج و غم سے زیادہ سابقہ پڑے وہ استغفار پڑھا کرے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو استغفار کو لازم پکڑے گا اللہ پاک ہر تنگی و پریشانی سے نجات ہر رنج و غم سے چھٹکارا دے گا اور ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اے گمان بھی نہ ہو گا۔

(الحسن الاعظم ص ۵۳۷ دعا ۲۹۹ حوالہ ص ۵۳۸)

قناعت کیلئے دعائیں

"اللَّهُمَّ قَنِّعْنِي بِمَا رَزَقْتَنِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ وَاخْلُفْ عَلَيَّ كُلَّ غَائِبَةٍ لِي بِخَيْرٍ"

ترجمہ: "اے اللہ! جو تو نے ہم کو دیا ہے اس پر قناعت عطا فرما اور اس میں برکت دے اور جو چیز مجھ سے غائب ہے اب میری بجائے تو اس کا نگرال بنجا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکنین کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے: "اللَّهُمَّ قَنِّعْنِي بِمَا رَزَقْتَنِي الْخ"

(الحسن الاعظم ص ۲۷۸ دعا ۱۲۴ فقط حوالہ ص ۲۷۹)

"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي خُلُقِي وَطَيِّبْ لِي كَسْبِي وَقَنِّعْنِي بِمَا رَزَقْتَنِي وَلَا تُدْهِبْ طَلِبِي إِلَى شَيْءٍ صَرَفْتَهُ عَنِّي"

ترجمہ: "اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے اخلاق وسیع کر دے اور میری کمائی پاک کر دے اور جو روزی مجھ کو عطا فرمائے اُس پر قناعت نصیب فرما اور جو چیز تو مجھ سے ہٹا لے تو میرے دل میں اس کی تلاش باقی نہ رکھ"۔

یہ کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پانچ ہزار بکریوں کے مقابلے میں سکھائے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں تمہیں پانچ ہزار بکریاں دے دوں یا ایسے پانچ کلمات سکھا دوں جن سے تمہارا دین اور دنیا دونوں ٹھیک ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ ہزار بکریاں تو بہت زیدہ ہیں لیکن آپ مجھے دو کلمات ہی سکھادیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہو:

"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَوَسِّعْ لِي خُلُقِي النِّم"

(الحسن الاعظم ص ۵۶۲ دُعا ۳۳۳ فقط حوالہ ص ۵۶۲)

"اللَّهُمَّ تَخَيَّرْ لِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ"

ترجمہ: "اے میرے رب بچالے مجھ کو اس بے انصاف قوم سے"۔

حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلا چکے تو تھک ہار کر ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے اور دعا کی کہ اے میرے رب جو خیر بھی میری طرف نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں، حالانکہ اس وقت آپ ایک کھجور کو بھی ترسے ہوئے تھے۔

(الحسن الاعظم ص ۱۵۱ دُعا ۵۳۳ فائدہ ص ۱۵۲)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ"

ترجمہ: "اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں نفع دینے والا علم کشادہ روزی اور ہر بیماری سے پوری شفاء۔"

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مقصد کے لیے پیا جائے پورا ہوتا ہے۔

(ابن ماجہ ۳۲۰، ۳۶۲)

(الحسن الا عظم ص ۲۸۳ ذعا ۱۲۸۸ بمعہ فائدہ)

"اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَأَنْقِطَاعِ عُُمْرِيْ"

ترجمہ: "اے اللہ! میرا سب سے زیادہ فراغت کا رزق میرے بڑھاپے اور میری آخر عمر میں مقدر فرمادے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا روایت کی ہے۔

"اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَأَنْقِطَاعِ عُُمْرِيْ"

بڑھاپے میں اور عمر کے آخری حصے میں رزق کی تنگی زیادہ تکلیف دہ ہو سکتی ہے، کیونکہ آدمی اس وقت دوڑ بھاگ اور جہد و جہد کے قابل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ موت کے قرب کا زمانہ ہوتا ہے، اور یہ مومن کی آرزو ہونی چاہیے کہ اس زمانہ میں آدمی اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری کے لیے دوسری تمام فکروں سے فارغ اور آزاد ہو، اس لیے یہ مسنون دعا ہر مومن کے دل کی دھڑکن ہونی چاہیے۔

(الحسن الا عظم ص ۲۷۳ ذعا ۱۸۷۷ فائدہ ص ۳۷۵)

حلال روزی کے لیے دعائیں

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا حَلَالًا طَيِّبًا"

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ علم جو فائدہ دے اور ایسا عمل جو مقبول ہو اور وہ رزق جو حلال ہو ستھر اہو"۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو فرماتے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا حَلَالًا طَيِّبًا"

(الحصن الاعظم ص ۲۷۸ دۇعا ۲۲۲ احوالہ ص ۲۷۹)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا حَلَالًا طَيِّبًا"

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ علم جو فائدہ دے اور ایسا عمل جو مقبول ہو اور وہ رزق جو حلال ہو سترہ اھو۔"

مسند احمد، سنن ابن ماجہ اور ابن السنی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تو فرماتے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَيِّبًا"

(الحصن الاعظم ص ۳۸۱ دُعَا ۱۹۳ حوالہ ص ۱۹۳)

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي طَيِّبًا وَاسْتَعْمِلْنِي طَيِّبًا

ترجمہ: "اے اللہ مجھے رزق حلال دے اور مجھے اچھے عمل میں لگائے رکھ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی جبریل میرے پاس آئے انہوں نے مجھے ان دو دعاؤں کا کہا۔ رزق حلال اور عمل صالح کرنے کی دعا

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب جمع الجوامع کی قسم اقوال میں حکیم ترمذی کی طرف نسبت کرتے ہوئے روایت ذکر کی کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی تیرے پاس جبرائیل آئے انہوں نے مجھے ان دعاؤں کا کہا یعنی

"اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي طَيِّبًا وَاسْتَعْمِلْنِي صَالِحًا"

ترجمہ: "اے اللہ مجھے رزق حلال دے اور مجھے اچھے عمل میں لگائے رکھ"

(الحسن الاعظم ص ۳۸۹ ذعا ۲۰۰ فائدہ ص ۳۹۰)

تنگ دستی اور افلاس سے نجات کیلئے دعائیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ فَإِنَّهُ يُنْسِي الصَّحِيحُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا يُنْسِي الْإِطْلَاقُ"

جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے بھوک کو رفیق خواب یعنی بستر کا ساتھی کہا گیا اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنے والے کو معلوم ہوتا ہے۔

(الحسن الاعظم ص ۳۲۸ ذعا ۱۵۹ بمعہ فائدہ)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اصول الرفق (فی الحصول) علی الرزق میں یہ حدیث لکھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کوئی فقر و افلاس کی تکلیف پیش آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کچھ کھجور عطا فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں ایک مقدار میں کھجور کی آپ کو دلوادوں، اور اگر چاہیں تو ایسے کلمات بتا دوں جو آپ کے لیے اس سے بہتر ہیں، اور وہ کلمات یہ ہیں۔

"اللَّهُمَّ احْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ قَاعِدًا وَحَفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ رَافِدًا وَلَا تَطْمَعْ فِيَّ عَدُوًّا
عَدُوًّا وَلَا حَاسِدًا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِمْ وَأَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي
بِيَدِكَ"

ابن حبان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعائیں کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِمْ وَأَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي هُوَ بِيَدِكَ
كُلُّهُ"

یہ دعا بھی اوپر والی دعا کا حصہ ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فقر کی
شکایت کی۔

(الحسن الا عظم ص ۳۶۴ ذعنا ۱۸۳ بمعہ فائدہ)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُؤْسِ وَالنَّجَاسِ وَالْأَسْفَلِ"

ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں تنگدستی کی مصیبت سے اور حد سے گزری ہوئی
تنگدستی سے"

امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کنوز الحقائق میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعائیں کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُؤْسِ وَالنَّجَاسِ وَالْأَسْفَلِ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت
سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھے گا اس سے تنگدستی دور ہو جائے گی اور فراوانی خوشحالی آجائے گی یہاں تک کہ اپنے پڑوسیوں
پر بھی بہائے گا۔

(الحسن الا عظم ص ۴۴۴ ذعنا ۲۳۵ بمعہ فائدہ ص ۴۴۶)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مَوْتِ الْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ مَوْتِ الْعَجْزِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ فَإِنَّهُ يُنْسَى الصَّحِيحُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا يُنْسَى الْبِطَانَةُ"

ترجمہ: "اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں فکر کی موت سے اور تیری پناہ لیتا ہوں غم کی موت سے اور تیری پناہ لیتا ہوں بھوک سے کیونکہ انسان کے ساتھ یہ بہت بڑی ہمسٹر ہے اور تیری پناہ لیتا ہوں خیانت سے کیوں کہ یہ اندرونی بُری خصلت ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مَوْتِ الْهَرَمِ

یہ دعا معوذات میں سے ہے جس میں چار اہم ترین امور سے خدا تعالیٰ جل شانہ سے پناہ طلب کی گئی ہے، فکر و غم سے اور بھوک و خیانت سے۔

(الحسن الاعظم ص ۵۲۱ ذی قعدہ ۲۸۳ ہجری قمریہ)

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ بَطَرِ الْغَنِيِّ وَمَذَلَّةِ الْفَقْرِ يَا مَنْ وَعَدَ قَوْلِي وَأَوْعَدَ فَخَفَا عَفْوَ لِمَنْ ظَلَمَ وَأَسَاءَ يَا مَنْ يُسْرِهُ طَاعَتِي وَلَا تُصْرِهُ مَعْصِيَتِي هَبْ لِي مَا يَسُرُّكَ وَاعْفُ عَنِّي مَا لَا يَصُرُّكَ"

ترجمہ: "اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں مالدار کی پر اکڑنے سے اور فقیری کی ذلت سے۔ اے وہ ذات جس نے وعدہ فرمایا تو پورا فرمایا اور عذاب کو کہا تو بخش دیا معاف فرمادے اس شخص کو اس جس نے ظلم کیا ہے اور بُرا عمل کرایا ہے، اے وہ خدا جس کو میری فرمانبرداری خوش کر دیتی ہے اور میری نافرمانی اس کا کچھ بگاڑتی نہیں جو بات تجھ کو خوش کرتی ہے تو مجھ کو عطا فرمادے اور جو بات تیرا کچھ بگاڑتی نہیں تو مجھ کو وہ معاف فرمادے۔"

یہ دعا فر دوس میں (بماثور الخطاب للذیلی) ہے۔ اس دعا میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مالدار پر اکڑنے سے اور فقری کی ذلت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ بڑی اہم دعا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ سے یہ دعا کی ہے کہ جو بات تجھ کو خوش کرتی ہے تو مجھ کو عطا فرمادے۔

(الحسن الا عظم ص ۵۴۵ ذعا ۳۰۴ فائدہ ص ۵۴۶)

باب نمبر نو

انفاق

(دوسروں پر خرچ)

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- پہلی فصل: انفاق کی تعریف اور بنیاد:-
- دوسری فصل: تقسیم مال کے مقاصد:-
- تیسری فصل: انفاق و مال خرچ کرنے کی اہمیت اور اس کے فضائل:-
- چوتھی فصل: بخل کی مذمت:-
- پانچویں فصل: مصاریف انفاق:-
- چھٹی فصل: زکوٰۃ و انفاق کی اہمیت و آداب:-
- ساتویں فصل: مال خرچ کرنے کی مقدار:-
- آٹھویں فصل: انفاق کی مختلف صورتیں:-

پہلی فصل: انفاق کی تعریف اور بنیاد

انفاق کی تعریف

انفاق فی سبیل اللہ کا معنی ہے۔ "اللہ کی راہ میں خرچ کرنا" اس سے مراد یہ ہے کہ خلوص نیت سے اپنی حلال کمائی میں بغیر کسی ذاتی و دنیوی غرض کے ان مصارف پر خرچ کرنا جن پر اللہ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے یا جن پر خرچ کرنا مالک کو پسند ہے۔

انفاق کی بنیاد

اسلام میں مال خرچ کرنے کی بنیاد دنیا کی عارضی زندگی میں محض ذاتی خواہشات اونچے سے اونچے پیمانے پر پورا کرنا نہیں ہے، بلکہ اللہ کی ذات و صفات پر یقین کرتے ہوئے آخرت کی لامحدود کامیابیاں حاصل کرنے کا شوق و ولولہ دل میں لے کر عبادت کے ذریعے اللہ کے لامحدود خزانوں سے فائدہ حاصل کرنا اور اللہ کی خلافت میں اللہ کے بندوں پر اللہ کی رضا کیلئے اپنی جان اور مال خرچ کر کے ان کو ہر طرح کا نفع پہنچانا ہے۔

حصہ اول باب نمبر دو تیسری فصل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق کے دو مقاصد بیان فرمائے ہیں اور وہ "عبدیت اور خلافت" ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت لامحدود خزانوں کے تن تنہا مالک ہیں اور انہوں نے اپنی ذات عالی سے براہ راست نفع اٹھانے کیلئے انسانوں کو اعمال مرحمت فرمائے، چنانچہ ایک مسلمان بندہ عبادت کے ذریعے اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرتا ہے اور اس کے خزانوں سے نفع اٹھانے والا بنتا ہے لیکن وہ ان غیبی خزانوں سے نفع حاصل کر کے سارے کے سارے وسائل محض اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے خرچ نہیں کرتا، بلکہ چونکہ اسے منصب خلافت بھی عطا ہوا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ سے لے کر بندوں کی ضروریات کے پورا کرنے پر خرچ کر رہا ہو۔

اس خرچ کرنے پر اللہ رب العزت اسے اپنا قرب بھی عطا فرمائیں گے اور بندوں کی محبت، جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا "سختی بندہ اللہ سے قریب ہے، نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے اور بلاشبہ ایک بے عالم سختی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار کنجو س سے زیادہ عزیز ہوتا ہے"۔ (ترمذی)

مزید یہ کہ اسے خرچ کا بدل عطا فرمایا جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادہ منقول ہے کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا دعا کرتا ہے اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر۔

(متفق علیہ مشکوٰۃ، بحوالہ فضائل صدقات ص ۷۰)

دوسری حدیث یہ بھی ہے

نیز انفاق یعنی مخلوق خدا پر خرچ کرنے میں افادیت کے مختلف پہلو بھی ہیں:

۱۔ یہ کہ خرچ کرنے والا بارگاہ الہی میں اپنا مالی نذرانہ اس غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا ہے اور اس کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے اس مال کو قربان کرتا ہے،

۲. یہ کہ اس انفاق کے ذریعے اللہ کے ضرورت مند بندوں کی اعانت ہوتی ہے۔
۳. یہ کہ حب مال اور دولت پرستی جو کہ ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، انفاق اس کا علاج اور اس کے مضر اثرات سے نفس کی تطہیر اور تذکیہ کا ذریعہ۔
۴. یہ کہ خرچ کرنے والا جب اپنا مال اللہ کی راہ میں لگاتا ہے تو آخرت کیلئے ذخیرہ بن جاتا ہے، اور آخرت کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہوتا ہے اور جب مال آخرت کی طرف بھیج دیا تو دل بھی آخرت کی طرف لگا رہتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام مال کو اپنی خواہشات پر لگانے کی بجائے اس سے اپنی ضرورتوں کو پورا کر کے (یا اپنی ضرورتوں کو بھی قربان کر کے) باقی کو لے کر اللہ کے راستے میں نکلتے تھے اور لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرتے تھے اس طرح یہ مال انسانوں کی آخرت کی ضرورتوں کے پورا کرنے کا ذریعہ بنا، پھر وہ غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں اور حاجت مندوں کی ضرورتوں پر لگاتے تھے جس سے انسانوں کی دنیاوی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت ان ہی بنیادوں پر فرمائی تھی۔

یہ مبارک حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی ضروریات پر کم سے کم خرچ کرتے تھے اور اس کی بھی ایک مقدار مقرر کر رکھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فتوحات کی کثرت ہوئی تو ان حضرات کی آمدنی بھی بڑھ گئی، لیکن انہوں نے اپنے اخراجات کو نہ بڑھایا، بلکہ سابقہ سطح پر ہی برقرار رکھا، البتہ اضافی مال کو لوگوں پر خرچ کرتے رہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کے ابتدائی سالوں میں سال میں ایک مرتبہ خزانہ خالی کرتے تھے، پھر مہینے میں ایک مرتبہ ایسا کرنے لگے اور آخر عمر میں ہر جمعہ کو خزانہ خالی کرتے تھے، جب صحابہ کرام نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر قیصر و کسری کے خزانوں کو ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔

دوسری فصل: تقسیم مال کے مقاصد

اسلام نے دولت کی تقسیم کا جو نظام مقرر کیا ہے قرآن پر غور کرنے سے اس کے تین مقاصد معلوم ہوتے ہیں:

۱. ایک قابل عمل ترتیب معیشت کا قیام

تقسیم دولت کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے دنیا معیشت کا ایک ایسا نظام نافذ کیا جائے جو فطری اور قابل عمل ہو اور جس میں ہر انسان جبر و تشدد کی بجائے قدرتی طور پر اپنی استعداد، اختیار و پسند کے مطابق خدمات انجام دے تاکہ اس کی خدمات زیادہ مفید مؤثر اور صحت مند ہوں، اور یہ بات مستاجر (مروجہ معاشی اصطلاح میں آجر کہا جاتا ہے) اور اجیر (مزدور) کے صحت مندرشتے اور "رسد و طلب" کی فطری قوتوں کے صحیح استعمال کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے اسلام نے انہیں تسلیم کیا ہے، اسی بات کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں جامع اشارہ فرمایا گیا ہے:

[نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا]

(الزخرف: ۳۲)

ترجمہ: "ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیوی زندگی میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تاکہ ان میں ایک دوسرے سے کام لے سکے"

۲. حق کا حقدار کو پہنچانا

اسلام کے نظام تقسیم دولت کا دوسرا مقصد حق کا حقدار کو پہنچانا ہے لیکن اسلام میں استحقاق کا معیار دوسرے نظام ہائے معیشت سے قدرے مختلف ہے، مادی معاشیات میں دولت کے استحقاق کا صرف ایک راستہ ہوتا ہے اور وہ عمل پیدائش میں شرکت یعنی جتنے عوامل دولت کی پیداوار میں شریک ہوتے ہیں صرف انہی کو دولت کا مستحق سمجھا جاتا ہے، اس کے برخلاف اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دولت اصل اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اس کے استعمال کے قوانین مقرر فرماتا ہے اس لئے اسلام میں دولت کے حق دار صرف عاملین پیدائش ہی نہیں ہوتے، بلکہ ہر وہ شخص بھی دولت کا مستحق ہے جس تک دولت کا پہنچانا اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے لہذا فقراء و مساکین اور معاشرے کے نادار اور بے کس افراد بھی دولت کے حق دار ہیں اس لئے کہ جن عوامل پیدائش پر اولاد دولت تقسیم ہوتی ہے ان کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے لازم کیا ہے کہ وہ ان تک اپنی دولت کا کچھ حصہ پہنچائیں اور قرآنی تصریحات کے مطابق یہ مفلسوں اور ناداروں پر ان کا کوئی احسان نہیں ہیں بلکہ وہ فی الواقعہ دولت کے مستحق ہیں ارشاد ہے:

(وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلَّذِينَ هُمْ وَآلُهُمْ وَآلُهَا لَهُمُ الْكُفْرُ) (النار: ۲۳)

ترجمہ: "اور ان کے اموال میں سائل و محروم کا حق ہے۔"

اس حق کو بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کا حق قرار دیا گیا ہے کھیتوں کے بارے میں فرمایا جاتا ہے:

(وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ) (الانعام: ۱۴۱)

ترجمہ: "اور اس (کھیتی) کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔"

ان دونوں آیتوں میں "حق" کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ استحقاق دولت کا ماخذ صرف عمل پیدائش ہی نہیں ہے، بلکہ مفلس و نادار افراد معاشرہ بھی دولت کے ٹھیک اسی طرح مستحق ہیں جس طرح اس کے اولین مالک۔ غرضیکہ اسلام دولت کو اس طرح تقسیم کرنا چاہتا ہے کہ اس سے تمام عوامل پیدائش کو ان کے عمل کا حصہ بھی پہنچ جائے اور اس کے بعد ان لوگوں کو بھی ان کا حصہ مل جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستحق دولت قرار دیا ہے۔

۳. ارتکاز دولت کی بیج کنی

دولت سمٹنے کی بجائے، معاشرے میں زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر گردش کرے، اور اس طرح امیر و غریب کا تفاوت جس حد تک فطری اور قابل عمل ہو کم کیا جائے، اس سلسلے میں اسلام کا طرز عمل یہ ہے کہ دولت کے جو اولین ماخذ اور دہانے ہیں ان پر اس نے کسی فرد یا جماعت کا پہرہ نہیں بیٹھنے دیا بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو ان سے استفادے کا مساوی حق دیا ہے، کانیں، جنگل، غیر مملوک بنجر زمینیں، جنگل اور پانی کے شکار، خود رو گھاس، دریا و سمندر، مال غنیمت وغیرہ یہ تمام پیدائش دولت کے اولین ماخذ ہیں، ان میں ہر فرد کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان سے اپنے کسب و عمل کے مطابق فائدہ اٹھائے اور اس پر کسی کی اجارہ داری قائم نہ ہو

[كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ وَنِكَاحًا] (الحشر: ۷)

ترجمہ: "تاکہ یہ (دولت) تم میں سے (صرف) مال داروں کے درمیان دائر ہو کر نہ رہ جائے۔"

اس کے بعد جہاں انسانی عمل کی ضرورت پیش آتی ہے اور کوئی شخص اپنے کسب و عمل سے کوئی دولت حاصل کرتا ہے، تو وہاں اس کے کسب و عمل کا احترام کر کے اس کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے، اس میں ہر ایک کو اس کے کسب و عمل کے مطابق حصہ دیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر سورۃ الزخرف کی آیت میں مذکور ہے۔ لیکن درجات کے اس فرق کے باوجود کچھ ایسے احکام دے دیئے گئے ہیں کہ یہ فرق اسی قدر رہے جتنا ایک قابل عمل نظام معیشت کے قیام کیلئے ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ دولت کا ذخیرہ صرف چند ہاتھوں میں سمٹا رہے۔ تقسیم دولت کے ان تین مقاصد میں سے پہلا مقصد اسلامی معیشت کو اشتراکیت سے ممتاز کرتا ہے، تیسرا مقصد سرمایہ دارانہ نظام سے اور دوسرا دونوں ہی سے جدا کرتا ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۸۵ / اسلام کا نظام تقسیم دولت۔ جواہر الفقہ ۲ / ۷۴)

تیسری فصل: انفاق و مال خرچ کرنے کی اہمیت اور اس کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقات میں بانٹ دیا ہے۔ حاکم، محکوم، امیر، غریب، کالے گورے، تاجر، ملازم، مزدور وغیرہ، (یہ تمام طبقات ایک جسم کے مختلف اعضاء کی طرح سے ہیں) ان کی تعمیر اور کامیابی ان مختلف طبقات کے جوڑ میں ہے جیسے آنکھ بدن کے ساتھ ہے تو اس کی قیمت ہے اور بدن سے الگ ہو کر اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اسی طرح جسم کے تمام اعضاء اگر آپس میں مربوط ہیں تو ان کی قیمت ہے ورنہ یہ سب سے بے قیمت ہو جاتے ہیں۔

انسانوں کے مختلف طبقات کے آپس کے جوڑ والے طریقے قرآن کریم نے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے کوئی جوڑ پیدا کرنا چاہے تو پیدا نہیں کر سکتا۔ اللہ والے اعمال میں لگنے سے وہ اپنی قدرت سے جوڑ پیدا کر دیتے ہیں۔

انسان کا مزاج

انسان کا مزاج ہے کہ جو اس سے فائدہ کھینچے اس سے کٹتا ہے اور جو اس کو فائدہ پہنچائے اس سے جڑتا ہے۔ اللہ اور اس کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ بتایا ہے جس پر چل کر ہر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والا بنتا ہے۔ کوئی کسی سے فائدہ کھینچنے والا نہیں ہوتا۔

غریبوں کو بتایا کہ مال والوں کے پاس جو کچھ ہوا اس سے فائدہ اٹھانے کا خیال وہ دل سے نکال دیں اور خود اپنی ذات سے ہر غریب و امیر کو فائدہ پہنچانے والے بن جائیں۔ مال والوں کو بتایا گیا کہ اپنے مال کی ہر قسم غریبوں پر لگائیں اور جب اس کے عوض غریب اپنی جانیں خدمت کے لئے پیش کریں تو مالدار ان سے کہ دیں کہ ہم تم سے کوئی جزا نہیں چاہتے خدا سے لیں گے۔ جب یہ طریقہ چالو ہو گا تو غریبوں سے امیر اور امیروں سے غریب جڑ جائیں گے۔

ایسے ہی حاکموں اور محکموں کو بتایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والے بنیں فائدہ کھینچنے والے نہ بنیں۔ حاکم اپنے اختیارات اور وسائل سے محکموں کو فائدے سہولتیں پہنچائیں ان کی تجارتوں اور زراعتوں میں ان کی مدد کریں اس طرح محکوم عوام سے کہا گیا ہے کہ وہ حکومت والوں سے لینے کی نہ سوچیں بلکہ ان کو اپنے جان و مال سے فائدہ پہنچائیں اور ان کے مسائل میں ان کی مدد کریں، ان کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں۔ ان سے اگر کوتاہیاں ہوں تو درگزر کریں اور اللہ کے حوالہ کریں۔

الغرض!

اسلام کے بتائے ہوئے طریقے میں ہر طبقہ کو دوسروں کو نفع رسانی پر لگایا گیا ہے اور بتایا گیا کہ اپنے جان و مال اور درد و فکر اور جسمانی صلاحیتوں کا زیادہ حصہ دوسروں کے بنانے پر لگاؤ جیسے آنکھ اپنے لئے کم دیکھتی ہے اور جسم اور دوسرے اعضاء کے لئے زیادہ دیکھتی ہے۔ کان اپنے لئے کم استعمال ہوتے ہیں اور باقی اعضاء کے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ دماغ اپنے فائدے کے لئے کم استعمال ہوتا ہے اور یوں کے باقی اعضاء کو فائدے کے لئے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

لیکن یہ سب تب ہی ممکن ہے جب ان مختلف اعضاء کے اندر روح کام کر رہی ہوں۔ اسی طرح مختلف انسانی طبقات ایک دوسرے کی زندگیاں بنانے کے لئے تب ہی استعمال ہوں گے جب ان کے اندر اسلام والے طریقے موجود ہوں گے اگر مختلف طبقات اس کے برعکس دوسروں سے لینے اور کھینچنے کے ذہن کے ساتھ چلیں گے تو پھر سب ہی دوسروں کی زندگیاں توڑنے کے لئے استعمال ہوں گے۔ لینے والے ذہن سے کوئی تعمیر نہیں ہو سکتی، تعمیر تو نفع رسانی اور دوسروں کو دینے والے طریقے ہی سے ہو سکتی ہے۔ اگر دوسروں سے لینے ہی کا ذہن ہو گا تو پھر پھوٹ ہی پھوٹ ہوگی۔ تخریب ہوگی۔ آپس میں نفرتیں، قتل و غارت اور حرص، طمع، ڈاکے چوریاں عام ہوں گی کسی کی زندگی محفوظ نہ ہوگی کسی کے جان و مال محفوظ نہ ہوں گے، انسانی بستیاں جنگل سے زیادہ بدتر حیوانیت کا نمونہ پیش کریں گی۔

آج کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اسلام چلنے والا نہیں ہے۔ صحیح ہے لینے کا ذہن رکھنے والوں میں دینے کا طریقہ کیسے چل سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر چلنا بہت آسان ہے۔ الدین یسر۔ (دین آسان ہے) لیکن اپنے مزاج کے بدل جانے کی وجہ سے اسلام پر چلنا مشکل ہو گیا ہے۔ اپن مزاج کو بدلنے کی بجائے اسلام کی قطع و برید کی جاتی ہے اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دوسروں کو نفع پہنچانے کا مزاج کیسے بنے؟

دوسروں کو نفع رسانی کا ذہن جب ہی بن سکتا ہے اور اپنی چیز دوسروں پر لگانے کا طریقہ تب ہی چالو ہو سکتا ہے جب یہ یقین دل میں اتر جائے کہ دینے والے تو بس اللہ ہی ہیں۔ چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے میں جب اس کی رضا کے مطابق استعمال ہوں گا تو اللہ میرے سب کام بنادیں گے اور نعمتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ اس کی مشق نماز میں ہوگی۔

اسلامی تعلیمات کی یہ خاص صفت ہے کہ ان کو زیر عمل لانے سے تمام طبقات میں جوڑ پیدا ہوتا ہے اور یہ تعلیمات

تاجر خریدار، غریب و امیر اور حاکم و محکوم میں تفرقہ ڈالنے کی بجائے ان میں جوڑ کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اور کیوں نہ ہو کیونکہ جب تاجر دوسروں کے ساتھ تعاون اور خیر خواہی کے جذبے سے لبریز اپنی تجارت سے دوسروں کا بھلا کرنے اور ان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے گا تو اس تاجر کے سارے خریدار اس کے گرویدہ ہو جائیں گے اور اس سے محبت کرنے لگیں گے، یہی نہیں بلکہ مسلمان تاجر کی اسلامی تعلیمات سے مزین تجارت سے متاثر ہو کر قومیں اسلام میں داخل ہو جاتی تھیں، چنانچہ تاریخ میں ہے کہ تابعین کے زمانے میں چند تاجر یمن سے انڈونیشیا تجارت کیلئے گئے تو ان کی اسلام کے مطابق تجارت انڈونیشیا کو اسلام میں داخل کرنے کا سبب بن گئی۔

صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کو کسی بھی شعبہ میں زندہ کیا جائے وہ اس شعبہ کو ضرور متاثر کرتی ہیں اس لئے کہ اسلام نے دوسروں کو نفع پہنچانے کا حکم دیا تو اس اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے مثلاً جب غریب اپنی جان سے مالدار کو اور مالدار اپنے مال سے بھی اور جان سے بھی غریب کو فائدہ پہنچائے گا تو اس کے نتیجے میں ایسے غریب سے سارے مالدار جڑ جائیں گے اور ایسے مالدار سے سارے غریب جڑ جائیں گے۔ حتیٰ کہ مالدار کے مال کے نقصان کے وقت وہ غریب اس کے محافظ بن جائیں گے۔ کیونکہ انکا مفاد اس مال سے مربوط ہو گا۔

اسی طرح اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جو حاکم اپنے محکوموں پر جان و مال لگائے گا تو سارے محکوم اس حاکم کے ساتھ جڑ جائیں گے اور اسے انتخابات کرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ حاکم و محکوم میں، غریب اور امیر، مقامی و مہاجر میں غرضیکہ تمام طبقات میں جوڑ پیدا ہو جائے گا۔

اسلام دوسروں کے مفاد کے لئے اپنی جان و مال کو قربان کرنا سکھاتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام دوسروں کے مفاد کے لئے اپنی جان و مال کو قربان کرتے تھے جبکہ آج اپنے مفاد کے لئے دوسروں کے مال و جان کو قربان کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے زمانے میں خدمت گشت اسی سلسلے کی کڑی تھی جب آپ رات کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں چکر لگاتے اور گشت کرتے تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور جہاں کہیں کسی کو تکلیف ہوتی تو اس کو فوراً وہیں حل کرتے۔ اس سلسلے میں بے شمار واقعات ہیں۔ مثلاً ایک عورت دور مدینے سے باہر ولادت کی حالت میں تھی تو حضرت عمر رضی اللہ اپنے کندھے پر آٹا اور کھجوریں اٹھا کر اور اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر گئے اور اس کی مال، کھانے اور جان سے خدمت کی۔

(ماخوذ از ملفوظات حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ کے پاک کلام اور اس کے سچے رسول سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں مال خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کے فضائل اتنی کثرت سے وارد ہیں کہ حد نہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز ہے ہی نہیں یہ

پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے، نمونے کے طور پر چند آیات اور چند احادیث بمع ترجمہ درج ذیل ہیں:

آیات

۱. [لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ] (سورہ آل عمران رکوع ۱۰)
ترجمہ: "اے مسلمانوں! تم (کامل) نیکی کو حاصل نہ کر سکو گے، یہاں تک کہ اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو (خوب) محبوب ہو۔"

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار میں سب سے زیادہ درخت کھجوروں کے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور ان کا ایک باغ تھا جس کا ناہیر حاء تھا۔ وہ ان کو بہت ہی زیادہ پسند تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے جو بہت ہی بہترین پانی تھا۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانہ، یوں ارشاد فرماتے ہیں [لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ] (سورہ آل عمران رکوع ۱۰) اور مجھے ساری چیزوں میں میر حاء سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے اجر و ثواب کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں، آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو خرچ فرمادیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، واہ واہ بہت ہی نفع کا مال ہے۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا بہتر ہے اور اس کو اپنے چچا زاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔

۲. [وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ] (البقرة: ۱۷۷)

ترجمہ: "(اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص) اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافروں کو (لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو اور (قیدیوں اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو اور نماز کو قائم رکھتا ہو اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو) (کہ اصل کمالات یہ چیزیں ہیں، آیت شریفہ میں بعض اور صفات کا ذکر فرما کر ارشاد ہے) کہ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

۳. [قُلْ لِّلْعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوْا الصَّلَاةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلٰنِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّآئِیَ یَوْمُ لَا یَبْنِعُ فِیْهِ وَاَلَّا یُخْلَلُوْا] (ابراہیم: ۳۱)

ترجمہ: "جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کو قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں خرچ کرتے رہیں پوشیدہ طور سے بھی اور اعلانیہ بھی ایسے دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی۔"

فائدہ: ان دونوں آیتوں صدقہ کو چھپا کر دینا اور کھلم کھلا ظاہر کر کے دینا، دونوں طریقوں کی تعریف کی گئی ہے اور بہت سی احادیث اور قرآن پاک کی آیات میں ریاکی یعنی دکھلاوے کے لئے کام کرنے کی برائی اور اسکو شرک بتایا ہے، اور ثواب کو ضائع کر دینے والا، بلکہ گناہ کو لازم کر دینے والا بتایا ہے۔ اس لئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دکھلاوا اور چیز ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ جو کھلم کھلا کیا جائے وہ ریا ہی ہو، بلکہ ریا یہ ہے کہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے واسطے اپنی شہرت کی واسطے اپنا کمال ظاہر کرنے کے واسطے کوئی کام کیا جائے تو وہ ریا ہے۔ اور جو اللہ جل شانہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کسی مصلحت سے اعلان ہی میں ہو تو وہ ریا نہیں ہے۔ اس کے بعد ہر عمل بالخصوص صدقہ میں افضل یہی ہے کہ وہ انفا کے ساتھ کیا جائے کہ اس میں ریا کا احتمال بھی نہیں رہتا۔ اور صدقہ لینے والے کی ذلت اور اذیت سے بھی امن ہے اور یہ بھی مصلحت ہے کہ اس وقت اگرچہ ریا نہ ہو لیکن جب عام طور سے لوگوں میں سخاوت مشہور ہونے لگے تو عجب اور خود بینی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

۴. [وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ يَحْدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا] (المزمل: ۲۰)

ترجمہ: "اور تم لوگ نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ جل شانہ کو قرض حسنا دیتے رہو اور جو نیکی بھی تم اپنے لئے ذخیرہ بنا کر آگے بھیج دو گے اس کو اللہ جل شانہ کے پاس جا کر اس سے بہت بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے۔"

فائدہ: اس کو اللہ جل شانہ کے پاس جا کر اس سے بہتر پانے کے مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دنیا کی چیزیں خریدنے میں خرچ کیا جاتا ہے یا دنیوی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے اور اس کا بدل دنیا میں ملتا ہے۔ مثلاً ایک روپیہ کے دو سیر گندم دنیا میں ملتے ہیں، آخرت کے بدل کو اس پر قیاس نہیں کرنا چاہئے بلکہ آخر میں جو بدل ان چیزوں ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کی جائیں۔ وہ مقدار کے اعتبار سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی بدرجہا زائد اس بدل سے ہو گا جو دنیا میں اس پر ملتا ہے۔

اگر ایک طیب مال سے نیک نیتی کے ساتھ ایک کھجور بھی صدقہ کی جائے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے ثواب کو احد پہاڑ کے برابر فرما دیتے ہیں۔ کاش اس قدر زیادہ معاوضہ دینے والے کریم کی ہم قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت اس کے یہاں جمع کرتے تاکہ زیادہ سے زیادہ مال بڑی سخت ضرورت کے وقت ہم کو ملتا اور اس کے ساتھ ہی اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ جس قسم کی نیکی بھی تم آگے بھیجو دو گے اس کا معاوضہ ایسا ہی ملے گا۔

احادیث

احادیث بھی اللہ جل شانہ کے پاک کلام کی توضیح اور تفسیر اور تکمیل کے طور پر ہوتی چنانچہ چند احادیث کا ترجمہ بھی لکھا جاتا ہے:-

ا. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میرے پاس احد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اوپر تین دن گزر جائیں اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی ہو بجز اس کے کہ کوئی چیز ادا قرض کے لئے رکھ لی جائے۔

(مشکوٰۃ)

فائدہ: احد کا پہاڑ مدینہ طیبہ کا مشہور پہاڑ ہے جو بہت بڑا پہاڑ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اس کے برابر سونا میرے پاس ہو تو میری خواہش یہ ہے کہ تین دن کے اندر اندر اس سب کو تقسیم کر دوں۔ کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھوں۔ تین دن کی قید نہیں ہے اس لئے ذکر فرمایا کہ اتنی بڑی مقدار کے خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ وقت تو لگے ہی گا۔ البتہ اگر قرض ذمہ ہو اور جس کو دینا ہے وہ اس وقت موجود نہ ہو تو اس کو ادا کرنا چونکہ صدقہ سے مقدم ہے اسلئے اسکے ادا کرنے کیلئے کچھ روکنا اور محفوظ رکھنا پڑے تو دوسری بات ہے۔ اس حدیث میں جہاں ایک جانب کثرت سے صدقہ کی ترغیب ہے، دوسری جانب اس سے زیادہ اہمیت قرضہ ادا کرنے کی ثابت ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصی عادت شریفہ تھی کہ ذخیرہ رکھنے کا وہاں گذر ہی نہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص خادم، ہر وقت کے مشہور خدمت گزار ہیں فرماتے ہیں کہ حضور کل کے لئے کوئی چیز ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

ب. حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ ہی سے دوسری حدیث میں ہے کہ حضور کی خدمت میں ہدیہ میں کہیں سے تین پرندے آئے۔ ان میں سے ایک حضور نے اپنے خادم کو مرحمت فرما دیا۔ دوسرے دن وہ خادم اس پرندے کو لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں منع نہیں کر رکھا کہ کل کے واسطے کوئی چیز نہ رکھو کل کی روزی اللہ جل شانہ خود مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ حضور کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں بعض مرتبہ دوباری کو محض اس لئے دیکھنے جاتا ہوں کہ کہیں اس میں کوئی چیز پڑی نہ رہ جائے اور میری موت اس حال میں آجائے کہ وہ میرے پاس ہو۔

(الترغیب والترہیب)

ت. حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کی دونوں طرف دو فرشتے اعلان کرتے ہیں جس کو جن وانس کے سب سنتے ہیں کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو، تھوڑی چیز جو کفایت کا درجہ رکھتی ہو اس زیادہ مقدار سے بہت بہتر ہے جو اللہ سے غافل کر دے۔ اور

جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے زور سے دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر (یعنی بروایت احمد) ایک حدیث میں ہے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے آواز دیتے ہیں کہ یا اللہ خرچ کرنے والے کا بدل جلدی عطا فرما اور یا اللہ روک کر رکھنے والے کے مال کو جلدی ہلاک فرما۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں، جن کے متعلق صرف یہی کام ہے کوئی دوسرا کام نہیں، ایک کہتا رہتا ہے، یا اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے یا اللہ روک کر رکھنے والے کو ہلاکت عطا فرما (کنز)۔

ث. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو، اس لئے کہ بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔

فائدہ: یعنی اگر کوئی بلا و مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو صدقہ کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے پاک کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دعا سے استقبال کرو (الترغیب والترہیب)۔ کنز العمال میں کئی احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کیا کرو، اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ صدقہ کی کثرت بیماری سے شفاء ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے بیماروں کا علاج کیا کرو کہ صدقہ آبرو ریزیوں کو بھی ہٹاتا ہے اور بیماریوں کو بھی ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا ستر بلاؤں کو روکتا ہے جن میں سے کم سے کم درجہ جذام کی اور برص کی بیماری ہے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے تفکرات اور غموں کی تلافی صدقہ سے کیا کرو، اس سے حق تعالیٰ شانہ تمہاری مضرت کو بھی دفع کرے گا اور تمہاری دشمن پر مدد کرے گا (کنز)۔ ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے تو جب تک پہننے والے کے بدن پر ایک بھی ٹکڑا اس کپڑے کا رہے گا پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔ ابن ابی الجعد کہتے ہیں کہ صدقہ برائیوں کے ستر دروازے بند کرتا ہے۔ (احیاء)۔ ایک حدیث میں ہے کہ صبح کو سویرے سویرے صدقہ کر دیا کرو اس لئے کہ بلا صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی۔

(الترغیب والترہیب)

ج. حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ اللہ جل شانہ کے غصہ کو دور کرتا ہے اور بری موت کو ہٹاتا ہے۔

(مشکوٰۃ)

علماء نے لکھا ہے کہ صدقہ مرنے کے وقت شیطان کے وسوسہ سے محفوظ رکھتا ہے اور مرض کی شدت کی وجہ سے ناشکری کے الفاظ سے حفاظت کرتا ہے اور ناگہانی موت کو روکتا ہے۔ غرض حسن خاتمہ کا معین ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے

کہ صدقہ قبر کی گرمی کو زائل کرتا ہے اور آدمی قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہو گا (کنز)۔ یعنی جتنا زیادہ صدقہ کرے گا اتنا ہی زیادہ سایہ ہو گا۔

ح. حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے ایسا عمل بتا دیجئے، جو جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے بہت بڑی بات پوچھی اور وہ بہت آسان چیز ہے جس پر اللہ جل شانہ آسان کرے اور وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی اخلاص سے عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضان المبارک کے روزے رکھو اور بیت اللہ شریف کا حج کرو، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں خیر کے دروازے بتاؤں (یعنی جن دروازوں سے آدمی خیر تک پہنچتا ہے) اور وہ یہ ہیں روزہ ڈھال ہے (یعنی جیسا ڈھال کی وجہ سے آدمی دشمن کے حملہ کو روکتا رہتا ہے اسی طرح روزہ کے ذریعہ شیطان کے حملوں کو روکتا ہے) اور صدقہ خطاؤں کو ایسا بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصہ میں نماز (بھی ایسی ہی چیز ہے)۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی "تتجافی جنوبہ"۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو سارے کام کا سر اور اس کا ستون اور اس کی بلندی بتاؤں۔ سب کا سر تو اسلام ہے (کہ اس کے بغیر تو کوئی چیز معتبر ہی نہیں) اور اس کا ستون نماز ہے (کہ جیسا بغیر ستون کے مکان کا باقی رہنا مشکل ہے ایسے ہی بغیر نماز کے اسلام کا بقا مشکل ہے) اور اس کی بلندی جہاد ہے (یعنی جہاد سے اس کی بلندی ملتی ہے)۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کی جڑ بتاؤں (جس پر ساری بنیاد قائم ہوتی ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اس پر بھی پکڑے جائیں گے جو کچھ بات چیت زبان سے کر لیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ کو تری ماں روئے اے معاذ! کیا آدمیوں کو ناک کے بل اوں دھے منہ جہنم میں زبان کے علاوہ اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے۔

(مشکوٰۃ)

خ. حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد ایک بات خاص طور سے تمہیں بتاؤں گا، اس کو اچھی طرح محفوظ رکھنا۔ وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں، ان میں سے:

- اول یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔

- اور دوسری یہ ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ اس صبر کی وجہ سے اس کی عزت بڑھاتے ہیں
- اور تیسری یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھلے گا حق تعالیٰ شانہ اس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں۔

ان تین کے بعد اک بات تمہیں بتاتا ہوں اسکو محفوظ رکھو، وہ یہ ہے کہ دنیا میں چار قسم کے آدمی ہوتے ہیں:

- ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے علم بھی عطا فرمایا اور مال بھی عطا فرمایا وہ (اپنے علم کی وجہ سے) اپنے مال میں اللہ سے ڈرتا ہے (کہ اس کی خلاف مرضی خرچ نہیں کرتا بلکہ) صلہ رحمی کرتا ہے اور اللہ کے لئے اس مال میں نیک عمل کرتا ہے، اس کے حقوق ادا کرتا ہے یہ شخص سب سے اونچے درجوں میں ہے۔
- دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہ نے علم عطا فرمایا اور مال نہیں دیا۔ اس کی نیت سچی ہے وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تا تو میں بھی فلاں کی طرح سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتا تو حق تعالیٰ شانہ اس کی نیت کی وجہ سے اس کو بھی ثواب دیتا ہے جو پہلے کا ہے، اور یہ دونوں ثواب میں برابر ہو جاتے ہیں۔
- تیسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہ نے مال عطا کیا مگر علم نہیں دیا وہ اپنے مال میں گڑبڑ کرتا ہے (بے محل لہو و لعب اور شہوتوں میں خرچ کرتا ہے) نہ اس مال میں اللہ کا خوف کرتا ہے نہ صلہ رحمی کرتا ہے نہ حق کے موافق خرچ کرتا ہے۔ یہ شخص (قیامت میں) خبیث ترین درجہ میں ہو گا۔
- چوتھا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہ نے نہ مال عطا کیا نہ علم دیا۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو میں بھی فلاں (یعنی نمبر ۲) کی طرح خرچ کروں

تو اس کو اس کی نیت کا گناہ ہو گا اور وبال میں یہ اور نمبر ۲ برابر ہو جائیں گے۔

(مشکوٰۃ براویۃ الترمذی و قال حدیث صحیح)

- د. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور جب کوئی شخص صدقہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ جل شانہ کے پاک ہاتھ میں جاتا ہے (یعنی قبول ہوتا ہے) اور جو شخص ایسی حالت میں دست سوال بڑھاتا ہے کہ بغیر سوال کے اس کا کام چل جاتا ہو تو حق تعالیٰ شانہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

(الترغیب والترہیب)

- ذ. حضرت قیس بن سلع انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی کہ یہ بہت اسراف کرتا ہے اور اپنے مال کو بے جا خرچ کرتا ہے میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ میں باغ میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہوں اور اللہ کے راستہ میں بھی خرچ کرتا ہوں اور جو مجھ سے ملنے آتے ہیں ان کو بھی

کھلاتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر تین بار فرمایا، کہ خرچ کیا کر، اللہ جل شانہ تجھ پر خرچ فرمائیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں ایک سفر جہاد میں چلا تو میرے پاس سواری بھی اپنی تھی اور اپنے سب گھر والوں سے زیادہ ثروت مجھے حاصل تھی۔ (الترغیب والترہیب)۔ یعنی جو لوگ بڑی احتیاط کے ساتھ خرچ کرتے تھے، ان کے پاس اتنا نہ تھا جتنا مجھ بے دریغ خرچ کرنے والے کے پاس تھا۔

ر. حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، قبل اس کے تمہیں موت آجائے اور نیک کاموں میں جلدی کرو اس سے پہلے کے تم ادھر ادھر مشغول ہو جاؤ، اور اپنے اور اللہ جل شانہ کے درمیان تعلقات کو جوڑ لو، اس کا ذکر کثرت سے کر کے اور مخفی اور علانیہ صدقہ بہت کثرت سے دے کر کہ اس کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا تمہاری مدد کی جائے گی تمہارے نقصان کی تلافی کی جائے گی (الترغیب والترہیب)۔

ز. ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعہ رزق پر مدد چاہو، دوسری حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعہ سے رزق اتارو (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے مال میں زیادتی ہوتی ہے۔

(کنز)

س. حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں ان چیزوں پر قسم کھاتا ہوں۔ اول یہ کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اس لئے خوب صدقہ کیا کرو، دوسرے یہ کہ جس بندہ پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس کو معاف کر دے تو حق تعالیٰ شانہ قیامت میں اس کی عزت بڑھاتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ نہیں کھولتا کوئی بندہ سوال کے دروازہ کو مگر حق تعالیٰ شانہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

(الترغیب والترہیب)

ش. حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا پس صدقہ کیا کرو (دراول)۔ کم نہ ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کا نعم البدل بہت جلد عطا فرماتے ہیں۔

ص. حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ مشہور بزرگ ہیں ان کی بیوی ایک مرتبہ آٹا گوندھ کر برابر کے گھر سے آگ لینے گئیں پیچھے کوئی سائل آگیا، حضرت حبیب رحمہ اللہ نے وہ آٹا اس سائل کو دے دیا، یہ جب آگ لے کر آئیں تو آٹا نثار دے، خاوند سے پوچھا، آٹا کیا ہوا، وہ کہنے لگے کہ وہ روٹی پکنے گیا ہے۔ ان کو یقین نہ آیا، اصرار کرنے لگیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو میں نے صدقہ کر دیا، کہنے لگیں، سبحان اللہ تم نہ اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اتنا ہی آٹا تھا، اب سب کیا کھائیں گے، آخر ہمارے لئے بھی تو کچھ چاہئے تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک آدمی بڑے پیالہ میں گوشت اور روٹیاں لے کر حاضر

ہوا، کہنے لگیں، کیسے جلدی پکالائے اور سالن اضافہ میں ساتھ لائے (روض)۔ اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں مگر ہم چونکہ اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے اس لئے غور بھی نہیں کرتے کہ یہ نعمت کس چیز کے بدلہ میں ملی۔ ایسی چیزوں کو سمجھتے ہیں کہ اتفاقاً فلاں چیز مل گئی ورنہ کیا ہوتا، حالانکہ وہ چیز آئی ہی ہے خرچ کرنے کی وجہ سے۔

ض۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ (خوب) خرچ کیا کر اور شمار نہ کر (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جل شانہ بھی تجھ پر شمار کرے گا اور محفوظ کر کے نہ رکھ (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جل شانہ تجھ پر محفوظ کر کے رکھے گا۔ (یعنی کم عطا کرے گا) عطا کر جتنا بھی تجھ سے ہو سکے۔

فائدہ: یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پاک حدیث میں کئی نوع سے خرچ کے زیادہ کرنے کی ترغیب ارشاد فرمائی، اول تو خوب خرچ کرنے کا صاف صاف حکم ہی فرمایا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ خرچ وہی پسندیدہ ہے جو شریعت مطہرہ کے موافق اللہ کی رضا کی چیزوں میں کیا جائے۔ شریعت کے خلاف خرچ کرنا موجب ثواب نہیں، وبال ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شمار کرنے کی ممانعت فرمائی جو پہلے ہی مضمون کی تاکید ہے۔ اس کے علماء نے دو مطلب ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ گننے سے مراد گن گن کر رکھنا اور جمع کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تو گن گن کر رکھے گی تو اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا میں بھی تنگی آجائے گی جیسا کرنا دیا بھرنا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ فقراء کو مدینے میں شمار نہ کر، تاکہ اللہ جل شانہ کی طرف سے بدلہ اور ثواب بھی بے حساب ملے۔ اس کے بعد پھر اس مضمون کو اور زیادہ مؤکد فرمایا کہ محفوظ کر کے نہ رکھ، اگر تو اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے بجائے محفوظ کر کے رکھے گی تو اللہ جل شانہ بھی اپنی عطا اور احسان و کرم کی زیادتی کو تجھ سے روک لے گا، اس کے بعد اس کو اور زیادہ مؤکد کرنے کو ارشاد فرمایا کہ جتنا تجھ سے ہو سکے خرچ کیا کر یعنی کم و زیادہ کی پرواہ نہ کیا کر، نہ یہ خیال کیا کر کہ اتنی بڑی مقدار مناسب نہیں، نہ یہ سوچا کر کہ اتنی ذرا سی چیز کیا دوں جو اپنی طاقت اور قدرت میں ہو اس کے خرچ کرنے میں دریغ نہ کیا کر۔

ط۔ دوسری احادیث میں کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جہنم کی آگ سے صدقہ کے ساتھ اپنا بچاؤ اور اپنی حفاظت کرو، چاہے کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو کہ وہ بھی جہنم کی آگ سے حفاظت کا سبب ہے۔

ظ۔ بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اپنی تو کوئی چیز اب ہے نہیں، صرف وہی ہوتا ہے جو (میرے خاوند) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دے دیں، کیا اس میں سے صدقہ کر دیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کیا کر اور برتن میں محفوظ کر کے نہ رکھا کر (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جل شانہ بھی تجھ سے (اپنی عطا کو) محفوظ فرمالے گا۔

اس حدیث پاک میں اگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دینے سے مراد ان کا حضرت اسماء کو مالک بنادینا ہے تب تو یہ مال حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ہو گیا وہ جس طرح چاہیں اپنے مال کو خرچ کریں ان کو اختیار ہے، اور اگر اس سے مراد گھر کے اخراجات کے واسطے دینا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طبیعت سے اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان کو صدقہ کرنے میں گرانی نہیں ہوتی۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب اور تاکید فرمائی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ جب اپنے عرش پر جلوہ فرماتا تھا تو اس نے اپنے بندوں کی طرف (کرم کی) نظر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بندو! تم میری مخلوق ہو میں تمہارا پروردگار ہوں تمہاری روزیاں میرے قبضہ میں ہیں تم اپنے آپ کو ایسی چیز کے اندر مشقت میں نہ ڈالو جس کا ذمہ میں نے لے رکھا ہے، اپنی روزیاں مجھ سے مانگو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ اور بتاؤں تمہارے رب نے کیا کہا، یہ کہا کہ اے بندے! تو لوگوں پر خرچ کروں گا اور تو لوگوں پر فراخی کر میں تجھ پر فراخی کروں گا، تو لوگوں پر خرچ میں تنگی نہ کرتا کہ میں تجھ پر تنگی نہ کروں، تو لوگوں سے (بچا کر) باندھ کر نہ رکھتا کہ میں تجھ سے باندھ کر نہ رکھوں، تو خزانہ جمع کر کے نہ رکھتا کہ میں تیرے (نہ دینے) پر جمع کر کے نہ رکھ لوں رزق کا دروازہ سات آسمانوں کے اوپر سے کھلا ہوا ہے جو عرش سے ملا ہوا ہے، وہ نہ رات کو بند ہوتا ہے نہ دن میں اللہ جل شانہ اس دروازہ سے ہر شخص پر روزی اتارتا رہتا ہے، اس شخص کی نیت کے بقدر اس کی عطا کے بقدر اس کے صدقہ کے بقدر اس کے اخراجات کے بقدر اس کو عطا فرماتا ہے، جو شخص زیادہ خرچ کرتا ہے اس کے لئے زیادہ اتاراجاتا ہے، جو کم خرچ کرتا ہے اس کیلئے کمی کر دی جاتی ہے اور جو روک کر رکھتا ہے، اس سے روک دیا جاتا ہے زبیر! خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ اور باندھ کر نہ رکھو کہ تم پر باندھ کر رکھ دیا جائے اور شمار نہ کرو کہ تم پر بھی شمار کیا جائے، تنگی نہ کرو کہ تم پر بھی تنگی کر دی جائے، مشقت میں (لوگوں کو) نہ ڈالو! کہ تم پر مشقت ڈال دی جائے۔

اے زبیر! اللہ جل شانہ خرچ کرنے کو پسند کرتا ہے اور تنگی کو ناپسند کرتا ہے، سخاوت (اللہ جل شانہ کے ساتھ) سے ہوتی ہے اور بخل شک سے پیدا ہوتا ہے، جو شخص (اللہ جل شانہ کے ساتھ کامل) یقین رکھتا ہے وہ جہنم میں داخل نہ ہو گا اور جو شک کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہ ہو گا، زبیر! اللہ شانہ سخاوت کو پسند کرتا ہے چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ بہادری کو پسند کرتا ہے، چاہے سانپ اور بچھو ہی کے مارنے میں کیوں نہ ہو۔

(فضائل صدقات ص ۹۷)

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی ترغیبات پر جان و دل سے فدا ہوتے تھے، اور اگر کسی شخص کو خصوصی ترغیب و نصیحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے تو اس کی قدر دانی کا تو پوچھنا ہی کیا۔

سینکڑوں نہیں ہزاروں واقعات اس کے شاہد ہیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی کیا، ان سب حضرات کا ایک ہی ساحل تھا۔ ان حضرات کے یہاں مال رکھنے کی چیز تھی ہی نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی میں چار سو دینار (اشرفیاں) بھریں اور غلام سے فرمایا کہ یہ ابو عبیدہ کو دے آؤ کہ اپنی ضروریات میں خرچ کر لیں اور غلام سے یہ بھی فرمادیا کہ ان کو دینے کے بعد وہیں کسی کام میں مشغول ہو جانا تاکہ دیکھو کہ وہ ان کو کیا کرتے ہیں، وہ غلام لے گئے اور جا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی دعائیں دیں اور اپنی باندی کو بلایا اور اس کے ہاتھ سے سات فلاں کو اور پانچ فلاں کو، اتنے اس کو اس اتنے اس کو، اسی مجلس میں سب ختم کر دیئے، غلام نے واپس آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قصہ سنایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی ہی مقدار ان کے ہاتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجی اور اس وقت بھی یہی کہا کہ وہاں کسی کام میں لگ جانا تاکہ یہ دیکھوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی باندی کے ہاتھ اسی وقت فلاں گھرا تے فلاں گھرا تے بھیجنے شروع کر دیئے، اتنے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی آنیں کہ ہم بھی تو مسکین اور ضرورت مند ہیں کچھ ہمیں بھی دے دو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی ان کے پاس پھینک دی، اس میں دو باقی رہ گئی تھیں، باقی سب تقسیم ہو چکی تھیں۔ غلام نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قصہ سنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں یعنی سب ایک ہی نمونہ کے ہیں۔

(الترغیب والترہیب)

(دوسری فصل کا اوپر مذکور یہ مضمون فضائل صدقات سے لیا گیا ہے)

مال خرچ کرنے کے معاشرتی فائدے

انفاق سے معاشرے کو درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

❖ مال و دولت کا عدم ارتکاز

مال چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرکّز ہونے کی بجائے معاشرے کے تمام افراد میں گردش کرتا اور تمام ضرورت مندوں تک پہنچتا ہے، جس سے معاشرے کے کمزور و ضعیف لوگوں کی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے اسلامی معاشرے میں بھوکے بچے تو درکنار، کوئی مستحق زکوٰۃ بھی نہیں ملتا تھا۔

❖ ضرورت مندوں کی مالداروں سے محبت

جب ضرورت مندوں کی ضروریات مالداروں سے پوری ہوتی ہیں تو ان کے دلوں میں مال والوں کی محبت آتی ہے اور وہ ان سے حسد، نفرت، کینہ رکھنے کی بجائے، ان سے محبت کرنے والے اور ان کے محافظ اور ان کے مفاد کے رکھوالے بن جاتے ہیں۔

جاتے ہیں، کیونکہ ان سے ان کی ضروریات و مفادات پورے ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی دشمن اب ان مالداروں کے مفادات کو نقصان پہنچانا چاہے گا تو وہ ان کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ان کے مال و جان کی حفاظت کریں گے۔

❖ مالداروں کی مال سے بے رغبتی

افراد معاشرہ کے دل میں مال کی محبت اور اسے جمع کرنے کا شوق ختم ہوتا ہے، جس سے سخاوت فیاضی جیسی صفات میں اضافہ ہوتا ہے، اور افراد معاشرہ ایک دوسرے کے معاون بننے ہیں جس سے بہت سی برائیوں کے جنم لینے کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔

❖ معاشرے میں ایک دوسرے کی ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ

جب سب افراد معاشرہ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں تو معاشرے میں محبت ایثار، خیر خواہی، ہمدردی، ایک دوسرے کے کام آنے جیسی صفات میں اضافہ ہوتا اور ایک دوسرے کیلئے قربانی کے نقشے قائم ہوتے ہیں، جس سے معاشرہ فلاحی ورفاہی معاشرہ بن کر تیزی سے ترقی کرتا ہے۔ ابھی مسلمان نے انفاق فی سبیل اللہ کی وہ شکلیں اختیار نہیں کیں ہیں جو کہ صحابہ کرام کے زمانے میں اعلیٰ پیمانے پر تھیں لیکن ان کمزور شکلوں کے باوجود اس اثرات دیکھنے میں آتے ہیں جس سے وہ معاشرے بہت متاثر ہوتے ہیں جن کے پاس ایسے انفاقی شکلیں نہیں ہیں اور نہ انہیں اس کا تصور ہے، گزشتہ سالوں میں پاکستان کے شمالی علاقوں میں شدید زلزلہ آیا، کافی تباہی ہوئی، لیکن اس سے قبل کہ عالمی یا مقامی حکومتی و سرکاری ادارے حرکت میں آئیں پاکستانی عوام تاجر و مخیر حضرات نے ملک کے ایک ایک محلہ و شہر سے خود جاکر متاثرین زلزلہ کی مدد کرنے کے وہ نقشے قائم کیے جنہیں موجودہ ترقی یافتہ دور نے بہت کم دیکھا ہوگا، عوام نے امدادی کام میں قربانی و انفاق اور امداد کی وہ شکلیں قائم کیں جنہیں عالمی ذرائع ابلاغ پر دیکھ کر دنیا و طہی حیرت میں مبتلا ہو گئی کہ مسلمان کیسے ایک دوسرے کی تکلیف میں کام آتا اور دوسرے کیلئے قربانی دیتا ہے، جبکہ ترقی یافتہ ملکوں میں تو امدادی کام صرف حکومتی ریسکیو ادارے کرتے ہیں، عوام دور سے دیکھتے رہتے ہیں۔

قوموں کے اموال انسانوں میں سے اہل انفاق کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں قدرت کی طرف سے انفاق و خرچ کرنے والے مالداروں کو، نہ خرچ کرنے والے اور جمع کر کے اپنے اوپر لگانے والے غیروں کے اہل ثروت و حکومت کے اموال ملنے لگتے ہیں، کیونکہ اس سے غریبوں کی ضروریات اور ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔

❖ دنیا میں دس گنا اور آخرت میں ستر گنا اور اس سے بھی زیادہ ہو کر واپس ملتا ہے۔

خرچ کیا ہوا مال کم از کم دس گنا بڑھ کر دنیا میں اور ستر گنا بڑھ کر آخرت میں خرچ کرنے والے کو ملتا ہے،

[وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ] (البقرہ: ۲۶۱)

ترجمہ: "اور اللہ جس کے لئے چاہیں کئی گنا بڑھادیں۔"

اگر مسلمان انفاق فی سبیل اللہ کی اعلیٰ شکلیں اختیار کر لے تو اسے خود کتنا فائدہ حاصل ہوگا، جس کا یہ ابھی تصور بھی نہیں کر سکتا، مثلاً انسان اپنے بیوی، بچوں پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے گھر کے کمزور افراد ہیں، جس کے نتیجے میں اسے کتنے فوائد حاصل ہوتے ہیں کبھی اس نے ان کی قیمت لگائی ہے، اس کے جواب میں اس کی بیوی اس کی خدمت کرتی ہے، کھانا بناتی، کپڑے دھوتی، بچوں کو پالتی، اس کا بیٹا اس کے کام کرتا، خدمات سرانجام دیتا، اس کی بیٹیاں اس کی خدمت کر کے اس کے کتنے مالی فوائد مہیا کرتے ہیں ان سب کا اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس انسان نے ان پر خرچ کم کیا ہے اور اسے اس سے کئی گنا زیادہ مل گیا ہے اور اس کے بڑھاپے میں یہ اس کے کام آئیں گے وہ الگ ہے۔

جیسے گھر کے کمزور افراد کی مالی ضروریات پوری کر کے خدمت کرنا اسلام نے صاحب خانہ کے ذمہ لگایا ہے اسی طرح اسلام نے معاشرے کے تمام کمزوروں کی مالی ضروریات کا پورا کرنا ان مالداروں کے ذمہ لگا دیا ہے، جو اپنی استطاعت سے مال نہیں کما سکتے، اس کے جواب میں معاشرہ ان مالداروں کی ایسی ایسی خدمات سرانجام دیتا ہے، جو مالدار اپنے پیسے سے حاصل نہیں کر سکتے۔

❖ خرچ کرنے سے مال پر ہلاکت سے بچاؤ

خرچ کرنے والے کا مال ہلاکت و بربادی سے بچ جاتا ہے، فرشتہ دعا کرتا ہے "اللهم اعط منفقاً خلفاً" اے اللہ خرچ کرنے والے کے مال کے بدلے میں اور مال دے تو اسے کئی ذرائع سے اور کئی گنا زیادہ ملتا ہے اور "اللهم اعط ممسکاً تلفاً" اے اللہ بچا کر رکھنے والے کے مال کو ضائع کر دے، تو بینکوں میں پڑا پڑا ہی کم قیمت (ڈی ویلیو) ہو کر یا بینک کے افلاس (بینک کرپٹ) ہو کر یاد ہو کہ و فراڈ سے چھن کر ضائع ہو جاتا ہے۔

چوتھی فصل: بخل کی مذمت

اوپر دوسری فصل میں جتنی آیات اور احادیث اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گزر چکی ہیں ان سے خود ہی یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جب اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے اتنے فضائل و فوائد اور خوبیاں ہیں تو جتنی اس میں کمی ہوگی یہ منافع حاصل نہ ہوں گے۔ یہ خود ہی کافی مذمت انتہائی نقصان ہے، لیکن اللہ جل شانہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ اور اہتمام کی وجہ سے بخل اور مال کو روک کر رکھنے پر خصوصی وعیدیں بھی ارشاد فرمائی ہیں جو اللہ کا انعام اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر انتہائی شفقت ہے کہ اس نے اس مہلک مرض پر خاص طور سے بہت سی تنبیہ فرمادی۔ قرآن وحدیث میں ہر مضمون نہایت ہی کثرت سے ذکر کیا گیا ہے اور مختلف عنوانوں سے ہر خیر کے کرنے پر ترغیب اور ہر برائی سے رکنے پر تنبیہ کی گئی، کسی ایک مضمون کا احاطہ بھی دشوار ہے، نمونہ کے طور پر اس کے متعلق بھی چند آیات اور چند احادیث لکھی جاتی ہیں۔

۱. [وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ] (البقرة: ۱۹۵)

ترجمہ: "تم لوگ اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

فائدہ: اس آیت شریفہ میں اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنا قرار دیا ہے جیسا کہ پہلے مفصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جا چکا ہے، کون شخص ہے جو اپنی تباہی اور بربادی چاہتا ہو، مگر کتنے آدمی ہیں جو یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے، اس سے بچتے ہیں اور مال کو جوڑ جوڑ کر نہیں رکھتے۔ اس کے سوا کیا ہے کہ غفلت کا پردہ ہم لوگوں کے دلوں پر پڑا ہوا ہے اور اپنے ہاتھوں ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے جا رہے ہیں۔

۲. [وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ ۖ بِمَا أَنَاءَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُمْ خَيْرٌ ۖ اللَّهُمَّ بَلْ هُمْ شَرٌّ لَّكُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا

بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَاللَّهُ يَبْخُلُونَ ۖ بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ خَيْرٌ] (آل عمران: ۱۸۰)

ترجمہ: "ہر گز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بات (یعنی بخل کرنا) ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی (ہر گز نہیں) بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت بری ہوگی اس لئے کہ وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس کے ساتھ بخل کیا تھا (یعنی سانپ بنا کر ان کی گردنوں میں ڈال دیا جائے گا) اور اخیر میں آسمان وزمین (اور جو کچھ کے اندر ہے، لوگوں کے مرجانے کے بعد) اللہ ہی کا رہ جائے گا (تم اپنے ارادہ سے اس کو دے دو تو ثواب بھی ہو ورنہ ہے تو اسی کا) اور اللہ جل شانہ تمہارے سارے اعمال سے خبردار ہیں۔"

بخاری شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ جس شخص کو اللہ جل شانہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ (جس کے زہر کی کثرت اور شدت کی وجہ سے اس کے سر کے بال بھی جاتے رہے ہوں) بنایا جائے گا۔ جس کے منہ کے نیچے دو نقطے ہوں گے (یہ بھی زہر کی زیادتی کی علامت ہے) اور وہ سانپ اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا جو اس شخص کے دونوں جڑے پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔

(مکلوۃ)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ کافروں کے بارے میں اور اس مومن کے بارے میں جو اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتا ہو، نازل ہوئی ہے، مگر مہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مال میں جب اللہ جل شانہ کے حقوق ادا نہ ہوتے ہوں تو وہ مال گنجا سانپ بن کر قیامت میں اس کے پیچھے لگ جائے گا اور وہ آدمی اس سانپ سے پناہ مانگتا ہو گا۔

حجر بن بیان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو ذی رحم اپنے قریبی رشتہ دار سے اس کی ضرورت سے بچے ہوئے مال سے مدد مانگے اور وہ مدد نہ کرے اور بخل کرے تو وہ مال قیامت کے دن سانپ بنا کر اس کو طوق پہنا دیا جائے گا اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا۔ مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ اس شخص کے بارے میں ہے، جس کو اللہ جل شانہ نے مال عطا کیا اور وہ اپنے رشتہ داروں کے ان حقوق کو جو اللہ جل شانہ نے اس پر رکھے ہیں، ادا نہ کرے، تو اس کا مال سانپ بنا کر۔ اس کو طوق پہنا دیا جائے گا۔ وہ شخص اس سانپ سے کہے گا کہ تو نے میرا پیچھا کیوں کیا، وہ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں۔

(درمنثور)

امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اوپر کی آیات میں جہاد میں اپنی جانوں کی شرکت کی تاکید و ترغیب تھی۔ اس کے بعد اس آیت میں جہاد میں مال خرچ کرنے کی تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں مال خرچ نہیں کرتے، تو وہ مال سانپ بن کر ان کے گلے کا ہار بن جائے گا اور اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ طویل بحث اس پر کرتے ہیں کہ جو شدید و عید اس آیت شریفہ میں ہے وہ تطوعات کے ترک پر تو مشکل ہے، ترک واجب پر ہی ہو سکتی ہے۔ البتہ واجبات کئی قسم کے ہیں

♦ اول اپنے اوپر اور اپنے ان اقارب پر خرچ کرنا جن کا نفقہ اپنے ذمہ واجب ہے۔

♦ دوسرے زکوٰۃ۔

♦ تیسرے جس وقت مسلمانوں پر کفار کا ہجوم ہو کہ وہ ان کے جان و مال کو ہلاک کرنا چاہتے ہوں تو اس وقت سب مال داروں پر حسب ضرورت خرچ کرنا واجب ہے جس سے مدافعت کرنے والوں کی مدد ہو کہ یہ دراصل اپنی ہی جان و مال کی حفاظت میں خرچ ہے۔

♦ چوتھے مضطر پر خرچ کرنا ہے جس سے اس کی جان کا خطرہ زائل ہو جائے یہ سب اخراجات واجب ہیں۔ (تفسیر کبیر)

۳. [وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُخْفَىٰ عَنْهُمْ فِي نَارٍ جَهَنَّمَ فَنُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ] (التوبہ: ۳۴)

ترجمہ: "وہ لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو بڑے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے وہ اس دن ہو گا جس دن ان کو (سونے چاندی) کو اول جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا اب اس کا مزہ چکھو، جس کو جمع کر کے رکھا تھا۔"

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ پیشانیوں وغیرہ کے ذکر سے آدمی کی چاروں طرف مراد ہیں پیشانی سے اگلا حصہ، پسلیوں سے دایاں اور بائیں اور پشت سے پچھلا حصہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ سارے بدن کو داغ دیا جائے گا۔ ایک حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں منہ سے قدم تک داغ دیا جانا وارد ہوا ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین اعضاء کی خصوصیت اس لئے ہے کہ ان میں ذرا سی تکلیف بھی ہو زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ آدمی جب چہرہ سے فقیر کو دیکھتا ہے تو پہلو بچا کر اس طرف پشت کر کے چل دیتا ہے، اس لئے ان تینوں اعضاء کو خصوصیت سے عذاب ہے، اس کے علاوہ اور بھی جوہ ذکر کی گئیں۔

(تفسیر کبیر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ آیت شریفہ تو لوگوں پر بہت بار ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے زکوٰۃ اسی لئے مشروع فرمائی ہے کہ بقیہ مال پاک ہو جائے اور میراث تو اسی مال میں جاری ہوگی جو بعد میں باقی رہے اور بہترین چیز جس کو آدمی خزانہ کی طرح محفوظ رکھے وہ نیک بیوی ہے جس کو دیکھ کر جی راضی ہو جائے۔ جب اس کو کوئی حکم کیا جائے، فوراً اطاعت کرے اور جب خاوند غائب ہو (سفر وغیرہ میں) تو وہ اپنی (اور اس کے مال کی) حفاظت کرے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہما میں اس کا چرچا ہوا۔

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ اگر اللہ جل شانہ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ اغنیاء کی زکوٰۃ فقراء کو کافی نہ ہوگی تو زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی چیز ان کے لئے تجویز فرماتے جو ان کو کافی ہو جاتی۔ پس اب جو فقراء بھوکے ہیں وہ اغنیاء کے ظلم کی وجہ سے ہیں (کنز) کہ وہ زکوٰۃ پوری نہیں نکالتے۔
- حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے فقر کی حالت میں ملو، تو نگری کی حالت میں نہ ملو۔ انہوں نے عرض کیا، اس کی کیا صورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کہیں سے کچھ میسر ہو اس کو چھپا کر نہ رکھو، مانگنے والے سے انکار نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا، حضور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہی ہے اور یہ نہ ہو تو جہنم ہے۔ (در منشور)۔
- حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو خصلیں ایسی ہیں کہ وہ مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں، ایک تو بخل دوسری بد خلقی۔ فائدہ: یعنی کوئی شخص مومن ہو کر بخیل بھی ہو اور بد خلق بھی۔ یہ مومن کی شان ہرگز نہیں۔ ایسے شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ اسی سے ہاتھ دھو بیٹھیں کہ جیسا ہر خوبی دوسری خوبی کو کھینچتی ہے، ایسے ہی ہر عیب دوسرے عیب کو کھینچتا ہے۔
- دوسری حدیث میں اس سے بھی بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیخ (یعنی بخل کی اعلیٰ قسم) ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی (مشکوٰۃ) کہ ان دونوں چیزوں کا اجتماع گویا ضدین کا اجتماع ہے جیسا کہ آگ اور پانی کا جمع ہونا، کہ جو کسی چیز غالب ہوگی وہ دوسرے کو فنا کر دے گی۔ اگر پانی غالب ہے آگ کو بجھا دے گا آگ غالب ہے تو پانی کو جلا دے گی۔ ایسے ہی یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے منافی ہیں جو کسی چیز غالب ہوگی رفتہ رفتہ دوسری کو فنا کر دے گی۔
- ایک حدیث میں آیا ہے کہ کوئی ولی ایسا نہیں ہوا جس میں اللہ جل شانہ نے دو عادتیں پیدا نہ کر دی ہوں، ایک سخاوت دوسرے خوش خلقی۔
- (کنز)
- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جنت میں نہ تو چال باز (دھوکہ باز) داخل ہو گا نہ بخیل، نہ صدقہ کر کے احسان رکھنے والا۔
- (مشکوٰۃ)
- فائدہ: علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات کے ساتھ کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اگر کسی مومن میں یہ بری صفات خدا نخواستہ پائی جاتی ہوں گی تو اول تو حق تعالیٰ شانہ اس کو دنیا ہی میں ان سے توبہ کی توفیق عطا فرمادیں گے اور اگر یہ نہ ہو تو اول جہنم میں داخل ہو کر ان صفات کا تنقیہ ہونے کے بعد جنت میں داخل ہو سکے گا لیکن جہنم میں داخل ہونا، چاہے تھوڑی ہی دیر کے لئے ہو کوئی معمولی اور آسان کام ہے، دنیا کی آگ میں تھوڑی دیر کے لئے ڈالا جانا کیا اثرات پیدا کرتا ہے، حالانکہ یہ آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی آگ جہنم

کی آگ کا ۷۰ واں حصہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آگ کیا کچھ کم ہے یہ تو خود ہی بہت کافی اذیت پہنچانے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس سے انہتر درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ (مشکوٰۃ) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب والا شخص وہ ہو گا جس کو جہنم کی آگ کی صرف دو جوتیاں پہنائی جائیں گی اور ان کی وجہ سے اس کا دماغ ایسا جوش مارے گا جیسا کہ ہنڈیا آگ پر جوش مارتی ہے۔

(مشکوٰۃ)

■ ایک حدیث میں آیا کہ اللہ جل شانہ نے جنت عدن کو اپنے دست مبارک سے بنایا۔ پھر اس کو آراستہ اور مزین کیا پھر فرشتوں کو حکم فرمایا کہ اس میں نہریں جاری کریں اور پھل اس میں لٹکائیں جب حق تعالیٰ شانہ نے اس کی زیب و زینت کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میرے عرش پر بلندی کی قسم، تجھ میں بخیل نہیں آسکتا۔

(کنز)

■ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ فائدہ: یقیناً جس شخص کے پاس اتنا ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے اور پاس ہی بھوکا پڑوسی ہے تو اس کے لئے ہرگز ہرگز زیبا نہیں کہ خود پیٹ بھر کر کھائے اور وہ غریب بھوک میں تلملاتا رہے۔ ضروری ہے کہ اپنے پیٹ کو کچھ کم پہنچائے اور پڑوسی کی بھی مدد کرے۔

■ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کے بخل کے لئے کافی ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اپنا حق پورا کا پورا لوں گا۔ اس میں سے ذرا سا بھی نہیں چھوڑوں گا (کنز) یعنی تقسیم وغیرہ میں، رشتہ داروں سے ہو یا پڑوسیوں سے اپنا پورا حق وصول کرنے کی فکر میں لگا رہے، ذرا ذرا سی چیز پر کنج و کاؤ کرے یہ بھی بخل کی علامت ہے۔ اگر تھوڑا بہت دوسرے کے پاس چلا ہی جائے گا تو اس میں کیا مر جائے گا۔ (تیسری فصل کا مضمون فضائل صدقات سے لیا گیا ہے)۔

بخل سے حفاظت کے لیے دعائیں

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ"

ترجمہ: "اے اللہ! میں عاجزی سے اور کابلی سے اور بزدلی سے اور حد سے زیادہ بڑھاپے سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری ہی پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور تیری ہی پناہ لیتا ہوں (ہر) زندگی اور موت کے فتنہ سے۔"

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمَرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ"

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں کنجوسی سے اور پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ عمر کے رذیل (وناکارہ) حصہ کو پہنچوں، اور پناہ مانگتا ہوں دنیا کے (ہر) فتنہ سے، اور پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۔"

پانچویں فصل: مصارف انفاق

ہر مسلمان کو یہ طے کرنا ہو گا کہ اپنی کمائی میں سے کتنا اپنے اوپر خرچ کرے اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے ضرورت مند بندوں پر، آج حالت یہ ہے کہ جس کمائی زیادہ ہے وہ یا تو قارون کی طرح اپنا خزانہ بڑھائے جا رہا ہے یا عیاشوں کی طرح اپنی فضول خرچیوں میں اضافہ کیے جا رہا ہے، ایک مکان موجود ہے تو اس سے عالی شان دوسرا مکان بنانا چاہتا ہے سواری کے لئے گاڑی موجود ہے تو دوسری اس سے بڑھیا خریدنا چاہتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ان ہی برائیوں کو مٹانے کیلئے آئے تھے، جب مسلمان اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر لانے کا فیصلہ کریں گے، تو انہیں یہ کرنا پڑے گا کہ خود چھوٹے سے معمولی مکان میں گزار کریں اور اپنی فاضل کمائی سے اللہ کے بے گھر بندوں کیلئے مکان بنوائیں، خود سادہ اور معمولی کھائیں اور اس طرح جو بچت ہو، اس سے ان بھوکوں کی روٹی کا انتظام کریں، جن کے پاس پیٹ بھرنے کا سامان نہیں ہے، اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر کم سے کم خرچ کریں اور جن غریبوں کی بیٹیاں ناداری کی وجہ سے گھر بیٹھی ہوئی ہیں اپنی کمائی سے ان کی شادیوں کا بندوبست کریں، ان معاملات میں مسلم و غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے یہ حقوق سب حاجت مندوں کیلئے رکھے ہیں، اس لئے یہ سلوک سب کے ساتھ کرنا ہو گا۔ عام طور پر جہاں خرچ بھی کیا جاتا ہے وہاں صرف زکوٰۃ ادا کرنے ہی کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ جہاں خرچ کرنا ضروری اور فرض ہے ان حقوق کے بارے میں بہت غفلت اور کوتاہی برتی جاتی ہے۔ حالانکہ مالی فرض صرف زکوٰۃ سے پورا نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ پر مال خرچ کرنا فرض و واجب ہوتا ہے جیسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا کہ جب وہ کمانے سے معذور ہوں تو نفقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوٰۃ ادا کر چکے ہیں مگر اس وقت مال خرچ کر کے اس کی جان بچانا فرض ہے۔ اسی طرح ضرورت کی جگہ مسجد بنانا یا دینی تعلیم کے لئے مدارس و مکاتب بنانا یہ سب فرائض مال میں داخل ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ زکوٰۃ کا ایک خاص قانون ہے اس کے مطابق ہر حال میں زکوٰۃ کا ادا کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرے مصارف ضرورت و حاجت پر موقوف ہیں جہاں ضرورت ہو خرچ کرنا فرض ہو جائے گا جہاں نہ ہو فرض نہیں ہو گا۔

(معارف القرآن ج ۱ ص ۴۲۲)

آج مال و دولت کے بارے میں اور کمائی اور اس کے خرچ کے معاملے میں ہمارا طریقہ محمد رسول اللہ والا طریقہ نہیں ہے، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما والا طریقہ نہیں ہے بلکہ غیروں والا طریقہ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور غضب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

(مجموعہ ملفوظات مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ ص ۱۹۴)

(آ) اقامت دین و اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے خرچ کرنا

مسلم کی جان و مال کا موضوع و مقصد خواہشات پر خرچ ہونا نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حیات و سرسبزی پر خرچ ہونا ہے، جتنا ہماری جان و مال کا خرچ دین کے درد و فکر اور جہد و سعی پر آتا چلا جائے گا، دین کے سارے شعبے سنت کی شکل پر زندہ ہوتے چلے جائیں گے۔

اعلائے کلمۃ اللہ پر خرچ کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں مثلاً مساجد پر خرچ، مدارس دینیہ اور مکاتب قرآنیہ پر خرچ، خروج فی سبیل اللہ پر خرچ، قتال فی سبیل اللہ پر خرچ وغیرہ۔

(ب) عامۃ الناس اور مخلوق خدا پر خرچ کرنا

۱. ذوی الارحام

رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں جس میں ولادت سے قبل ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے، چونکہ ذریعہ قرابت یہ رحم ہی ہے اس لئے اس سلسلے کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور ان کی طرف سے بے توجہی و بے التفاتی کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آ. والدین

اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ بھلائی اور اچھا سلوک کرنے کا حکم جگہ جگہ کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان و مال سے خدمت کرے حتیٰ الوسع ان کے خرچ کا بند و بست کرے دل سے ان کی تعظیم و محبت کرے، اور ان کے سامنے ان کی کسی ناگوار بات پہ اوف تک نہ کرے، انتقال کے بعد ان کا جنازہ پڑھے، ان کیلئے دعا و استغفار کرے، ان کے عہد تا مقدور بھر پورا کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم و حسن سلوک اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے وغیرہ ذلک۔

(وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا) (الاحقاف: ۱۴)

ترجمہ: "اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا"

فقہ ابو الیث فرماتے ہیں کہ والدین کا حق بہت ضروری اور ہم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی سب کتابوں و تورات انجیل زبور قرآن شریف میں ان کے حق کا ذکر فرمایا تمام انبیائے کرام کو ان کے حق کے بارے میں وحی بھیجی اور تاکید فرمائی اپنی رضا کو والدین کی رضا کے ساتھ وابستہ کیا اور ان کی ناراضگی پر اپنی ناراضگی مرتب فرمائی۔

(فضائل صدقات ص ۲۵۰/ تنبیہ الغافلین)

حضرت حسن سے کسی نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی کیا مقدار ہے، انہوں نے فرمایا "جو کچھ تیری ملک میں سے ان پر خرچ کرے اور جو وہ حکم کرے اس کی اطاعت کرے، بجز اس کے کہ وہ کسی گناہ کا حکم کریں کہ اس میں طاعت نہیں ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (انت و مالک لایک) تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

ب. اہل قرابت

اسلام نے ماں باپ کے علاوہ دوسرے اہل قرابت پر کے ساتھ حسن اور ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان پر خرچ کرنے پر بہت زور دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رحم یعنی حق قرابت مشتق ہے رحمان سے (یعنی خداوند رحمان کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا "جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔"

[إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ] (النحل: ۹۰)

ترجمہ: "بے شک اللہ جل شانہ اعتدال کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے دو چیزیں ہو گئیں۔

(رواہ احمد و الترمذی وغیرہما کذا فی المخلوۃ)

فائدہ: جہاں تک اہل قرابت اور رشتہ داروں کا تعلق ہے ان پر صدقہ عام غرباء پر صدقہ سے مقدم ہے اور افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مختلف روایات میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون بھی بہت کثرت سے کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک اشرفی تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، ایک اشرفی تو غلام کے آزاد کرنے میں خرچ کرے، ایک اشرفی تو کسی فقیر کو دے، ایک اشرفی تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے۔ ان سب سے افضل یہی ہے جو تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے (بشرطیکہ محض اللہ کے واسطے خرچ کیا جائے اور وہ ضرورت مند بھی ہوں جیسا کہ آگے آ رہا ہے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی آزاد کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کو اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ اور فقہاء میں ہیں ان کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے تمہاری مالی حالت کمزور ہے۔ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر یہ دریافت کر لو کہ میں صدقہ کا مال تمہیں دے دوں تو یہ کافی ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود ہی جا کر دریافت کر لو (کہ ان کو اپنی ذات کے لئے دریافت کرنے میں غالباً حجاب اور خود غرضی کا خیال ہوا ہو گا)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں دروازہ پر دیکھا کہ ایک اور عورت بھی کھڑی ہیں اور وہ بھی یہی مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب کی وجہ سے دریافت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگئے، ان دونوں نے ان سے درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیں کہ دو عورتیں کھڑی ہیں اور یہ دریافت کرتی ہیں کہ اگر وہ اپنے خاوندوں پر اور جو یتیم بچے پہلے خاوندوں سے ان کے پاس ہیں ان پر صدقہ کر دیں تو یہ کافی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیام پہنچایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کون عورتیں ہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ایک فلاں عورت انصاریہ ہیں اور ایک عبد اللہ بن مسعود کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کے لئے دو گنا ثواب ہے۔ صدقہ کا بھی اور قرابت کا بھی۔

(مشکوٰۃ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کی ایک درم سے مدد کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے دوسرے پر بیس درم خرچ کرنے سے۔ اور میں اس پر سو درم خرچ کر دوں اور زیادہ محبوب ہے، ایک غلام آزاد کرنے سے (احیاء اتحاف) ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی خود ضرورت مند ہو تو وہ مقدم ہے، جب اپنے سے زائد ہو تو عیال مقدم ہے۔ اس سے زائد ہو تو دوسرے رشتہ دار مقدم ہیں ان سے زائد ہو تو پھر ادھر ادھر خرچ کرے۔

(کنز)

۲. پڑوسی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ وہ شخص مؤمن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا رہے، (فضائل صدقات ص ۲۱۲/البیہقی) ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت میں کتنے آدمی ایسے ہونگے جو اپنے پڑوسی کا دامن پکڑے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ "یا اللہ اس سے پوچھیں کہ اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا تھا اور مجھے اپنی ضرورت سے زائد جو چیز ہوتی تھی وہ بھی نہ دیتا تھا"

(فضائل صدقات ص ۲۱۲/الترغیب)

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے، جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے اگر وہ تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر، اگر قرض مانگے تو اس کو قرض دے، اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر، اگر بیمار ہو تو عیادت کر اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جا، اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دے، اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر، بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رک جائے، اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو ایسی طرح پوشیدہ گھر میں لا کر وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہو اور اپنے گھر کے دھویں سے اس کے تکلیف نہ پہنچا مگر اس صورت میں جو پکائے اس میں سے اس

کا بھی حصہ لگالے۔ تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کتنا حق ہے؟ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے حق کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس پر اللہ رحم کرے، روایت کیا، اس کو غزالی نے اربعین میں۔

(ماخوذ از مظاہر حق، فتح الباری)

حق سبحانہ و تقدس کا پاک ارشاد ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور دوسرے اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ اور غرباء کے ساتھ اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی۔

"پاس والے پڑوسی" سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان قریب ہو اور "دور کے پڑوسی" سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان دور ہو۔ حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ پڑوس کہاں تک ہے انہوں نے فرمایا کہ چالیس مکان آگے کی جانب اور چالیس پیچھے کی جانب چالیس دائیں اور چالیس بائیں جانب۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ دور کے پڑوسی سے ابتداء کی جائے بلکہ پاس کے پڑوسی سے ابتداء کی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مختلف طریق سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت ہو اور دور کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت نہ ہو۔ نوف شامی رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے اور دور کا پڑوسی یہود و نصاریٰ، یعنی غیر مسلم۔

(درمنثور)

حضرت ابن المقفع رحمہ اللہ اپنے پڑوس کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ جایا کرتے تھے ان کو معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ قرض ہو گیا جس کی وجہ سے اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم اس کے گھر کے سایہ میں ہمیشہ بیٹھے، اس کے سایہ کا حق ہم نے کچھ ادا نہ کیا، یہ کہہ کر اس کے گھر کی قیمت اس کو نذر کر دی اور فرمایا کہ تمہیں قیمت وصول ہو گئی اب اس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہ کرنا۔

(فضائل صدقات ص ۱۱۶ تا ۱۳۰)

۳. مہمان و مسافر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ جل شانہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ مہمان کا جائزہ ایک دن رات ہے اور مہمانی تین دن رات اور مہمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اتنا طویل قیام کرے جس سے میزبان مشقت میں پڑ جائے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ادب ارشاد فرمائے ایک میزبان کے متعلق دوسرا مہمان کے متعلق، میزبان کا ادب یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں گزر چکا ہے تو اس

کو چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے اور مہمان کا اکرام یہ ہے کہ کشادہ روئی اور خوش خلقی سے پیش آئے، نرمی سے گفتگو کرے (مظاہر) ایک حدیث میں ہے سنت یہ ہے کہ آدمی مہمان کے ساتھ گھر کے دروازہ تک مشایعت کے لئے جائے۔

(مشکوٰۃ)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مہمانی نہ کرے اس میں کوئی خیر نہیں۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کی ضیافت کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد) ایک نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رورہے ہیں، اس نے سب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سات دن سے کوئی مہمان نہیں آیا۔ مجھے اس کا ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے میری اہانت کا ارادہ تو نہیں کر لیا۔

(احیاء)

۴. کمزور و حاجت مند طبقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طبقات جن سے آدمی کا نسلی یا خونی رشتہ ہوتا ہے یا پڑوس و ہمسائیگی کا تعلق ہوتا ہے ان پر خرچ کرنے کے علاوہ بھی تمام کمزور طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت رسیدوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا ہے اور آپ نے اپنے اتباع کرنے والوں کو ان کی خدمت و خبر گیری اور ہمدردی و معاونت اور ان پر خرچ کرنے کی تلقین و تاکید فرمائی ہے اور اس کو اعلیٰ درجے کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بارش سنائی ہے ان مختلف طبقات سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کسی بے چاری بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجت مند کیلئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اجر و ثواب میں) راہ جہاد کرنے والے بندے کی مثل ہے" اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا "اس شب بیدار بندے کی طرح ہے جو (عبادت و شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو"۔

(صحیح بخاری / صحیح مسلم)

(۲) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اور اپنے یا پر اے یتیم کی کفالت کرنے والا شخص جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہونگے اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا اور ان کے درمیان تھوڑی کشادگی رکھی"۔

(صحیح بخاری)

۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بھوکوں کو کھانا کھاؤ، پیاروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں و قیدیوں کو رہائی دلانے کو شش کرو"۔

(صحیح بخاری)

۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز جوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی (یا کوئی مشروب) پلائے اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نفیس (جنت کی) شراب طہور پلائے گا جس پر غیبی مہر لگی ہوگی"۔

(سنن ابی داؤد / جامع ترمذی)

۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کہ طعام و لباس غلام کا حق ہے" (صحیح مسلم)۔ ایک حدیث میں ہے کہ فقراء کی جان پہچان کثرت سے رکھا کرو اور ان کے اوپر احسانات کیا کرو، ان کے پاس بڑی دولت ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ دولت کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جس نے تمہیں کوئی ٹکڑا کھلایا ہو یا پانی پلایا ہو یا کپڑا دیا ہو، اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں پہنچا دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فقیر سے قیامت کے دن ایسی طرح معذرت کریں گے جیسا کہ آدمی آدمی سے کیا کرتا ہے اور فرمائیں گے کہ میری عزت اور جلال کی قسم میں نے دنیا کو تجھ سے اس لئے نہیں ہٹایا تھا کہ تو میرے نزدیک ذلیل تھا بلکہ اس لئے ہٹایا تھا کہ تیرے لئے آج بڑا اعزاز ہے، میرے بندے ان جہنمی لوگوں کی صفوں میں چلا جا جس نے تجھے میرے لئے کھانا کھلایا ہو یا کپڑا دیا ہو وہ تیرا ہے۔ وہ اس حالت میں ان میں داخل ہو گا کہ یہ لوگ منہ تک پسینہ میں غرق ہوں گے، وہ پہچان کر ان کو جنت میں داخل کرے گا۔

(روض الراحمین)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی جاندار کو جو بھوکا ہو کھانا کھلائے، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے بہترین کھانوں میں سے کھانا کھلائیں گے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر سے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو، خیر اس گھر کی طرف ایسی تیزی سے بڑھتی ہے جیسی تیزی سے چھری اونٹ کے کوہان میں چلتی ہے (کنز)۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ عمدہ کھجوریں دوسروں کو کھلاتے اور کہتے کہ جو شخص زیادہ کھائے گا اس کو فی کھجور ایک درم دیا جائے گا۔ (احیاء) ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت مند کو ترجیح دینے پر ترغیب اور تنبیہ

فرمائی۔ ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کی ترغیب بہت سی روایات میں وارد ہے لیکن ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ولیمہ کا کھانا بدترین کھانا ہے کہ امراء کو اس کے لئے دعوت دی جاتی ہے اور فقراء کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین)

یعنی جو ولیمہ کی دعوت اس قماش کی ہو کہ اس میں امراء کو مدعو کیا جائے، غرباء کی دعوت نہ کی جائے وہ بدترین کھانا ہے اور یہ بات نہ ہو تو ولیمہ کا کھانا مسنون ہے۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسی جگہ پانی پلائی جہاں پانی ملتا ہو، اس نے ثواب کے اعتبار سے گویا ایک غلام آزاد کیا اور جو شخص کسی کو ایسی جگہ پانی پلائے جس جگہ پانی نہ ملتا ہو اس نے گویا اس کی زندگی بخشی۔ یعنی مرتے ہوئے کو گویا ہلاکت سے بچایا (کنز)، ایک حدیث میں ہے کہ افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ کسی بھوکے کو (آدمی ہو یا جانور) کھانا کھلائے (کنز)۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ کو سب سے زیادہ یہ عمل پسند ہے کہ کسی مسکین کو بھوک کی حالت میں روٹی کھلائے، یا اس کا قرض ادا کرے، یا اس کی مصیبت کو زائل کرے (کنز)۔

عبیدہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آدمیوں کا حشر ایسی حالت میں ہو گا کہ وہ انتہائی بھوک اور پیاس کی حالت میں بالکل ننگے ہوں گے پس جس شخص نے دنیا میں کسی کو اللہ کے واسطے کھانا کھلایا ہو گا اللہ جل شانہ اس دن اس کو شکم سیر فرمائیں گے اور جس نے کسی کو اللہ کے واسطے پانی پلایا ہو گا حق تعالیٰ شانہ اس کو سیراب فرمائیں گے اور جس نے کسی کو کپڑا پہنایا ہو گا، حق تعالیٰ شانہ اس کو لباس عطا فرمائیں گے (احیاء)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا، اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہی ہے جیسا رات بھر نماز پڑھنے والا ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا ہمیشہ روز دار رہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے یا اس کو نفع پہنچانے کے لئے چلے تو اس کو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے (کنز)۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مضطر بھائی کی مدد کرے، حق تعالیٰ شانہ اس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے (کنز)۔ یعنی قیامت کے سخت دن جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ جم سکیں گے یہ ثابت قدم رہے گا اور اس حدیث پاک سے ایک لطیف چیز یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ فتنوں اور حوادث کے زمانوں میں جب لوگوں کے قدم اکھڑ جائیں گے جیسا کہ آج کل کا زمانہ گزر رہا ہے۔ ایسے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں جو لوگوں کی اعانت اور مدد کرتے رہتے ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجتوں میں سے کسی حاجت کو پورا کرے حق تعالیٰ شانہ اس کی ستر حاجتیں پوری فرماتے ہیں جن میں سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (کنز)۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حکومت تک پہنچا دینے کا ذریعہ بن جائے جس سے اس کو کوئی نفع پہنچ جائے یا اس کی کوئی مشکل دور ہو جائے تو حق تعالیٰ شانہ اس

شخص کی جو ذریعہ بنا ہے قیامت کے دن پل صراط پر چلنے میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ وہاں لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے (کنز)۔

۵. عام مسلمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی دعوت و ہدایت لے کر آئے تھے جو لوگ آپ کی دعوت کو قبول کر کے آپ کا دین اور آپ علیہ السلام کا راستہ اختیار کر لیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور امت بنتے جاتے تھے، یہی دراصل اسلامی برادری اور امت مسلمہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا ہے اور امت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور سے ہدایت و تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور باہم خیر خواہ و خیر اندیش اور معاون مددگار بن کے رہیں، ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے اور اس دینی ناطے سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں اور ہر مسلمان اپنی جان اور مال سے دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی کوشش کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ننگے پن کی حالت میں کپڑا پہنائے گا حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے سبز لباس پہنائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کچھ کھلائے گا حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جس شخص کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا، اللہ جل شانہ اس کو ایسی شراب جنت پلائے گا جس پر مہر لگی ہوئی ہوگی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص انے کسی بھائی کی حاجت روائی میں مشغول ہو، حق تعالیٰ شانہ اس کی حاجت روائی میں توجہ فرماتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو زائل کرے، حق تعالیٰ شانہ قیامت کے مصائب میں سے اس کی کوئی مصیبت زائل فرماتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، (عیب سے ہو یا لباس سے) حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی (اسی نوع کی) فرماتے ہیں۔

(مشکوٰۃ) (فضائل صدقات ص ۹۵)

(۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ جل شانہ کے نزدیک سب اعمال سے زیادہ محبوب کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے، یا اس پر سے غم کا ہٹانا ہے، یا اس کا قرض ادا کر دینا ہے، یا بھوک کی حالت میں اس کو کھانا کھلانا ہے۔"

(فضائل صدقات ص ۹۵/کنز)

(۲) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجت پوری کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کی بہتر حاجتیں پوری کرتے ہیں، جن میں سے سب سے ہلکی چیز اس کے گناہوں کی مغفرت ہے۔"

(فضائل صدقات ص ۹۵/کنز)

۶. عموم انسانیت

ساری دنیا کے انسان آپس میں انسانی بھائی ہیں کیونکہ سب ایک باپ (آدم علیہ السلام) اور ایک ماں (ہماں حوا علیہا السلام) نیز قیامت تک آنے والے تمام انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں اگرچہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو اور وہ کوئی سے طریقہ زندگی اختیار کیے ہوئے ہوں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلق و برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی ہیں وہاں آپ نے عام انسانوں کے ساتھ تعلق و برتاؤ اور ان پر مال خرچ کرنے اور ان کو نفع پہنچانے کے بارے میں بھی ہدایات دی ہیں اور اگر یہ رشتہ دار بھی ہوں تو ان کا حق اور بھی مقدم ہو جاتا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا، اس وقت میری کافرو والدہ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ) آئیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ (میرا اعانت کی) طالب بن کر آئی ہیں، ان کی اعانت کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں، ان کی اعانت کر دو۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی یہ والدہ جن کا نام قیلہ یا قتیلہ بنت عبد العزیٰ ہے چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھیں اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ کچھ گھگی پنیر وغیرہ ہدیہ کے طور پر لے کر اپنی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں۔ انہوں نے ان کو اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دیا اور اپنی علاقائی ہمیشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے اطلاع دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمادی اور یہ آیت شریفہ اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ (فتح، درمنثور) یہ ان حضرات کی دین پر پختگی اور قابل رشک جذبہ تھا کہ ماں گھر پر آئی ہے۔ محض بیٹی سے ملنے کے واسطے آئی ہے کہ اس وقت تک اعانت کی طلب کا تو وقت ہی نہ آیا تھا لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مسئلہ تحقیق کرنے کے لئے آدمی دوڑا دیا کہ میں اپنی ماں کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتی ہوں یا نہیں۔ متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غیر مسلموں پر صدقہ کرنا ابتداء میں پسند نہیں کرتے تھے جس پر حق تعالیٰ شانہ نے آیت شریفہ نازل فرمائی کہ "آپ کے ذمہ ان کی ہدایت نہیں ہے، یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے جس کو چاہیں ہدایت پر لادیں اور جو کچھ تم (خیرات وغیرہ) خرچ کرتے ہو، اپنے نفع کے واسطے کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے علاوہ کسی اور فائدہ کی غرض سے نہیں کرتے"۔ یعنی تم تو صدقہ وغیرہ اللہ تعالیٰ شانہ کی رضا کے واسطے کرتے ہو، اس میں ہر حاجت مند داخل ہے کافر ہو یا مسلمان ہو۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مجوسی حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا مہمان بننے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمادیا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تیری مہمانی قبول کرتا ہوں۔ وہ مجوسی چلا گیا، اللہ جلہ شانہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ابراہیم تم ایک رات کا کھانا تبدیلی مذہب بغیر نہ کھلا سکتے ہم ستر برس سے اس

کے کفر کے باوجود اس کو کھانا دے رہے ہیں۔ ایک وقت کا کھانا کھلا دیتے تو کیا مضائقہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً اس کی تلاش میں دوڑنے لگے وہ مل گیا اس کو اپنے ساتھ واپس لائے اور اس کو کھانا کھلایا اس مجوسی نے پوچھا کہ کیا بات پیش آئی کہ تم خود مجھے تلاش کرنے نکلے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وحی کا قصہ سنایا، وہ مجوسی کہنے لگا، اس کا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے تو مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (احیاء)

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کسی شخص کو کوئی گنجائش نہیں:

- نمبر ۱: والدین کے ساتھ احسان کرنا، چاہے والدین مسلمان ہوں یا کافر۔
- نمبر ۲: جس سے عہد کر لیا جائے اس کو پورا کرنا، چاہے مسلمان سے عہد کیا ہو یا کافر سے۔
- نمبر ۳: امانت کو واپس کرنا، چاہے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی (جامع الصغیر)

محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ، عطار رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ تینوں حضرات سے یہ نقل کیا گیا کہ حق تعالیٰ شانہ کے پاک ارشاد [الْأَنْتُمْ تَفْعَلُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَٰكُمْ مَّعْرُوفًا] (الاحزاب: ۶۱) (میں مسلمان کی یہود و نصاریٰ غیر مسلم رشتہ داروں کے لئے وصیت مراد ہے)۔ (معنی) چنانچہ حدیث شریف ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ شخص ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے"

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان / معارف الحدیث جلد ۶ ص ۱۴۲)

۷۔ جانوروں پر خرچ کرنا

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انبیائے سابقین کی طرح) اجازت دی ہے کہ جانوروں کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق سواری یا بار برداری یا غذا میں استعمال کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ آپ نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذا رسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے اور ان پر خرچ کرنے کے معاملے میں بھی اللہ سے ڈرا جائے اور بخل سے کام نہ لیا جائے۔

بہت سے لوگ جانوروں کے پالنے کا تو بڑا شوق رکھتے ہیں لیکن ان کے گھاس دانے پر خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ اگر کسی جانور کو اپنی کسی ضرورت سے روک رکھا ہے تو اس کے کھانے میں کنجوسی کرنا اور یہ سمجھنا کون جانے کس کو خبر ہوگی اپنے اوپر سخت ظلم ہے جاننے والا اللہ سب جانتا ہے۔ (معارف الحدیث ج ۶ ص ۱۴۳)

بخاری شریف وغیرہ میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ایک مرد کا بھی آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص جنگل میں چلا جا رہا تھا اس کو پیاس کی شدت نے بہت پریشان کیا، وہ ایک کنویں میں اترا، اور جب پانی پی کر باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے بے تاب ہے اور پیاس کی شدت سے گارے میں منہ مار رہا ہے اس شخص کو خیال ہوا کہ اس

کو بھی پیاس کی وہی تکلیف ہو رہی ہے جو مجھے تھی۔ کوئی چیز پانی نکالنے کی تھی نہیں، اس لئے اپنے پاؤں کا موزہ نکالا اور دوبارہ کنویں میں اتر کر اس کو بھرا اور موزہ کو منہ سے پکڑ کر دونوں ہاتھوں کی مدد سے اوپر چڑھا اور وہ پانی اس کتے کو پلایا۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس کے اس کارنامہ کی قدر فرمائی، اور اس شخص کی مغفرت فرمادی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جانوروں میں بھی اجر ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جگہ رکھنے والے (یعنی جاندار) میں اجر ہے (بخاری)۔ ایک حدیث میں ہے، ہر گرم جگر والے میں اجر ہے (کنز)

(ت) ذاتی ضروریات پر خرچ

اپنی ضروریات پر خرچ کرنے کیلئے تحصیل معاش کہ جو بنیادی ضرورتیں پورا کرے جس سے کمزیدھی رہے ہر انسان کیلئے "فرض عین" ہے کیونکہ اسکے بغیر وہ اپنے فرائض جس کا شرعاً وہ پابند اور مکلف ہے، ادا کر ہی نہیں سکتا اور یہ (اصول ہے کہ) جس شے پر کسی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ خود بھی فرض ہوتی ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۲۳۱)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بلاشبہ تمہارے پروردگار کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے۔ ہر ایک کو اس کا حق ادا کرو (؟)

ضرورت کسے کہتے ہیں؟

ضرورت "ضرر" سے ہے یعنی وہ چیز جسکے نہ ہونے سے ضرر یعنی نقصان ہوتا ہو۔

انسان کی بنیادی ضروریات

پانچ چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات کہلاتی ہیں۔ ضرورت کے بقدر ان کا حصول لازم ہے۔

۱۔ طعام (کھانا پینا، دوا علاج وغیرہ)

۲۔ لباس

۳۔ رہائش

۴۔ سواری

۵۔ نکاح

ان ضروریات کی طرف درج ذیل حدیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے:-

حضرت ابن جحش رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اتنا توشہ ہو کہ تمہاری بھوک مٹادے اور اتنا کپڑا کہ ستر پوشی کے کام آجائے۔ اگر کوئی سر چھپانے کی جگہ (مکان) بھی ہو تو بڑی اچھی بات ہے اور اگر کوئی سواری بھی میسر آجائے تو پھر واہ واہ! کیا کہنے!

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۲۳۷)

ایک بنیادی ضرورت قرض بھی ہے۔ اگر کسی پر قرض ہے اسکی ادائیگی بھی "فرض عین" ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:- [الدین مقضی] ترجمہ: "قرض کی واپسی فرض ہے۔"

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۲۳۷)

مقدار ضرورت اپنے اوپر خرچ کرنے میں بھی اجر ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس موقع پر انسان پر کھانا فرض ہو جاتا ہے تو اس وقت اسے کھانا کھانے پر اجر بھی ملتا ہے۔

کیونکہ اس وقت اس کا کھانا حق کی فرمانبرداری ہے جس کے ذریعہ وہ نماز روزہ جیسے فرائض ادا کرنے کے قابل ہو گا۔ چنانچہ روایات میں اس کا واضح ثبوت موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھتا ہے تو اسے ثواب ملتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ مومن کو ہر بات پر ثواب حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنی بیوی سے ہم بستری میں بھی۔ عرض کیا گیا کہ ہم بستری کرنے والا تو اپنی خواہش پوری کر رہا ہوتا ہے تو کیا اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہی بتاؤ کہ اگر وہ حرام طریقے سے اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا اسے گناہ نہ ہو گا؟ (تو اسی طرح حلال طریقہ سے ایسا کرنا باعث اجر و ثواب ہے)۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۵۱۱)

ضرورت کی وہ مقدار جس پر حساب نہیں

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کھانے کی اس مقدار پر جو کہ انسان کیلئے فرض ہے نہ حساب ہے نہ ہی کوئی عقاب و عتاب ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۵۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان سے تین چیزوں کا سوال نہ کیا جائے گا (ایک) وہ کپڑا سے آدمی اپنی ستر پوشی کر سکے اور (دوسرے) وہ کھانا جس سے اپنی کمر سیدھی رکھ سکے اور (تیسرے) وہ مکان جس سے گرمی سردی سے بچاؤ کر سکے۔ پھر اسکے علاوہ تمام نعمتوں کا حساب ہو گا۔

(کسبِ حلال اور راہِ اعتدال ص ۵۱۳)

ضروریات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حالی ضرورت

(۲) مالی ضرورت

• حالی ضرورت

اس سے مراد کسی شخص کی فوری ضرورت ہے کہ اگر وہ پوری نہ ہو تو اُسکو نقصان پہنچنے کا کوئی امکان ہے۔ اسکی کم سے کم مقدار کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

جسے اپنے ٹھکانے پر پر سکون صبح نصیب ہو، رحمت تندرستی شامل حال ہو اور اس روز کا کھانا اُسکے پاس ہو تو گویا کل کائنات اُسکے پاس موجود ہے۔

اب اگر کوئی شخص ضرورت سے زیادہ نہیں کما تا تو اس میں کوئی حرج نہیں (بلکہ عام حالات میں ایک مومن کیلئے یہی طریقہ افضل ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کھجوروں کا واقعہ؟

(کسبِ حلال اور راہِ اعتدال ص ۳۳۴)

• مالی ضرورت

ممکن ہے کہ کسی چیز کی فوری ضرورت تو نہیں ہے البتہ آئندہ چل کر ضرورت پیش آجائیگی اسلئے اس مقصد کیلئے بھی اپنے پاس زائد رکھنے کی اجازت ہوگی کیونکہ اس سے ایک قسم کا استغناء رہتا ہے کہ ہمارے پاس مال موجود ہے بلکہ بعض مصالح کے سبب تو بلا ضرورت بھی ایسے ابواب کا قبول کر لینا مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس درجہ کے زاہد تھے کہ اُنکے پاس ہارون رشید کا خط آیا تو لکڑی سے کھول کر پڑھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس خط کو ظالم کا ہاتھ لگا ہے مگر اسکے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں کچھ مال جمع کرنا مصلحت ہے کیونکہ اگر ناداری کی حالت میں ضرورت پڑے گی تو مضطر ہو کر پہلے دین ہی کو تباہ کرے گا۔

(کسبِ حلال اور راہِ اعتدال ص ۲۳۰)

چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال کیلئے ایک سال کی خوراک کا بندوبست فرمایا تھا۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۲۴۳)

۸. اہل و عیال (بیوی بچوں) پر خرچ کرنا

اگر کسی کے بیوی بچے ہیں تو انکی ضروریات کیلئے کمانا بھی اس شخص پر "فرض عین" ہے کیونکہ بیوی بچوں کا خرچہ اٹھانا شرعاً اُس پر لازم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

[أَسْكِنُوهُمْ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُمْ لِئَلَّا يُصَيِّبُوا عَلَيْهُمْ وَانِ كُنْ أُولَاتِ حَمَلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِمْ حَتَّى يَرْضَعُوا حَمْلَهُمْ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُمْ أَجُورَهُمْ وَأَتَمِّرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسْتَزِضْ لَهُ الْاُخْرَى] (الطلاق: ۶)

ترجمہ: "(مطلقہ) عورتوں کو (ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ دو اور اگر حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ دیتے رہو۔ پھر اگر وہ بچے کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو۔ اور (بچے کے بارے میں) پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو۔ اور اگر باہم ضد (اور نا اتفاقی) کرو گے تو (بچے کو) اس کے (باپ کے) کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔"

[وَالْوَالِدَاتُ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُمْ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْمَلُوا الْبِرَّ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرَةً] (البقرہ: ۲۳۳)

ترجمہ: "اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور اسی طرح (نان نفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے۔ اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں

بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق جو تم نے دینا کیا تھا دے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

[لَيَنْفِقَنَّ مِنْ سَعْتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ

اللَّهُ بَعْدَ غَاسٍ يُسْرًا] (الطلاق: ۷)

ترجمہ: "کافرو! آج بہانے مت بناؤ۔ جو عمل تم کیا کرتے ہو ان ہی کا تم کو بدلہ دیا جائے گا۔"

وسعت والے آدمی کو اپنی وسعت کے موافق بچہ پر خرچ کرنا چاہیے اور جسکی آمدنی کم ہو اُسکو چاہیے کہ جتنا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ آدمی کے گنہگار ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ضائع اور برباد کر دے۔

بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی کم سے کم مقدار

انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قوت لایموت اور ساتر عورت لباس اور ضرورت رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم ہے۔

بدائع الصنائع میں یہ تصریح موجود ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی غریب اور صاحب حاجت کا معاشی تکفل ضروری قرار دیا جائے گا تو اس تکفل میں یہ چند چیزیں لازمی اور ضروری ہوں گی۔

مبغملہ ان کے اس متکفل پر واجب ہے کہ وہ صاحب حاجت کے کھانے پینے، لباس اور مکان کا تکفل کرے اور اگر حاجت مند شیر خوار بچہ ہے تو اسکے دودھ پلانے کا بھی۔ اس لئے کہ اس معاشی کفالت کا وجوب صاحب حاجت کی حاجت روائی کیلئے ہے اور حاجت روائی کیلئے یہ چیزیں ضروری اور لازمی ہیں۔ اور اگر صاحب حاجت اپنی اہم ضرورت کی بنا پر کسی خادم کا محتاج ہے تو اس خادم کا نفقہ بھی متکفل کے ذمہ واجب ہے۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۲۳۸ تا ۲۴۰)

ناز و نعمت میں گزر بسر کرنا موجب حساب تو ہے موجب عقاب نہیں

رہا حلال طریقے سے خواہشات کے مطابق عمدہ و لذیذ اشیاء کا استعمال تو اسمیں حساب بے شک ہو گا مگر سزا و عقاب نہ ہو گا اور یہی مفہوم ہے اس حدیث شریف کا جس میں دنیا کے متعلق یہ ارشاد ہے "حلالھا حساب و حرامھا عقاب"۔ ترجمہ: "یعنی اس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عقاب"۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۵۲۱)

قناعت کی فضیلت اور اسکی ترغیب

بہر کیف احادیث و روایات میں اس کی بڑی ترغیب آئی ہے کہ انسان کو سادگی و میانہ روی اختیار کرنا چاہئے یہی اس کے لئے افضل ہے۔ اسکے بالمقابل عمدہ اور لذیذ غذاؤں کا اہتمام ایک ناپسندیدہ امر ہے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے نمائندہ کی حیثیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یہ اپنی قوم کے بڑے متمول اور خوش حال لوگوں میں سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے ضحاک رضی اللہ عنہ تمہارے کھانا کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا گوشت، شہد، روغن اور مغز گندم وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہی ہوتا ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے (یعنی فضلات بن جاتا ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے دنیا کی مثال اس گندگی سے دی ہے جو انسان سے خارج ہوا کرتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو کھاؤ مگر خبردار پیٹ سے زیادہ مت کھانا۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص ۵۲۲ تا ۵۲۷)

چھٹی فصل: زکوٰۃ و انفاق کی اہمیت و آداب

زکوٰۃ کی اہمیت

[Comment M3]: اس فصل اور اس سے متعلق مضمون کی تصحیح املاء کرنی ہے۔

زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے ارکان میں سے اہم ترین رکن ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے پاک کلام میں مشہور قول کے موافق ۵۲ جگہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے اور جہاں جہاں صرف زکوٰۃ کا حکم ہے وہ ان کے علاوہ ہے۔ سرمایہ کے متعلق قرآن کریم نے جو خاص احکام دیئے ہیں ان میں ادائیگی زکوٰۃ کا حکم سب سے اہم ہے۔ یہ اسلام کا تیسرا رکن اور اس کے نظام کی انتہائی اہم دفعہ ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ } (سورة البقرہ: ۴۳)

ترجمہ: "اور نماز پڑھا کرو! اور زکوٰۃ دیا کرو! اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو!"

{ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ } (سورة الاعراف: ۱۵۶)

ترجمہ: "اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات زکوٰۃ کی اہمیت کے بارے میں درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو اس مال کی شر اس سے جاتی رہتی ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط، ابن خزیمہ فی صحیحہ والحاکم مختصر) فضائل صدقات ص ۲۹۶

۲۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا (بہت بڑا مضبوط) پل ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط الکبیر کذا فی الترغیب فضائل صدقات ص ۲۹۶)

۳۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہماری جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اسلام کی تکمیل اس میں ہے کہ مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(رواہ البزار کذا فی الترغیب۔ فضائل صدقات ص ۹۸)

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اُس کی نماز بھی (قبول) نہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر، کذا فی الترغیب۔ فضائل صدقات ص ۳۱۸)

۵۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم بھی زکوٰۃ کو روک لیتی ہے حق تعالیٰ جل شانہ اُس کو قحط میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔

(الطبرانی فی الاوسط کذا فی الترغیب، فضائل صدقات ص ۳۳۰)

۶۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال مل جاتا ہے وہ اس مال کو ہلاک کیے بغیر نہیں رہتا۔

(رواہ الشافعی و البخاری فی تاریخہ کذا فی مشکوٰۃ، فضائل صدقات ص ۳۳۶)

زکوٰۃ کو اسی واسطے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ گویا اس کے ذریعہ نفس اور مال کی طہارت ہوتی ہے۔

{ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى } (سورۃ الاعلیٰ: ۱۴)

ترجمہ: "بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔"

مال کی اہمیت اور بخل قلب کا ایک ایسا مرض ہے جو اندر ہی اندر دل پر چھا جاتا ہے اور اس پر قبضہ کر لیتا ہے کہ انسان پھر کسی دوسرے اعلیٰ مقصد کا طالب نہیں رہ سکتا اور اس کیلئے قربانی نہیں کر سکتا۔ اس ایک نفسیاتی مرض سے ہزاروں اخلاقی مرض پیدا ہوتے ہیں۔ شریفانہ خصائل، عالی حوصلگی، کریم النفسی، ایثار قربانی سلوک و ہمدردی اور انسانیت کے اعلیٰ خصائص فنا

ہو جاتے ہیں۔ اور رذالت، تنگ نظری، تنگ ظرفی، خود غرضی، سنگ دلی و بے رحمی اور بزدلی اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کیفیات تمام روحانی ترقیات اور ہر قسم کی خیر و برکات کیلئے حجاب ہیں۔

وہ مال جو ضروریات پوری ہونے کے بعد بھی بچ رہا ہے اور ضرورت سے فاضل ہے وہ قرآن کریم کی نظر میں ایسا مال ہے جس کو پاک کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بتائے ہوئے راستہ پر صرف کیا جائے۔ اس سے نفس، مال دونوں کی پاکی اور طہارت ہو جائیگی۔

{ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا } (سورة التوبة: ۱۰۲)

ترجمہ: "وصول کیجئے آپ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک و صاف کریں اور ان کا تزکیہ ہو۔"

نفس کی یہی وہ تربیت ہے جس کے متعلق فرمایا۔

{ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتُتَبِّعًا مِمَّا أَنْفُسُهُمْ } (سورة البقرة:

۲۶۵) ترجمہ: "جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں اللہ کی رضا جوئی کے واسطے اور اپنے دلوں کو ٹھیک کرنے کیلئے"

یہ زکوٰۃ اور نماز نفس کا ایک ایسا مجاہدہ و ریاضت ہے ایک ایسی اصلاح و تربیت اور روح و قلب کی ایک ایسی اندرونی طاقت ہے جسکے حصول کے بغیر کسی قسم کے جانی و مالی جہاد و قربانی کی توقع بیکار ہے، سن نو ہجری میں سورۃ براءت نازل ہوئی اس میں متعدد جگہ زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی زکوٰۃ کا پورا نظام مرتب کیا گیا اور اس کے تفصیلی احکام و مسائل منضبط ہو گئے اور اس کی وصولی کیلئے عامل و محصل مقرر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد زکوٰۃ ایسا فریضہ بن گیا جس کی قبولیت اور ادائیگی کے بغیر کوئی شخص امت مسلمہ اور دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اسلام کے دو اہم ترین ارکان اور عناصر ترکیبی جن کے بغیر کسی جماعت پر اسلامی جماعت اور ایمانی گروہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، نماز اور زکوٰۃ ہی ہیں۔

اسلامی نظام زکوٰۃ کی خصوصیات

قرآن مجید کے الفاظ ہیں یہ زکوٰۃ ان دینی و دنیاوی منافع و برکات کی جامع ہے جس کے قائم مقام کوئی انسانی تدبیر اور معاشی انتظام نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ کے ذریعہ جماعت کی زائد دولت کا ایک حصہ، جو اس کی ضروریات سے فاضل ہوتا ہے (اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ سال بھر خرچ نہیں ہوا) ضرورت مند افراد کو پہنچ جاتا ہے جن کے پاس اپنی ضروریات زندگی کا سامان نہیں ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے:

"تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَىٰ فُقَرَائِهِمْ"

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: زکوٰۃ قوم کے دولت مندوں سے وصول کی جائے گی اور انہی کے حاجت مندوں کو دی جائے گی۔

اسلامی نظام زکوٰۃ کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ زائد دولت کا کم سے کم معیار مقرر کیا گیا (یعنی نصاب زکوٰۃ)۔ اس طرح جماعت (امت) کی دولت کا بڑا حصہ غریبوں کے کام آجاتا ہے اور بہت تھوڑی شخصی مالیت اس جماعتی شرکت سے بچتی ہے۔

۲۔ اس دولت پر زکوٰۃ کی مقدار بہت کم رکھی گئی، جو ان مالکوں کیلئے ہر طرح قابل برداشت ہے یعنی چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد)۔

۳۔ ضرورت مندوں کا دائرہ بہت وسیع رکھا گیا اور ان میں سے ان کے ممتاز اقسام اور گروہوں کو مشخص کر دیا گیا، جو ہر اجتماعی زندگی اور تمدن کے ہر دور میں پائے جاتے ہیں یعنی فقراء و مساکین، مقروض اشخاص، غلام، مسافر اور کچھ وہ جو انتظامی یا تبلیغی حیثیت سے ضروری ہیں یعنی محصلین زکوٰۃ [وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَافَّةَ قُلُوبُهُمْ] (توبہ: ۶۰) پھر اس دائرہ کو "وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ" (توبہ: ۶۰) کہہ کر اور عام کر دیا۔

۴۔ ان ضرورت مندوں کیلئے اسلام اور احتیاج کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگائی گئی۔

۵۔ زکوٰۃ کی رقم مستحقین کو دیکر زکوٰۃ دینے والوں کا اس رقم سے ہر قسم کا مالکانہ تعلق منقطع ہو جائیگا اور ان کے اور اس کا انتظام کرنے والوں کے امارت (اور بیت المال کے) کوئی حق و تحفظات نہیں ہونگے۔ نہ اُن کیلئے سودی قرض کی طرح کسی قسم کا انتفاع جائز ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا کسی ایسے شخص کو دینا بھی صحیح نہیں جس کو دیکر وہ مال اپنے ہی استعمال میں آجائے جیسے ماں، باپ، بیوی، اولاد۔ زکوٰۃ لینے والا اس کے لینے کے بعد بھی ویسے ہی آزاد ہوگا جیسے لینے سے پہلے تھا۔ اس کو کسی طرح اور کسی شکل میں اس کا واپس کرنا یا اس کا بدل کرنا ضروری نہیں۔ بخلاف سود کے جس کا لینے والا ایک عرصہ تک کیلئے (اور بعض اوقات ہمیشہ کیلئے) ایک جال میں پھنس جاتا ہے۔

۶۔ زکوٰۃ ان احوال میں ہے جن میں نمو (افزائش) کی صلاحیت ہے، جیسے نقد روپیہ سونا چاندی، مال تجارت، پیداوار اور جانور۔ اس لیے کہ وہی ہر سال کی اس کی کاپی بدل کر سکتے ہیں اور بڑھتے رہتے ہیں۔ باقی روزمرہ کے استعمال اور ضرورت کی اشیاء جیسے پہننے کے کپڑے، کھانے کے برتن، رہائش کے مکانات، سواری کے جانور اور اثاث البیت وغیرہ ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

۷۔ زکوٰۃ کا وقت سال کا اختتام رکھا گیا ہے۔ ایک سال کی مدت اس مال سے استفادہ کرنے کیلئے کافی طویل فرصت ہے۔ اس مدت میں نرخوں کے گھٹنے بڑھنے اور مختلف موسموں اور فصلوں کا اثر بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

۸۔ زکوٰۃ کا نظام فی الاصل اجتماعی ہے۔ یعنی اگر کوئی خاص عارض نہ ہو تو ہونا یہ چاہیے کہ اجتماعی طور پر امارت اسلامی کے انتظام سے وصول کی جائے اور اجتماعی طور پر اُس کی طرف سے تقسیم ہو۔ اس طرح کوئی ایک فرد کسی ایک فرد کا شخصی طور پر ممنون نہیں ہوتا۔ نہ یہ علم ہونا ضروری ہے کہ فلاں شخص کو زکوٰۃ دی گئی۔ اس طرح بہت سے سفید پوش مستور الحال، غیور لوگ جو کسی شخص سے اپنی حاجت کا اظہار بھی پسند نہیں کرتے اور اس کی شہرت نہیں چاہتے، ایک عام اور اجتماعی نظام میں معاشی امداد حاصل کر سکتے ہیں۔

۹۔ ایک کم ہمت مسلمان کو بھی اپنی زندگی میں اس کا اطمینان رہتا ہے کہ اگر دفعۃً اُس کی آنکھ بند ہو گئی یا کسی وجہ سے وہ اپنی اولاد کیلئے کوئی دولت نہ چھوڑ سکا تو زکوٰۃ کے نظام کی وجہ سے وہ ننگے اور بھوکے نہیں رہیں گے اور وہ ان دینی اور اجتماعی کاموں میں بے خوف و خطر حصہ لے سکتا ہے جن میں جان کا خطرہ ہے۔ وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ جہاد و ہجرت اور حج اور سفر کرتا ہے کہ اُس کی پشت پر ایک ایسا خزانہ ہے جو شخصی اور انفرادی نہیں اور جو اس کے بعد اس کی کمزور اور یتیم اولاد اور اس کی بے یار و مددگار بیوی (بیوہ) کا متکفل ہے۔ اسی طرح اس کو اطمینان ہے کہ سفر میں اگر

اُس کا زادِ راہ ختم ہو جائے اور اس کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو گویا ہر جگہ اُس کے لیے سرمایہ محفوظ ہے اور وہ وطن میں واپس آسکتا ہے۔

۱۰۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، اس طرح مسلمانوں میں خاندانی ونسلی مفت خوروں کے طبقہ کے پیدا ہونے کا دروازہ بند کر دیا گیا اور دوسرے عام مستحقین زکوٰۃ کی امداد کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھلا رکھا گیا جو بنی ہاشم کی عالی خاندانی کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے عملاً محروم ہو جائے۔

۱۱۔ زکوٰۃ کا روپیہ ایک مسلمان کے پاس سے نکل کر اسی جماعت کے دوسرے فرد کے پاس پہنچ جاتا ہے اسی طرح گویا اسی کے پاس واپس آ جاتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ خود اپنی ہی امداد ہے۔ ایک منظم جماعت میں افراد کا ایک دوسرے سے اور جماعت سے ایسا گہرا تعلق ہوتا ہے اور ان کے اغراض و مصالح باہم اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک فرد یا چند افراد اس وقت تک خوشحال اور مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک جماعت بحیثیت مجموعی خوشحال اور مطمئن نہ ہو۔ یہ زکوٰۃ اجتماعی خوشحالی کا ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ اور سود کا یہی بہت بڑا فرق ہے۔ سود خوری اور نظام سرمایہ داری میں چند افراد بہت بڑی دولت اور وسائل دولت کے مالک بن جاتے ہیں اور دوسرے افراد وسائل زندگی تک سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن یہ ان افراد کی حقیقی خوشحالی نہیں ہے۔ زکوٰۃ کا روپیہ جماعت کو خوشحال کرتا ہے اور سود جماعت کو مفلس و محتاج بنا کر ایک فرد یا چند افراد کو بہت بڑی دولت کا مالک بنا دیتا ہے۔

۱۲۔ زکوٰۃ کے اس نظام میں کوئی خلافِ فطرت چیز نہیں جس کو جاری کرنے کیلئے کسی خونریزی یا ہنگامہ خیزی کی ضرورت ہو اور جس سے انسانی فطرت بارِ باغوات کرے۔ اس میں انسانوں کے مختلف مراتب اور معاشی طبقات کو بالکل برابر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ انسانوں کو ان کے جائز سرمایہ سے جو ان کی فطری صلاحیت یا محنت کا ثمر ہے، محروم کیا گیا ہے۔ البتہ یہ ضروری قرار دیا ہے کہ انسانی ضروریات ہر فرد کو میسر ہوں اور جماعت کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ اس میں کوئی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔

اسلام کے نظام زکوٰۃ کی یہ چند خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔ درحقیقت یہ زکوٰۃ کا وہ الہی نظام ہے جو ہر طرح سے مکمل طور پر متوازن و متناسب اور انتہائی طریق پر عادل و معتدل ہے۔ اس کے کسی گوشہ اور کسی حصہ میں کوئی خلا کوئی کمی زیادتی اور کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آتی۔

اسلام نے جو زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض کی ہے وہ ہمدردی و غمخواری اور حسن و سلوک کی کم سے کم حد ہے، یہ ایسا فریضہ ہے جس سے روگردانی اور فرار اللہ تعالیٰ جل شانہ کو کسی صورت میں منظور نہیں، اسلامی شریعت نے نہایت جزم اور سختی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا ہے اور اس کو اسلامی شریعت، مسلمانوں کا شعار اور دین کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔

{قَاتِلُوا تَائِبُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخِذُوا كُمُ فِي الدِّينِ} (سورة التوبة: ۱۱)

ترجمہ: "اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔"

جو اس کا منکر ہو گا یا اس کی ادائیگی سے جان بوجھ کر روگردانی کرے گا وہ اسلام کے دائرہ سے خارج اور جمہور امت سے علیحدہ سمجھا جائیگا، چنانچہ یہی وہ منکرین زکوٰۃ تھے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ترین شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھلے طریقے پر قتال کیا تھا اور اس قتال میں تمام صحابہ ان کے ساتھ تھے اور اس اقدام پر ان سب کا اجماع تھا۔

(ماخوذ از مالیت کا اسلامی نظام)

مال خرچ کرنے کے آداب

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو شخص زکوٰۃ کو آخرت کے واسطے ادا کرنا چاہے اس کے لئے کچھ آداب ہیں، کچھ قواعد ہیں ان کی رعایت کرنا چاہئے، امام غزالی نے آٹھ آداب ذکر فرمائے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اس کو سمجھے کہ زکوٰۃ کیوں فرض ہوئی کیوں اس کو اسلام کا رکن قرار دیا گیا اس کی تین وجہیں ہیں:

۱۔ ایک مسلمان کے کلمہ کا اقرار کر لینے اور اللہ تعالیٰ کو معبود مان لینے کے بعد اپنے دل میں اختیاری طور پر اس پاک ذات کی محبت کے اوپر کسی چیز کی گنجائش نہ رہے اور مال ہر شخص کو بالطبع محبوب ہوتا ہے اس لئے اللہ سے محبت اور اس کی تہا معبودیت کے اقرار میں امتحان کی کسوٹی کے طور پر مال کا خرچ کرنا فرض کیا گیا۔

ب زکوٰۃ سے آدمی کو صفت بخل سے پاک کرنا مقصود ہے جو بڑی مہلک چیز ہے۔

ت یہ اللہ تعالیٰ شانہ کی نعمت مال کا شکرانہ۔

۲. اس کی ادائیگی میں بہت عجلت کرے کہ اس کے واجب ہونے کے وقت سے پہلے ہی ادا کرے کہ اس میں حق تعالیٰ شانہ کے انتہائی حکم میں رغبت کا اظہار ہے۔

۳. زکوٰۃ کو مخفی طور پر ادا کرے کہ اس میں اظہار شہرت سے امن ہے اور لینے والے کی پردہ پوشی ہے۔

۴. اگر کوئی دینی مصلحت اظہار کی ہو مثلاً دوسروں کو ترغیب مقصود ہو یا دوسرے لوگ اس کے فعل کا اتباع کرتے ہوں یا کوئی اور دینی مصلحت ہو تو اس وقت اظہار افضل ہو گا۔

۵. اپنے صدقہ کو من و اذی سے برباد نہ کرے، من کے معنی احسان رکھنے کے ہیں یعنی جس پر صدقہ کیا ہے اس پر اپنے صدقے کا احسان جتلا نا اور اذی کے معنی تکلیف کے ہیں یعنی اس کو کسی اور طرح کی اذیت اس گنڈ پر پہنچائے کہ یہ اپنا دست نگر ہے، محتاج ہے۔

۶. اپنے صدقہ کو حقیر سمجھے، اس کو بڑی چیز سمجھنے سے عجب پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

۷. اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرنے کیلئے بالخصوص زکوٰۃ کے ادا کرنے میں جو اس کا اہم حکم اور فریضہ ہے بہتر سے بہتر مال خرچ کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود طیب ہیں اور طیب ہی مال کو قبول فرماتے ہیں۔

۸. اپنے صدقہ کو ایسے موقع میں خرچ کرے جس سے اس کا ثواب بڑھ جائے۔

مصارف مال کی صفات

چھ صفات ایسی ہیں کہ جس کے اندر ان میں سے ایک بھی صفت ہو اس کو دینے سے ثواب بہت بڑھ جاتا ہے اور جس میں جتنی صفات زیادہ ہوں گی اتنا ہی اجر بھی زیادہ ہو گا اور ثواب کے اعتبار سے اتنا ہی صدقہ بڑھ جائے گا وہ صفات یہ ہیں:

(۱) متقی پرہیزگار ہو، دنیا سے بے رغبت ہو، اور آخرت کے کاموں میں مشغول ہو۔

(۲) اہل علم ہو۔

(۳) وہ شخص اپنے تقویٰ اور اپنے علم میں حقیقی موحد ہو۔

(۴) جس پر صدقہ کیا جائے وہ اپنی حاجات اور ضرورتوں کا اخفاء کرنے والا ہو۔

(۵) آدمی عیال دار ہو یا کسی بیماری میں مبتلا ہو یا کسی ایسے سبب میں گرفتار ہو کہ کما نہیں سکتا۔

(۶) رشتہ دار ہو کہ اس میں صدقہ کا ثواب علیحدہ ہے اور صلہ رحمی کا علیحدہ۔

یہ صفات اس شخص میں مطلوب ہیں جس پر خرچ کیا جائے نیز ہر صفت میں کمی بیشی کے اعتبار سے درجات کا بہت تفاوت ہے، یعنی مثلاً تقویٰ کی اعلیٰ قسم اور ادنیٰ قسم میں زمین و آسمان کا فرق ہے، قرابت ایک بہت قریب کی ہے اور ایک بہت

دور کی، اسی طرح دوسرے اوصاف بھی ہیں، لہذا ہر صفت میں اعلیٰ درجہ کی تلاش اہم ہے اور اگر کسی شخص میں یہ ساری صفات موجود ہوں تو وہ شخص بڑی غنیمت ہے اس پر اپنی کوئی چیز خرچ ہو جانے کی بڑی کوشش کرنی چاہئے اور ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونے والے کی کوشش اور تلاش کرنی چاہئے۔

(از فضائل صدقات ص ۳۴۳ بالاختصار)

ساتویں فصل: مال خرچ کرنے کی مقدار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال پاس رکھنے کی چیز ہی نہیں ہے اور جہاں تک ممکن ہو اس کو دوسروں پر خرچ کر دیا جائے، ان حضرات کی سیرت مبارکہ اور ارشادات سے خرچ کرنے کی مختلف مقداریں منقول ہیں، جن کو مختصر ایوں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱. ایثار
۲. عفو
۳. نصف
۴. تہائی
۵. دسواں حصہ
۶. حسب استطاعت
۷. زکاۃ و عشر

۱. ایثار (اپنی ضرورت کو قربان کرنا اور دوسرے کی پوری کرنا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اپنی بیبیوں کو پیغام بھیجا، تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں پانی کے سوا کچھ نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اس مہمانی کون کرے گا، ایک انصاری نے عرض کیا میں کروں گا، تو وہ اس کو اہل خانہ کے پاس لے گئے، گھر والی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر کرو، اس نے کہا کہ ہمارے پاس تو صرف بچوں کے حصے کا کھانا پڑا ہے، انہوں نے کہا کہ کھانا تیار کرو، چراغ روشن کر دو، بچوں کو سلا دو، تو جب کھانے لگے تو اس نے کھانا بنایا چراغ روشن کر دیا اور بچوں کو سلا دیا، پھر بیوی اٹھی چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے اسے گل کر دیا، اور وہ ایسے دونوں مہمان کے سامنے ایسے ظاہر کرنے لگے، جیسے وہ اس کے ساتھ کھا رہے ہیں، وہ خود بھوک کی وجہ سے ساری رات تڑپتے رہے، صبح صاحب خانہ اور مہمان دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات تم دونوں میاں بیوی کے کام سے خوش ہو کر ہنستے رہے، تو اس پر آیت نازل ہوئی:

[وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ] (المشر: ۹)۔

ترجمہ: وہ دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا، تو ایسے لوگ مراد پانے والے ہیں (یعنی اپنی بھوک کی ضرورت کو پورا کرنے کی بجائے اپنے کھانے کی چیزیں دوسروں کو کھلا دیتے ہیں)۔

غزوہ تبوک میں حضرت ابو کر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے تمام مال کو راہ خدا میں لگانے کا واقعہ آئندہ سطروں میں آ رہا

ہے۔

۲. عفو (ضرورت سے زائد آمدنی کو دوسروں پر لگانا)

ہر آدمی اپنی ضروریات کو سادگی کے ساتھ اور بغیر فضول خرچی کے، پوری کرے، البتہ ضرورت سے زائد آمدنی کو دوسروں پر خرچ کر دے،

[وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَفْوُ] (البقرة: ۲۱۹)

ترجمہ: "اور وہ یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں، کہہ دو جو ضرورت سے زیادہ ہو"۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے آدم کے بیٹے تو ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دے یہ تیرے لئے بہتر ہے، اور تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے برا ہے، اور بقدر کفایت روکنے پر ملامت نہیں، اور خرچ کرنے میں جن کی روزی تیرے ذمہ ہے ان سے ابتداء کر (کہ ان پر خرچ کرنا دوسروں سے مقدم ہے)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کو کبھی ادھر کبھی ادھر لے جاتے تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس سواری زائد ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس توشہ زائد ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں، حتیٰ کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آدمی کا اپنی ضرورت سے زیادہ میں کوئی حق ہی نہیں (ابوداؤد)۔ ان صاحب کا اپنی اونٹنی کو ادھر ادھر پھرانا یا اس پر تفاخر اور بڑائی کی وجہ سے تھابت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آئندہ ارشاد کے مخاطب یہی صاحب ہیں اور حاصل یہ ہے کہ ضرورت سے زائد چیز تفاخر کے لئے نہیں ہوتی، دوسروں کی اعانت کے لئے ہوتی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پھرانا اس کی ناگفتہ بہ حالت دکھانے کے واسطے صورت سوال تھا، اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کے مخاطب دوسرے حضرات ہیں۔

۳. نصف (مال کا نصف دوسروں پر لگانا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ میں نے کہا آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے اگر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا، یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا اس میں سے آدھا لے آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا میں نے عرض کیا کہ چھوڑا آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر کیا چھوڑا، میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑا آیا، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا، انہوں نے فرمایا ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا آیا، یعنی اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت اور ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑا آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

۴. تہائی (آمدنی کا ایک تہائی دوسروں پر خرچ کرنا)

اپنی آمدنی کی ایک تہائی اپنے اور اپنے بچوں پر اور ایک تہائی اپنے معاشی ذریعے یعنی زمین، کاروبار وغیرہ پر اور ایک تہائی دوسروں پر خرچ کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک جنگل میں تھا، اس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سنی کہ فلاح شخص کے باغ کو پانی دے، اس آواز کے بعد فوراً وہ بادل ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین میں خوب پانی برسا، اور وہ سارا پانی ایک نالے میں جمع ہو کر چلنے لگا، یہ شخص جس نے آواز سنی تھی، اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ وہ پانی ایک جگہ پہنچا جہاں ایک شخص کھڑا ہوا پیلچے سے اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا۔ اس نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے وہی نام بتایا، جو اس نے بادل میں سے سنا تھا، پھر باغ والے نے اس سے پوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں دریافت کیا اس نے کہا میں نے اس بادل میں جس کا پانی یہ آ رہا ہے یہ آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے اور تمہارا نام بادل میں سنا تھا، تم اس باغ میں کیا کام ایسا کرتے ہو (جس کی وجہ سے بادل کو یہ حکم ہوا کہ اس کے باغ کو پانی دو) باغ والے نے کہا کہ جب تم نے یہ سب کہا تو مجھے بھی کہنا پڑا، میں اس کے اندر جو کچھ پیدا ہوتا اس کو دیکھتا ہوں (اور اس کے تین حصے کرتا ہوں) ایک حصہ یعنی تہائی تو فوراً اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے اہل و عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ کی ضروریات میں لگا دیتا ہوں۔"

(مسلم، مشکوٰۃ، فضائل صدقات ص ۸۸)

ابو وائل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرینہ کی طرف بھیجا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں وہاں جا کر وہ عمل اختیار کروں جو بنی اسرائیل کا ایک نیک مرد کرتا تھا کہ ایک تہائی صدقہ کر دوں اور ایک تہائی

اس میں چھوڑ دوں اور ایک تہائی ان کے پاس لے آؤں (کنز، فضائل صدقات) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اس نسخہ پر عمل فرماتے تھے۔

حضرت نعمان بن حمید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ماموں کے ساتھ مدائن شہر میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ گھجور کے پتوں سے کچھ بنا رہے تھے، میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک درہم کے گھجور کے پتے خریدتا ہوں، پھر ان کا کچھ بنا کر تین درہم میں بیچ دیتا ہوں اور پھر ایک درہم کے دوبارہ پتے خریدتا ہوں اور ایک درہم اپنے اہل و عیال پر خرچ کر دیتا ہوں اور ایک درہم صدقہ کر دیتا ہوں، اگر (امیر المؤمنین) حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ بھی مجھے اس سے روکیں گے تو میں نہیں رکوں گا (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدائن کے گورنر تھے)۔

(حیۃ الصحابہ ج: ۲، ص: ۲۳۹، بحوالہ ابن سعد ج: ۴، ص: ۶۴)

۵. دسواں حصہ (آمدنی کا دسواں حصہ دوسروں پر لگانا)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تین شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس سو دینار (اشرفیاں) تھے میں نے ان میں سے دس دینار اللہ کے واسطے صدقہ کر دیئے، دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس دس دینار تھے، میں نے ایک دینار صدقہ کر دیا، تیسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک ہی دینار تھا، میں نے اس کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تینوں کا ثواب برابر ہے، اس لئے کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے۔

(فضائل صدقات، ص: ۱۴۴)

۶. حسب توفیق واستطاعت دوسروں پر لگانا

زکوٰۃ کی ادائیگی جو کہ فرض ہے، کے علاوہ حسب استطاعت جتنی توفیق ہو، صدقات و خیرات کی مد میں دوسروں پر لگائے اور آمدنی کا باقی حصہ خود استعمال میں لائے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

[لِيَنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ

اللَّهُ بَعْدَ غَلْظٍ لِّسْرًا] (الطلاق: ۷)

ترجمہ: "کہ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے، جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ اللہ جل شانہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے موافق خرچ کرے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے موافق، کیونکہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (اور غریب آدمی خرچ کرتا ہو اس سے نہ ڈرے کہ پھر بالکل ہی نہیں رہے گا) اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی ہی فراغت بھی دیدے گا۔"

اسلامی تعلیمات میں یہ واضح ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی جتنا ہو سکے اپنے مال کو دوسروں پر لگانے کا حکم ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ پہلے انفاق کا حکم کر کے پھر اسی آیت میں الگ سے زکوٰۃ کا بھی حکم کیا ملاحظہ فرمائیں: [وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقْلَافَ الصَّلَاةِ وَآتَى الزَّكَاةَ] (البقرہ: ۱۷۷)

ترجمہ: "اور مال باجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کیا کریں، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں"

اس آیت کریمہ میں پہلے انفاق کا حکم تفصیل سے کیا گیا ہے کہ مال کو یتیمی مساکین وغیرہ پر خرچ کرے اور اس کے بعد زکوٰۃ کا حکم الگ ہے جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ اپنی جگہ واجب ہے اور دوسروں پر الگ سے خرچ کرنا الگ ضروری ہے۔

(فضائل صدقات ص ۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے (پھر اپنے اس ارشاد کی تائید میں سورہ بقرہ کے بایسویں رکوع کی آیت) لیس البر ان تولوا وجہکم قبل المشرق والمغرب آخر تک تلاوت فرمائی۔

(ترمذی، ابن ماجہ، فضائل صدقات، ص ۱۰۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت شریفہ سے یہ تجویز فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے اور یہ تجویز اس وجہ سے ظاہر ہے کہ آیت شریفہ میں اپنے مال کو رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی، یتیموں پر، غریبوں پر، مسافروں اور سوال کرنے والوں پر خرچ کرنے کی، قیدیوں اور غلاموں وغیرہ کی گردن چھڑانے میں خرچ کرنے کی مستقل علیحدہ ترغیب دی ہے اور اس سب کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کو علیحدہ ذکر فرمایا۔

مسلم بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نمازیں دو ہیں (ایک فرض ایک نفل) اسی طرح زکوٰۃ میں بھی دو ہیں (ایک نفل دوسری فرض) اور قرآن پاک میں دونوں مذکور ہیں، میں تم کو بتاؤں، لوگوں کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ آیت شریفہ پڑھی اور ابتدائی حصہ پڑھ کر جس میں مال کا موقع مذکور پر خرچ کرنا مذکور ہے فرمایا کہ یہ تو سب کا سب نفل ہے، اس کے بعد زکوٰۃ کا ذکر پڑھ کر فرمایا، کہ یہ فرض ہے۔ (در منشور) علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں حق سے مراد یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو محروم نہ رکھے، قرض مانگنے والے کو محروم نہ کرے، اپنے گھر کا معمولی سامان مستعار مانگنے والوں کو انکار نہ کرے، مثلاً ہانڈی پیالہ وغیرہ کوئی عاریتاً ملے تو اس کو نہ روکے، پانی اور نمک اور آگ کو لوگوں کو انکار نہ کرے۔

(فضائل صدقات ص ۱۰۸)

۷. زکوٰۃ و عشر

کم از کم فریضہ زکوٰۃ جو مال کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے اور عشر وغیرہ جن کا خرچ کرنا فرض ہے، کو ہر حال میں مصارف پر صرف کرے اور باقی مال اپنے کام میں لائے۔ زکوٰۃ ادا کرنا اسلام کے ارکان میں سے اہم ترین رکن ہے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے پاک کلام میں مشہور قول کے موافق بیسی جگہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا حکم فرمایا اور جہاں جہاں صرف زکوٰۃ کا حکم ہے وہ ان کے علاوہ ہے نماز پر بندے کو دونوں جہاں کی فلاح و کامیابی مولا اور آقا کے دربار سے ملتی ہے، دین و دنیا دونوں ہی عطا ہوتی ہیں اس لئے زکوٰۃ گویا اس کا مکملہ اور تتمہ ہے کہ ہمارے دربار سے جو عطا ہو، اس میں سے نہایت قلیل مقدار یعنی ڈھائی فی صد ہمارے نام لیوا فقیروں کو بھی دیدیا کرو، یہ گویا شکرانہ ہے شاہی دربار کی عطا کا جو عقلی بھی ہے اور فطری بھی، پھر لطف پر لطف یہ ہے کہ اس قلیل مقدار کی ادائیگی پر بھی مستقل اجر ہے، مستقل ثواب ہے اور انعامات کثیرہ کا وعدہ ہے۔

[وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ] (البقرة: ۴۳)

ترجمہ: "اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ (یا رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ)۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا (بہت بڑا مضبوط) پل ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم بھی زکوٰۃ کو روک لیتی ہے حق تعالیٰ شانہ اس کو قحط میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا (بہت بڑا مضبوط) پل ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط الکبیر کذا فی الترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو اس کا شر اس سے جاتا رہتا ہے۔

(طبرانی)

فائدہ: بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے کہ جب تو مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو تو نے اس مال کے شر کو زائل کر دیا (کنز) یعنی مال بہت سے شرور کا سبب ہوتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ اگر اہتمام سے ادا ہوتی رہے تو اس کے شر سے حفاظت رہتی ہے، آخرت کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ پھر اس مال پر عذاب نہیں ہوتا، دنیا کے اعتبار سے اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا مال کے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ مال ضائع ہو جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ نے دولت مندوں پر ان کے مالوں میں اتنی مقدار کو فرض کر دیا ہے جو ان کے فقراء کو کافی ہے اور انہیں مشقت میں ڈالتی فقراء کو جب کہ وہ بھوکے ننگے ہوں مگر صرف یہ بات کہ

ان کے غنی اپنے فریضہ کو روکتے ہیں یعنی پورا ادا نہیں کرتے غور سے سن لو کہ حق تعالیٰ شانہ ان دولت مندوں سے سخت محاسبہ فرمائیں گے اور (فرض کی کوتاہی پر) سخت عذاب دیں گے۔

(طبرانی فی الاوسط)

فائدہ: حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے علام الغیوب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی جو مقدار فرض فرمادی ہے وہ یقیناً اتنی کافی مقدار ہے کہ اگر لوگ اس کو پورا پورا ادا کرتے رہیں اور اصول سے ادا کرتے رہیں تو کوئی شخص بھوکا یا بنگا نہیں رہ سکتا۔

(فضائل صدقات ص ۳۲۰)

یہ اسلامی مالی تعلیمات ہیں جن کی بنیاد پر معاشرے میں مال کی گردش ہوتی ہے، تاکہ

[کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةٌ بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ وَنَحْنُ] (الحشر: ۷)

ترجمہ: "تاکہ وہ مال تمہارے مال داروں کے پاس جمع نہ ہو جائے"

ان تعلیمات پر عمل کرنے سے معاشرے میں مال کی گردش بھی رہتی ہے اور ہر ضرورت مند تک اتنا مال پہنچ جاتا ہے

جو اس کی ضروریات کو کافی ہو جاتا ہے۔

آٹھویں فصل: انفاق کی مختلف صورتیں

انفاق کی صورتوں کے متعلق مولانا یوسف صاحب فرماتے تھے، کہ صرف زکوٰۃ ہی کافی نہیں ہے وہ تو صرف بخل سے نکلنے کا ذریعہ ہے، بلکہ صدقات اور اس کے علاوہ خیر کے کاموں پر خرچ کرنے اور ہدیہ دینے کا رواج ڈالنا ہوگا، صدقہ ہے اگلے کے محتاج ہونے کی وجہ سے اس پر ترس کھا کر اور ہدیہ ہے اگلے کے اکرام کے لئے تو ہدیہ زیادہ اولیٰ ہے کہ مسلمان کے محتاج ہونے سے قبل اس کی مدد کی جائے، اور ہدیہ کے ذریعے امت میں جوڑ محبت اور دوسرے کے کام آنے اور اس کی مدد و معاونت وغیرہ جیسی صورتوں کو زندہ کر کے امت میں بھائی چارے کا رواج ڈالنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والا معاشرہ زندہ کرنا ہوگا۔

انفاق کی مختلف صورتیں ہیں مجملہ ان کے درج ذیل ہیں:

- قرض
- ہدیہ
- وقف
- وصیت

(۱) قرض کی فضیلت اور اس کے متعلق ہدایات

حاجت مند اور ضرورت مند کو قرض دینا اس کی مدد ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اجر و ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے، اسی کے ساتھ قرض کے بارے میں سخت وعیدیں بھی ہیں:-

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔

(معجم کبیر طبرانی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے جبریل سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوا کرتا ہے اور صدقہ لے لیا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک غریب مگر شریف و عقیف بندہ انتہائی حاجت مند اور گویا اضطراب کی حالت میں ہوتا ہے لیکن نہ کسی سے سوال کرتا ہے اور نہ صدقہ خیرات لینے کے لئے اس کا دل آمادہ ہوتا ہے، ہاں وہ اپنی

ضرورت پوری کرنے اور بچوں کا فاقہ توڑنے کے لئے قرض چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو قرض دینا صدقہ سے افضل ہوگا۔ نیز خود راقم سطور کا تجربہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی ضرورت مند کی زکوٰۃ خیرات سے مدد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن اس کو قرض دینے پر ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا ان کے لئے اس حدیث میں خاص سبق ہے۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے جو (ابن ماجہ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے) یہ بھی اشارہ ملا کہ صدقہ کے مقابلہ میں وہی قرض افضل ہے جو کسی حاجت مند کو اس کی حاجت رفع کرنے کے لئے دیا جائے۔

(معارف الحدیث ج ۷، ص ۹۰)

قرض کا معاملہ بڑا سنگین اور اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو اصحاب وسعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں اور اس کی ادائیگی کے لئے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت وہ ادا کرے اور نادار مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جز معاف کر دیں اور اس کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا اور دوسری طرف قرض لینے والوں کو آگاہی دی کہ وہ جلد سے قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں، اگر خدا نخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو آخرت میں اس کا انجام ان کے حق میں بہت برا ہوگا کبھی بھی آپ نے اس کو سنگین ترین اور ناقابل معافی گناہ بتلایا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی بیت کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو اس نے ادا نہیں کیا ہے تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا، ظاہر ہے کہ یہ آپ کی طرف سے آخری درجہ کی تنبیہ تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ سختی سے منع فرمایا ہے (جیسے شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کے لئے سامان چھوڑ نہ گیا ہو۔

(مسند احمد سنن ابی داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ کی روح اس کے قرضہ کی وجہ سے بچ میں معلق اور رکی رہتی ہے جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دیا جائے جو اس پر ہے۔

(مسند شافعی، مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند راوی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ ایسی حالت میں دنیا سے گیا جس کو ایمان بھی نصیب ہے اور اعمال صالحہ بھی اس کے اعمال نامہ میں ہیں جو نجات اور جنت کا وسیلہ بنتے ہیں لیکن اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو وہ ادا کر کے نہیں گیا اور اس معاملہ میں اس نے غفلت اور کوتاہی کی تو جب تک کہ اس کی طرف سے قرضہ ادا نہ ہو جائے وہ راحت و رحمت کی اس منزل اور مقام تک نہیں پہنچ سکے گا جو مومنین صالحین کے لئے مدعو ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتلایئے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اور اللہ رضا اور ثواب آخرت کی طلب ہی میں جہاد کروں اور مجھے اس حالت میں شہید کر دیا جائے کہ میں پیچھے نہ ہٹ رہا ہوں بلکہ پیش قدمی کر رہا ہوں تو کیا میری اس شہادت اور قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف کر دے گا؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرمادے گا۔ پھر جب وہ آدمی آپ سے یہ جواب پا کر لوٹنے لگا تو آپ نے اس کو پھر پکارا اور فرمایا ہاں (تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے) سوائے قرضہ کے یہ بات اللہ کے فرشتہ جبرئیل امین نے اسی طرح بتلائی ہے

(صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ راہ خدا میں شہید ہونا ایسا مقبول عمل ہے کہ وہ آدمی کے سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اس کی برکت سے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور بخش دیئے جاتے ہیں لیکن اگر اس پر کسی بندہ کا قرضہ تھا تو اس کے حساب میں وہ گرفتار بلا رہے گا کیونکہ وہ حق العبد ہے، اس سے نجات اور رہائی کی صورت یہی ہے کہ وہ قرضہ ادا کیا جائے، (یا جس کا قرضہ ہے بوجہ اللہ معاف کر دے) آگے درج ہونے والی دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت سے معلوم ہوگی کہ اس معاملہ میں اللہ کا قانون کس قدر بے لاگ اور سخت ہے۔

(تشریح) بظاہر ان حدیثوں اور وعیدوں کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ قرضہ کے ادا نہ کرنے میں بدینتی یا غفلت ولا پرواہی کا دخل ہو اگر ادا کرنے کی نیت تھی اور فکر مند بھی تھا لیکن بے چارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ عند اللہ معذور ہو گا۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی لوگوں سے (قرض ادھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کر دے گا۔ (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر زندگی میں وہ ادا نہ کر سکا تو آخرت میں اس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو سبکدوش فرمادے گا) اور جو کوئی کسی سے (قرض ادھار) لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف اور تباہ ہی کر دے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ اس بد نیت آدمی کو لینا نہ ہو گا اور آخرت میں اس کے لئے وبال عظیم ہو گا)

(صحیح بخاری) (معارف الحدیث ج ۷ ص ۹۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قرض تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ ادا فرمایا تو (میری واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا۔

(سنن ابوداؤد)

(تشریح) قرضدار کا ادائیگی کے وقت اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کرنا جائزہ بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ چونکہ یہ کسی شرط اور معاہدہ کی بناء پر نہیں ہوتا اس لئے یہ (ربو اسود) نہیں بلکہ تبرع اور احسان ہے۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کو بتلانے اور رواج دینے کی ضرورت ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۰۱)

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیا، پھر آپ کے پاس سرمایہ آگیا تو آپ نے مجھے عطا فرما دیا اور ساتھ ہی مجھے دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ قرض کا بدلہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور قرض دینے والے کی تعریف اور شکر یہ ادا کیا جائے۔

(سنن نسائی)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرض بھی لیتے تھے اور ادائیگی کے وقت کے اصول پر حق واجب سے زیادہ اور بہتر ادا فرماتے تھے اور دعائے خیر سے بھی نوازتے تھے۔ آخری حدیث میں چالیس ہزار قرض لینے کا ذکر ہے۔ بظاہر اس سے مراد چالیس ہزار درہم ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات آپ بڑی بڑی رقمیں بھی قرض لیتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے قرضے آپ جہاد وغیرہ دینی مہمات ہی کے لئے لیتے ہوں گے ورنہ آپ اور آپ کے اہل و عیال کی معیشت کا حال تو یہ تھا کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کبھی دو دن متواتر پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی اور بسا اوقات فاقوں کی نوبت آتی تھی اور مہینوں گھر میں چولہا گرم نہیں ہوتا تھا صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۰۲)

قرض سے متعلق مسنون دعائیں

(۱) مقروض ہونے سے حفاظت کیلئے دعائیں

"أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالذَّلِيلِ"

ترجمہ: "میں کفر اور قرض سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

(حسن حسین)

"اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْبَةِ الدَّيْنِ وَعِلْبَةِ الْعَدُوِّ وَسَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ"

ترجمہ: "اے اللہ! میں قرض کے بوجھ، دشمن کے غلبہ اور دشمنوں کی ہنسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

(حسن حصین)

(ب) قرض میں گرفتار ہونے کے وقت

"اَللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْمَلِكُ، تُؤْتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ رَحِمَنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، تُعْطِيهِمَا مَنْ تَشَاءُ وَتَقْضِي عَنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ، اَرْحَمَنِي رَحْمَةً تُغْنِيَنِي بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ"

ترجمہ: "اے اللہ! (سارے) ملک کے مالک، تو ہی جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے، اور تو ہی جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے، تو ہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو ہی جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، (ہر طرح کی) خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں (قبضہ قدرت میں) ہے، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے، (اے) دنیا اور آخرت میں بہت بڑے رحم کرنے والے! تو جس کو چاہتا ہے دنیا اور آخرت (کی نعمتیں) دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کو دونوں سے منع (محروم) کر دیا ہے۔ تو مجھے پر وہ رحمت (خاصہ) فرما کہ اس کے ذریعے تو مجھے اپنے ماسویٰ کی رحمت سے بے نیاز فرما دے۔"

(حسن حصین)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ نے جمعہ کے دن نہیں پایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا اے معاذ کیا بات ہے کہ میں تم کو نہیں دیکھ رہا تھا؟ کہا اے اللہ کے رسول، ایک یہودی کا ایک اوقیہ سونا قرضہ ہے، میں نکلا تو اس نے مجھے روک لیا۔ آپ نے فرمایا اے معاذ میں ایسی دعائے سکھادوں کہ تم اس کو پڑھو گے تو جبل صیر کے برابر بھی قرضہ ہو گا تو ادا ہو جائے گا۔ یہ (درج ذیل) دعا پڑھو اے معاذ:-

"قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ يَبِيدُكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُؤَلِّمُ الْيَلَّ فِي الْكَهَارِ وَتُؤَلِّمُ الْكَهَارُ فِي الْيَلِّ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَنْزِفُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ رَحْمَنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا تُعْطِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ مَا وَتَمْنَعُ مَنْ تَشَاءُ ۝ اِنْ كُنْ فِي رَحْمَةٍ تُخَيِّرُنِي بِهَا مَنْ عَنْ رَحْمَةٍ مَنْ سَوَاكَ"

ترجمہ: "تو کہدے یا اللہ سلطنت کے مالک تو سلطنت دیدے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لے جس سے چاہے اور عزت دے دے جس کو چاہے اور ذلیل کر دے جس کو چاہے سب خوبی تیرے ہاتھ ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں یعنی کبھی رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی اس کا عکس کرتا ہے اور تو نکالتا ہے زندہ مردہ سے اور مردہ زندہ سے (جیسے مرغی بیضہ سے اور بیضہ مرغی سے) اور جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ دنیا و آخرت میں بڑی بڑی ہر قسم کی رحمتیں کرنے والے (اللہ) جسے تو چاہتا ہے اس میں سے روک لیتا ہے، پس تو ہی مجھ پر ایسی رحمت فرما جو مجھ کو تیرے سوا سب سے بے نیاز کر دے۔"

ابن ابی الدنیا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ اگر تیرے ذمہ ساری زمین کے برابر سونا ہے واللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو بھی ادا فرمادیں گے۔

(الحسن الاعظم ص ۱۱۰ اذاعا ۱۲)

"اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَرَبِ وَالْخُرْبِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَقَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ"

ترجمہ: "اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں فکر سے غم سے اور تیری پناہ لیتا ہوں عاجز ہونے سے اور کالی سے اور تیری پناہ لیتا ہوں بزدلی سے اور بخل سے اور تیری پناہ لیتا ہوں قرض کے دباؤ سے اور لوگوں کے جور و ستم سے۔"

حضرت ابو سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری صحابی جن کو ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے ابو امامہ کیا بات ہے تم کو نماز کے وقت کے علاوہ مسجد میں بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے تفکرات اور قرضے میرے ذمہ پڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کیا میں تمہیں دعائے بتاؤں جسے پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ تمہارے تفکرات کو دور فرمائے گا اور تمہارے قرض عطا فرمادے گا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمائیں اس پر آپ نے یہ دعائے بتائی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ الْخَمِّ" فرمایا اس کو صبح و شام پڑھ لیا کرو۔ ان صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اس پر عمل کیا تو اللہ پاک نے میری فکر و مندی دور فرمادی اور قرض بھی ادا فرمادیا۔

(الحسن الا عظم ص ۲۱۶ ذع ۸۸)

"اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِیْ حِلَالِیْكَ عَنْ حَرَامِیْكَ وَاعْزِنِیْ بِفَضْلِیْكَ عَمَّا سِوَاكَ"

ترجمہ: "اے اللہ حرام کے بدلے تو مجھے میری ضرورت کے مناسب حلال روزی عطا فرما اور

اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے۔"

جبل احد کے برابر بھی قرض ہو تو اس دعا کی برکت سے ادا ہو جائے گا۔

ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک مکاتب غلام آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں مکاتب کا معاوضہ ادا کرنے سے قاصر ہوں، آپ میری مدد فرمائیں۔ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں وہ دعا کیوں نہ بتا دوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ اگر تم پر جبل احد کے برابر بھی قرض ہو گا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ اسے ادا فرمادے گا۔ اس نے کہا: آپ یہ ضرور مجھے سکھادیں، چنانچہ آپ نے یہ دعائے بتائی: "اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِیْ الْخَمِّ"

اس حدیث شریف کو امام حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم کی تائید کی ہے اس حدیث کی سند میں عبد الرحمن بن اسحاق قرشی ایک راوی ہیں جنہیں بعض ضعیف اور بعض ثقہ کہتے ہیں۔ مسند احمد میں جبل احد کے بجائے جبل صیر کا ذکر ہے یہ پہاڑ طے کے علاقہ میں

واقع ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہی حدیث حسن غریب ہے۔ مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں، جس نے اپنے آقا سے اس شرط پر آزاد ہونے کا معاہدہ کر لیا ہو کہ وہ آقا کو اتنی رقم یا مال مہیا کر دے گا۔

(الحسن الاعظم ص ۳۰۴ ذعنا ۱۴۳ فائدہ ص ۴۰۵)

"اللَّهُمَّ فَإِجْزِ اللَّهُمَّ كَأَشْفِ الْعَمْرُ مُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّينَ رَحْمَنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَرَحِيمَهُمَا أَنْتَ تَرْحَمُنِي فَأَرْحَمْنِي بِرَحْمَةٍ تُغْنِينِي بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ"

ترجمہ: "اے اللہ فکر کے دور کر نیوالے، رنج کے زائل کر نیوالے، مجبوروں کی پکار سننے والے، اے دنیا اور آخر میں سب سے بڑے مہربان اور رحم کھانے والے بس وہی مجھ پر رحم فرمائے گا، تو مجھ پر ایسی رحمت فرما دے کہ تیرے سوا مجھے کسی دوسرے کی مہربانی کی ضرورت نہ رہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا سکھائی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ مریم علیہ السلام اپنے اصحاب کو سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر تم میں سے کسی پر سونے کے پہاڑ بھی قرض ہو گا، اس سے دعا کرو گے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ پورا کر دے گا: "اللَّهُمَّ فَإِجْزِ اللَّهُمَّ الخ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میرے ذمہ حضرت فاطمہ بن عمیس کے تین دینار اور تین درہم کا قرض تھا۔ وہ جب بھی میرے پاس آتی تھیں تو میں ان کو نظر اٹھا کر دیکھنے سے کتراتی تھی، کیونکہ ان کے قرض کی ادائیگی کے لیے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں یہ دعا پڑھتی تھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھے ایسا رزق عطا فرمایا جو صدقہ بھی نہ تھا جو مجھے دیا گیا ہو اور میراث بھی نہ تھی جو مجھے ملی ہو۔ غرض اللہ تعالیٰ جل شانہ نے میرا قرض اتروا دیا اور میں نے اپنے گھر والوں میں بھی اس کو تقسیم کیا اور (اپنے بھائی) عبدالرحمن کی بیٹی کو بھی تین اوقیہ چاندی کا زیور دیا اور پھر بھی کچھ باقی بچ گیا۔

(الحسن الاعظم ص ۳۰۶ ذعنا ۱۴۳ فائدہ ص ۳۰۷)

قرض کی ادائیگی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے۔

مسلم بن یسار فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہوتی تھی:

"اللَّهُمَّ فَالِقَ الْإِصْبَاحِ وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا اقْضْ عَنِّي الدَّيْنَ
وَأَعِنِّي مِنَ الْفَقْرِ وَأَقْتِنِي بِسَمْعِي وَبَصَرِي وَفُؤِّي فِي سَبِيلِكَ"

ترجمہ: "اے اللہ پیدا کرنے والے صبح کو اور رات کو راحت بنانے والے اور سورج اور چاند کو
حساب سے چلانے والے ادا کر تو میرا قرض اور غنی کر مجھ کو محتاجی سے اور فائدہ دے مجھے کو
میرے کان اور آنکھ سے اور میرے قوت سے اپنی راہ میں۔"

موطا امام مالک میں یہ دعا حضرت یحییٰ بن سعید سے مروی ہے۔

(الحسن الاعظم ص ۵۵۱ دعا ۳۱۰ فائدہ ص ۵۵۲)

(ج) کسی قرضدار سے قرض وصول ہونے کے وقت کی دعا

أَوْفَيْتَنِي- أَوْفَى اللَّهُ بِكَ يَا وَفَى اللَّهُ بِكَ يَا أَوْفَاكَ اللَّهُ

تم نے میرا پورا قرضہ کر دیا اللہ تمہیں اس کا پورا اجر دے۔ یا۔ اللہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے۔

(حسن حصین)

(۲) ہدیہ تحفہ دینا، لینا

تمدنی زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کر دی جائے۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ اس کی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دلوں میں
محبت والفت اور تعلقات میں خوشگواہی پیدا ہوتی ہے جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت
وسکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق خاطر ظاہر کرنے کے لئے دیا جائے اور اس
کے ذریعہ رضائے الہی مطلوب ہو، جس کی درج ذیل صورتیں ہیں:-

• یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے۔

- اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ ازدیاد محبت کا وسیلہ ہے۔
- اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی تطہیب خاطر کا ذریعہ ہے۔

• اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے اور "نذرانہ" ہے۔

• اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہو گا صدقہ ہو گا۔

ہدیہ جب ہی ہو گا اس جبکہ اس کے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلق خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اس کے ذریعے رضائے الہی مطلوب ہو۔ ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہو گا۔ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ شکر یہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن صدقہ خود استعمال نہیں فرماتے تھے، دوسروں ہی کو مرحمت فرمادیتے تھے۔

افسوس ہے کہ امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کے لین دین کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے بعض خاص حلقوں میں بس اپنے بزرگوں، عالموں، مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں وغیرہ کے ہاں ہدیہ بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب میں محب و الفت اور تعلقات میں خوشگوار اور زندگی میں چین و سکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضائے الہی حاصل کرنے کے لئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا "نسخہ کیمیا" تھا۔ اس تمہید کے بعد ہدیہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل چند ارشادات پڑھیے!

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۷۰)

ہدیہ دلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو، ہدیہ سینوں کی کدورت ورنجش دور کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کے لئے بکری کے پائے کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے لئے بکری کے گھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا ہی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اس لئے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کے لئے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیج

دیا جائے۔ واضح رہے کہ یہ ہدایت اس حالت میں ہے جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کرے گی اور اس کو اپنی توہین و تذلیل نہ سمجھے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ماحول ایسا ہی تھا۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۷۰)

ہدیہ کا بدلہ دینا

(۱) ہدیہ کا بدلہ دینے کے بارے میں آپ کا معمول اور آپ کی ہدایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول و دستور تھا کہ آپ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی محب و مخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس ہدیہ دینے والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ آپ نے امت کو بھی اس طرح عمل کی ہدایت فرمائی ہے اور بلاشبہ مکارم اخلاق کا تقاضا یہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ امت میں بلکہ خواص امت میں بھی اس کریمانہ سنت کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۷۲)

(ب) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس بدلہ میں دینے کے لئے کچھ موجود ہو تو وہ اس کو دے دی اور جس کے پاس بدلہ میں تحفہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ بطور شکریہ کے اس کی تعریف کرے اور اس کے حق میں کلمہ خیر کہے جس نے ایسا کیا اس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور احسان کے معاملہ کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہئے

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو ہدیہ کے طور پر خوشبودار پھول پیش کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو قبول ہی کرے ورنہ کرے کیونکہ وہ بہت ہلکی اور کم قیمت چیز ہے اور اس کی خوشبو باعث فرحت ہے

(صحیح مسلم)

(تشریح) پھول جیسی کم قیمت چیز قبول کرنے سے اگر انکار کیا جائے تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بیچارے پیش کرنے والے کو خیال ہو کہ میری کم قیمت ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی گئی اور اس سے اس کی دل شکنی ہو۔ اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ (جس کو خوشبو دار پھول کا ہدیہ دیا جائے اور وہ واپس نہ کرے کیونکہ خوشبو دار پھول جنت کا تحفہ ہے اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول بھی منقول ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔

(ب) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہئے قبول ہی کر لینا چاہئے۔ تکیہ اور تیل اور دودھ۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ان تینوں چیزوں کی خصوصیت یہی ہے کہ دینے والے پر ان کا زیادہ بار نہیں پڑتا اور جس کو دی جائیں وہ ان کو استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جس سے دینے والے کا جی خوش ہوتا ہے۔ اور بھی جو چیزیں اس حیثیت کی ہوں ان کو بھی انہی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

ہدیہ دے کر واپس لینا

1. حضرت عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی آدمی کے لئے یہ جائز اور درست نہیں ہے کہ وہ کسی کو کوئی چیز عطیہ کے طور پر دے دے پھر اس کو واپس لے۔ ہاں اگر باپ اپنی اولاد کو کچھ دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کے لئے واپسی کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اولاد پر بات کا ہر طرح کا حق ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ اور عطیہ کی واپسی کی قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہدیہ اور عطیہ دے کر واپس لے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اس نے ایک چیز کھائی یہاں تک کہ جب خوب پیٹ بھر گیا تو اس کو قے کر کے نکال دیا پھر اپنی اس قے ہی کو کھانے لگا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ہدیہ دے کر واپس لینے کے لئے اس سے زیادہ صحیح اور موثر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

کن لوگوں کو ہدیہ لینا منع ہے

۱ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام وقت یعنی حاکم اور فرمانروا کے ہدیے "غلول" یعنی ایک طرح کی خیانت و رشوت اور ناجائز استحصال کے قبیل سے ہیں

(معجم اوسط للطبرانی)

ب حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی شخص کے لئے (کسی معاملہ میں) سفارش کی تو اگر اس شخص نے اس سفارش کرنے والے کو کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کی ایک بڑی خراب قسم کے گناہ کا مرتکب ہوا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت جابر اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہدیہ وہی قابل قبول ہے جو اخلاص کے ساتھ ہو اور غلط قسم کے اغراض کا شبہ اور شائبہ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لین دین کے سلسلہ کی ان تمام ہدایات کی روح کو سمجھیں اور ان کی پابندی اور پیروی کو اپنی زندگی کا اصول بنائیں۔

(۳) وقف فی سبیل اللہ

ہدیہ اور صدقہ و خیرات جیسے باعث بواث مالی معاملات و تصرفات میں سے ایک وقف بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وقف کے تصور اور طریقہ سے واقف نہیں تھے، آپ ہی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے اس کی تعلیم و ترغیب دی۔ وقف کی حقیقت یہ ہے کہ جائیداد جیسی باقی رہنے والی اپنی کوئی مالیت جس کا نفع جاری رہنے والا ہو اپنی طرف سے مصارف خیر کے لئے محفوظ کر دی جائے۔ اس کی پیداوار یا آمدنی وقف کرنے والے کی منشا کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ مصارف خیر میں صرف ہوتی رہے، اور خود وقف کرنے والا اپنے مالکان حق تصرف سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہوئے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں:-

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے (وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے) اس سے بہتر کوئی مالیت میں نہیں پائی آپ اس کے بارے میں مجھے کیا حکم دیتا ہیں؟۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کر دو اور اس کی پیداوار اور آمدنی کو (صدقہ قرار دے دو۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس کو اسی طرح وقف کر دیا اور فی سبیل اللہ صدقہ قرار دے دیا اور طے فرمادیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو، فقیروں، مسکینوں اور اہل قربت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں۔

اور جو شخص اس کا متولی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے، بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ خیبر جنگ کے نتیجے میں فتح ہوا تھا، وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زر خیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین نے تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گر اندر چیز ہے۔ اور قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے "محبوب و مرغوب چیزیں راہ خدا میں صرف نہ کر دو گے"۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ آیا کہ خیبر کی یہ جائیداد جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس سے بہتر قیمتی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت حاصل کر لوں، لیکن خود فیصلہ نہیں کر سکے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی میرے لئے سب سے بہتر صورت کیا ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ تو آپ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو وقف کر دیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرما دیئے۔ یہ مصارف قریب قریب وہی ہیں جو قرآن پاک میں زکوٰۃ کے بیان میں فرمائے گئے ہیں۔ (سورہ توبہ آیت نمبر ۶۰) آخر میں وقف کے متولی اور اس کا انتظام و اہتمام کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے تو اس میں سے کچھ نہ لے لیکن کھانے پینے اور اپنے اہل و عیال اور مہمانوں وغیرہ کو کھلانے کے لئے اس میں سے بحد مناسب لے سکتا ہے، یہ اس کے لئے جائز ہے۔ (شریعت کے دوسرے ابواب کی طرح وقف کے مسائل بھی کتب فقہ میں دیکھے جائیں)

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۸۲)

(۴) وصیت

مالی معاملات و تصرفات کے ابواب میں سے ایک "وصیت" کا باب بھی ہے۔ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جس کے پاس جائیداد یا کسی شکل میں سرمایہ ہو وہ یہ طے کر دے کہ میری فلاں جائیداد یا سرمایہ کا اتنا حصہ میرے انتقال کے بعد فلاں مصرف خیر میں صرف کیا جائے یا فلاں شخص کو دے دیا جائے۔ شریعت میں اس طرح کی وصیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور اس کے خاص شرائط اور احکام ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گے اور مزید تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اپنے متروکہ مال کے بارے میں اس طرح کی وصیت اگرچہ اللہ

اور ثواب آخرت کی نیت سے کی گئی ہے تو ایک طرح کا صدقہ ہے اور شریعت میں (اس کی ترغیب دی گئی ہے اور اگر کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہے یا اس پر کسی شخص کا قرض ہے یا کسی طرح کا حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے) اور جو بھی وصیت ہو اس کو لکھ کر محفوظ کر دینا چاہئے۔ اس کی چند حدیثیں ذیل میں مطالعہ کی جائیں:-

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان بندے کے لئے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائیداد یا سرمایہ یا امانت اور قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی چاہئے تو درست نہیں کہ وہ دو راتیں گزار دے، مگر اس حال میں کہ اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا، اس کے پاس ہو۔ (صحیح بخاری، و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے اور وصیت نامہ لکھنے یا لکھانے کے لئے اس کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ جب موت قریب نظر آئے گی اس وقت وصیت کر دیں گے۔ بلکہ ہر مرد مومن کو چاہئے کہ وہ ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور اپنا وصیت نامہ تیار رکھے، دو دن بھی ایسے گزرنے نہیں چاہئے کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے۔ معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ کس وقت آجائے۔ حضرت ابن عمر سے اس حدیث کی روایت کرنے والے ان کے خادم نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سننے کے بعد ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرا وصیت نامہ میرے پاس نہ ہو۔

افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کا رواج امت میں اب بہت ہی کم ہے۔ بس خواص بلکہ اخص الخواص کو اس کی توفیق ہوتی ہے، حالانکہ اس میں دنیوی لحاظ سے بھی بہت خیر ہے، وصیت نامہ کے ذریعہ عزیزوں قریبوں اور وارثوں کے درمیان بعد میں اٹھنے والے بہت سے نزاعات اور جھگڑوں کا بھی انسداد ہو سکتا ہے۔ (معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۸۹)

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس نے وصیت کی حالت میں انتقال کیا (یعنی اس حالت میں جس کا انتقال ہوا کہ اپنی مالیت اور معاملات وغیرہ کے بارے میں جو وصیت اس کو کرنی چاہئے تھی وہ اس نے کی اور صحیح اور لوجہ اللہ کی تو اس کا انتقال ٹھیک راستہ پر اور شریعت پر چلتے ہوا، اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگی)۔ (سنن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں وصیت کرنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ (معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۹۰)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی گزارتے رہتے ہیں، پھر جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (حق داروں کو) نقصان پہنچا دیتے ہیں (تو اس ظلم اور حق دار بندوں کی اس حق تلفی کی وجہ سے) ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شرعی وارث موجود ہیں جو اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ کے حق دار ہوں گے، تو یہ آدمی کسی ناراضی وغیرہ کی وجہ سے ان کو محروم کرنے کے لئے کسی غیر آدمی کے حق میں یا کسی خاص مصرف کے لئے وصیت کر دیتا ہے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرتا ہے جس سے وہ وارث محروم ہو جائیں، تو یہ (اس حدیث کے مطابق) اتنا بڑا گناہ اور ایسا ظلم ہے کہ اس کی وجہ سے ساٹھ سالہ اطاعت و فرمانبرداری برباد ہو جاتی ہے اور آدمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ایک تہائی دولت تک کے بارے میں وصیت کرنے کی اجازت ہے لیکن نیک نیتی شرط ہے۔ وارثوں اور حق داروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بہر حال گناہ اور ظلم ہے۔

(معارف الحدیث ج ۷ ص ۱۹۷)

باب نمبر دس

تجارت کی اہمیت و مقصد اور اس کے فضائل

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- پہلی فصل: تجارت کی تعریف و مقصد:-
- دوسری فصل: تجارت کے فضائل و اہمیت:-
- تیسری فصل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خرید و فروخت و تجارت
- چوتھی فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تجارتی بازار و منڈیاں:-

پہلی فصل: تجارت کی تعریف و مقصد

تجارت کی تعریف

تجارت کے لغوی و اصطلاحی معنی

تجارت کا لفظ "تَجَرَّ يَتَجَرَّ" سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں خرید و فروخت کرنا، لہذا تجارت کے لغوی معنی ہو گئے "منافع کے حصول کی غرض سے مال کا ادل بدل کرنا"

(لسان العرب لابن منظور ج: ۴، ص: ۷۹، قاموس المحيط لفيروز آبادی ج: ۱، باب الرءاء)

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیع کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"البيع مبادلة المال بالمال تمليكا وتملكا"

یعنی مال کو مال کے بدلے تبدیل کرنا، مالک بنا کر یا خود مالک بن جانا بیع کہلاتا ہے۔

(الشرح الکبیر علی ہامش المغنی ج: ۴، ص: ۲)

فقہاء کی اصطلاح میں تجارت اور بیع مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔

تجارت کے متعلق آیات قرآنیہ

قرآن کریم سے تجارت کے ثبوت پر چند آیات بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں:

- وَأَكْلَ اللَّهُ التَّيِّبَ (پ ۳ بقرہ: ۲۷۵)
- ترجمہ: "سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے"
- وَأَشْهَدُوا إِذَا بَيَّعْتُمْ (پ ۳ بقرہ: ۲۸۲)
- ترجمہ: "اور جب خرید و فروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو"
- إِلَّا أَنْ تَكُونُ بِمَجَارَّةٍ عَنْ تَرَاضٍ وَنُكُحٍ (نساء: ۲۹۵)
- ترجمہ: "کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے)"
- لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَاعُوا قَضَائِمَ دَرَبِكُمْ (بقرہ پ ۲-۱۹۸)
- ترجمہ: "اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (جج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو"

تجارت کے متعلق احادیث نبویہ

- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اہل جنت کو تجارت کا موقع اور اس کی اجازت دی جاتی تو وہ کپڑے اور عطر کی تجارت کرتے۔
(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۶)
- ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا "تاجر لوگ قیامت کے روز فاسق فاجر اٹھائے جائیں گے سوائے اس تاجر کے جس نے تقویٰ اختیار کیا (کسی کو دھوکہ نہ دیا) اور اچھے طریقے سے تجارت کی اور سودا بیچتے وقت صدق و دیانت سے کام لیا"
(ابن ماجہ ج ۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۶۶)
- حضرت ابوذر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا سچا تاجر ہو گا۔

(کنز العمال ص ۹۲۴، ۵)

- حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سچے تاجروں کا مقام حضرت انبیاء علیہم السلام، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔

(ترمذی، جامع الصغیر ص ۲۰۳)

- حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع فرمایا کہ میں اس چیز کو فروخت نہ کروں جو میرے پاس نہ ہو اور اس سامان کا سودانہ کروں جو میرے پاس نہ ہو۔

(سنن کبیر ص ۳۲۷)

تجارت کی نیت اور مقصد

معاش کے باب میں اس سلسلہ میں ایک تفصیلی مضمون گذر چکا ہے، جس سے تجارت کی نیت و مقصد کو بھی سمجھا جاسکتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک تاجر کو اپنی تجارت میں مندرجہ ذیل نیتیں کرنی چاہئیں۔

(۱) آدمی کو اپنے پیشہ یا تجارت وغیرہ میں لگتے وقت یہ نیت رکھنی چاہئے کہ وہ ایک فرض کفایہ انجام دے رہا ہے کیونکہ اگر تمام پیشوں اور کاروبار کو چھوڑ دیا جائے تو کمائی کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے اور مخلوق خدا تباہی سے دوچار ہو جائے گی۔

(۲) دوسری نیت کام کرنے والے اپنے عمل میں یہ نیت شامل کر لیں کہ وہ اس کمائی کے ذریعے اپنے اندر عبادت ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرے گا، یا اپنے مسلمان بھائی کیلئے اعمال میں تعاون کا ذریعہ بنے گا تو اسے اپنے عمل سے ہر نیت کا ثواب مستقل ملے گا۔

(کسب حلال اور راہ اعتدال ص: ۱۵۲)

(۳) اپنی تجارت سے کما کر سوال سے بچنے کی نیت

(۴) لوگوں کے مالوں میں طمع میں مبتلا ہونے سے بچاؤ کی نیت

(۵) حلال کمائی کر کے لوگوں سے استغناء کا حصول

(۶) کمائی کے ذریعے دین کے کاموں میں قوت حاصل کرنا

(۷) تجارت کی کمائی سے اہل و عیال کی ضروریات کی کفایت کرنا تاکہ اس کا مجاہدین میں شمار ہو

(۸) تجارت کے ذریعے مسلمانوں کو نصیحت و خیر خواہی کی نیت

(۹) تمام مخلوق کیلئے وہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

(۱۰) اپنے معاملات تجارت میں عدل و احسان کو اختیار کرنے کی نیت

(۱۱) بازار میں جو صورت حال ہو اس میں نیکی کا حکم اور بدی سے بچنے کی تدبیریں اختیار کرنے کی نیت

(احیاء علوم الدین ۲/۸۴)

نیز معاش کے باب میں جو مقاصد بیان ہوئے تھے وہی تجارت کے مقاصد بھی قرار دیئے جاسکتے ہیں جن کا خلاصہ یہ

ہے کہ:

۴. عبادت و بندگی سے متعلقہ ضروریات کو پورا کرنا، مثلاً:

▪ اپنی ضروریات مقام طعام لباس وغیرہ کو وہ خود پورا کر سکے اور کسی سے سوال نہ کرنا پڑے۔

▪ اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں کی ضروریات کو پورا کر سکیں،

۵. صفات باری تعالیٰ مثلاً جو دو سخا و انفاق و اطعام سے متصف ہونا، مثلاً:

▪ غریبوں مسکینوں محتاجوں، یتیموں کی حاجت روائی کریں

▪ پڑوسیوں، مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے ان پر خرچ کرے۔

▪ شخصی یا اجتماعی حادثات کے وقوع کے وقت خرچ کرے۔

▪ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی امداد اور رفاه عامہ وغیرہ میں خرچ کرے۔

۶. اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنا، مثلاً:

▪ اپنے سفر کے اخراجات برداشت کرنا۔

▪ اللہ کے راستے میں جانے والوں اور ان کے اہل و عیال پر خرچ کرنا۔

▪ مدارس، مکاتب، مساجد سے متعلقہ ضروریات کو پورا کرنا۔ وغیرہ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ!

قرآن کریم میں دنیا اور مال و دولت کے لئے بعض جگہ پر ایسے کلمات استعمال کیے گئے ہیں جو ان کی قباحت اور شامت

پر دلالت کرتے ہیں مثلاً

{إِنَّمَا أَقْوَالُكُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْتَنُونَ} (التغابن: ۱۵)

ترجمہ: "تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے"

اور ان کے لئے تعریفی کلمات بھی ہیں۔ جیسے

{وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ} (الجمعة: ۱۰)

ترجمہ: "اور ڈھونڈو! فضل اللہ کا"

(یعنی تجارتی نفع) یہاں مال کو فضل اللہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا:

{وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ} (العادیات: ۸)

ترجمہ: "اور آدمی محبت پر مال کی بہت پکا ہے"

الخیر یہاں مال کے معنی میں ہے چنانچہ ایک ظاہر بین انسان کو بعض اوقات ان دونوں قسم کی تعبیرات میں تعارض و

تضاد محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ مال آزمائش ہے اور ابھی کہہ رہے ہیں کہ فضل اللہ اور خیر ہے۔

حقیقت میں یہ تعارض نہیں بلکہ بتانا منظور ہے کہ دنیاوی مال و اسباب جتنے بھی ہیں یہ انسان کی حقیقی منزل اور منزل

مقصود نہیں، بلکہ منزل مقصود تو آخرت اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خوشنودی و رضا ہے۔ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان

اسباب کی ضرورت ہے، ان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، لہذا انسان جب ان اسباب کو محض راستہ کا ایک مرحلہ سمجھ کر

استعمال کرے، منزل مقصود قرار نہ دے تو اس وقت تک یہ خیر ہے، اور جب انسان ان کے حصول ہی کو منزل مقصود بنالے

جس کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ اس منزل مقصود کا حاصل کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیں تو یہ فتنہ اور

آزمائش ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ

الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ} (القصص: ۷۷)

ترجمہ: "اور جو (مال) تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور

جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (وہی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔ اور ملک میں طالب فساد نہ ہو۔ کیونکہ اللہ فساد کرنے

والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

(مانجوا از اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۸۳ تا ۸۴)

دوسری فصل: تجارت کے فضائل و اہمیت

کمائی کے ذرائع میں جو افضل ذریعہ ہے اس کی تعیین میں سلف میں اختلاف ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تجارت افضل ہے اور ابو الحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ زراعت افضل ہے۔ امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کمانا افضل ہے اور اس میں زراعت کو بھی شامل کیا ہے۔ صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء (احناف) کے نزدیک جہاد کے بعد کمائی کا سب سے افضل طریقہ تجارت ہے پھر زراعت ہے پھر صنعت و حرفت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ کمائی کے ذرائع تین ہیں تجارت، زراعت اور اجارہ اور ہر ایک کے فضائل میں بہت کثرت سے احادیث ہیں۔ بعض حضرات نے صنعت و حرفت کو بھی اس میں شامل کیا ہے لیکن بعض حضرات کے نزدیک صرف صنعت و حرفت کمائی نہیں ہے کیونکہ اگر ایک شخص کو جوتے بنانے آتے ہیں یا جوتے بنانے کا پیشہ کرتا ہے وہ جوتے بنا کر کوٹھی بھر لے اس سے کیا آمدنی ہوگی یا تو اس کو بیچے گا یا کسی کانوکر ہو کر اس کا بنائے گا۔ یہ دونوں طریقے تجارت یا اجارہ میں آگئے۔

(ماخوذ از فضائل تجارت، پیغمبر اسلام اور تجارت ص ۱۱۵ از حکیم محمود احمد ظفر)

مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فضائل تجارت میں لکھتے ہیں:-

اجارہ یعنی ملازمت اگر دینی کاموں کیلئے ہو تو وہ تجارت سے افضل ہے اس کے بعد تجارت افضل ہے، اس لئے کہ تاجر اپنے اوقات کا حاکم ہوتا ہے وہ تجارت کے ساتھ دوسرے دینی کام، مثلاً تعلیم، تدریس، تبلیغ وغیرہ بھی کر سکتا ہے۔ تجارت کی فضیلت میں احادیث درج ذیل ہیں۔

❖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رزق کے بیس دروازے ہیں ان میں سے انیس تجارت کیلئے اور ایک زرگری کیلئے ہے۔

(شمائل کبریٰ حصہ سوم ص ۱۸ کنز العمال جلد ۴ ص ۳۳)

❖ حضرت جعیمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بہترین کمائی کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیع مبرور اور ہاتھ کی کمائی

(ترغیب ج ۲ ص ۵۲۳)

بیع مبرور کا مطلب ہے کہ خرید و فروخت محض مال حاصل کرنے کیلئے نہ ہو بلکہ سچائی اور دیانتداری کے ساتھ حلال مال حاصل کرنا اور دیے گئے حقوق کو ادا کرنا۔

(شمائل کبریٰ حصہ سوم ص ۱۹)

❖ امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں نعیم بن عبدالرحمن اور یحییٰ بن جابر سے مرسل نقل کی ہے۔ نو حصے رزق تجارت میں ہے اور ایک حصہ جانوروں کی پرورش اور پرداخت میں ہے۔

(التراتب الاداریہ ص ۲/۱۰)

❖ دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تمہیں تاجروں کے ساتھ خیر کے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ ڈاکے اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے امین ہیں۔

(التراتب الاداریہ ص ۲/۱۱)

❖ عتبہ میں ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجارت کو ضروری سمجھو، یہ سرخ لوگ (عجمی غلام) تمہاری دنیا پر امتحان نہ بن پائیں۔

(التراتب الاداریہ ص ۲/۲۰)

فائدہ: حضرت امام اشہب مالکیؒ نے فرمایا کہ قریش کے لوگ تجارت کرتے تھے اور عرب لوگ تجارت کو حقیر سمجھتے تھے اور سرخ لوگوں سے مراد عجمی غلام تھے جو عموماً سرخ رنگ کے ہوتے تھے۔ اسی طرح المدخل لابن حاج میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ بازار میں تشریف لائے تو دیکھا کہ عموماً تجارت کرنے والے باہر سے آئے ہوئے اور عوام الناس ہیں۔ یہ دیکھ کر غمگین ہوئے اور جب خاص خاص لوگ جمع ہوئے تو ان سے حضرت عمرؓ نے یہ بات بیان کی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فتوحات اور مال غنیمت کی وجہ سے تجارت کرنے سے ہم کو مستغنی کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ایسا کرو گے تو تمہارے مردان کے مردوں کے اور تمہاری عورتیں ان کی عورتوں کے محتاج ہو جائیں گے۔ علامہ عبدالحی کتانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی فراست اس امت کے بارے میں بالکل سچی ہوئی کیونکہ جب اس امت نے مشروع طریقہ سے تجارت کو چھوڑ دیا تو اس کو غیروں نے اختیار کر لیا اور امت مسلمہ غیر مسلموں کی محتاج ہو گئی۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں تک میں دوسروں کے محتاج ہو گئے۔

(التراتب الاداریہ ص ۲/۳۱)

❖ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک اپنی رسیوں کو لے پھر وہ اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھر لائے پھر وہ اس گٹھر کو بیچ دے اور اللہ تعالیٰ اس گٹھر کی

وجہ سے اس کے چہرے کو محفوظ کر دے۔ یہ اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔ پھر لوگ اس کو دیں یا اس کو روک دیں۔

(الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۵۲۴، حوالہ کی تصدیق کرنی ہے!)

❖ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نسی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے ہاتھ کا مشغلہ اور ہر نیوکار کی خرید و فروخت۔

(الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۵۲۴ نمبر ۵۲۴)

کپڑے اور عطر کی تجارت کے فضائل

❖ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اہل جنت کو تجارت کا موقع اور اسکی اجازت دی جاتی تو وہ کپڑے اور عطر کی تجارت کرتے۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۶۶)

❖ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے۔ "تم پر کپڑے کی تجارت لازم ہے"

(کنز العمال ج ۴ ص ۳۱)

❖ مسند دیلمی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اگر جنت میں تجارت کی اجازت ہوتی تو لوگ کپڑے بیچتے۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۳۳)

سوال سے بچنے کیلئے کاروبار کرنے کا حکم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار کا ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تیرے گھر میں کوئی چیز ہے اس نے عرض کیا جی ہاں۔ ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم پہنتے اوڑھتے ہیں۔ اور کچھ حصہ پھیلاتے ہیں۔ اور ایک بڑا پیالہ جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں کو لاؤ۔ وہ آدمی ان دونوں کو لایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دونوں چیزیں اپنے ہاتھ میں لیں اور فرمایا کون ان دونوں کو خریدے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں ان کو ایک درہم میں خریدوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ کون ایک درہم سے زیادہ میں خریدے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں ان کو دو درہم میں خریدوں گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں اس کو دے دیں اور دو درہم لے لئے اور پھر وہ دونوں درہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری کو دے دیئے اور فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک درہم کا کھانا خریدو اور گھر والوں کو

کھلاؤ اور دوسرے درہم سے کلباڑا خریدو اور اس کلباڑے کو میرے پاس لاؤ پھر وہ صحابی اس کلباڑے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلباڑے میں دستہ اپنے ہاتھ سے لگایا اور پھر فرمایا جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور پندرہ دن تک میں تمہیں ہر گز نہ دیکھوں تو صحابی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا پھر وہ صحابی رضی اللہ عنہ آئے کہ ان دس درہم کا نفع ہوا۔ پھر ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کچھ درہموں سے کپڑے خریدے اور کچھ سے کھانا خریدا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ سوال کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر کسی داغ کو لے کر آئے۔

(ترمذی ص ۱۲۳۰، ابن ماجہ ص ۲۹۹)

تیسری فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خرید و فروخت

و تجارت

اسلام کی تعلیم ہر اعتبار سے مکمل اور جامع ہے۔ اس میں نازک سے نازک معاملوں کی بھی تشریح ہے۔ ایسے معاملات جن کو اس وقت کے عرب کے ماحول میں عام طور پر غلط نہیں سمجھا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم سے بھی ان کی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور اس سے بچنے کی تاکید کی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے عمل کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ نے اپنے لئے مشعل راہ بنایا۔ اس کے بعد تبع تابعین اور ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان پر عمل کر کے ہمارے لئے ایک ایسا روشنی کا مینار چھوڑا جس سے پوری دنیا قیامت تک روشنی حاصل کرتی رہے گی۔

اس فصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خرید و فروخت و تجارت کے چند واقعات لکھے جا رہے ہیں تاکہ ان حضرات رضی اللہ عنہم کی تجارت کا نقشہ مسلمان تاجر کے سامنے آئے اور اندازہ ہو کہ ان حضرات کی تجارت کی ترتیب کیا تھی، کیونکہ انسان اپنے لئے کسی کو نمونہ اور مشعل راہ ضرور بناتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی تجارت کو مشعل راہ بنانا اس لئے مفید ہو گا کہ ان کی تجارت اور بازاروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نگرانی فرماتے ہوئے اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کر دیا تھا اور جہاں کہیں اس کی خلاف ورزی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے متعلق احکامات نازل ہوتے۔

اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانہ خلافت میں بازار میں جا کر خود اس بات کی نگرانی کرتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم بازار میں ٹوٹ تو نہیں رہا اور اگر کوئی ایسی چیز نظر آتی تو اس پر تنبیہ فرماتے چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا میرے باپ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بازار میں کوئی عجمی تجارت نہ کرے اس لئے کہ وہ دین کو نہیں سمجھتے ہیں اور وزن صحیح نہیں کرتے ہیں۔

(موطامم محمد ص ۳۷ شرح الثمیری علی المختصر القدوری ص ۲۵۶ ج ۲)

اور اسی طرح دیگر صحابہ کرام بھی بازار اور بازار والوں کی فکر کرتے چنانچہ حضرت نافعؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سوداگر کے پاس سے گذرتے تھے تو فرماتے تھے کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ناپ تول کرنے کا اہتمام کر۔ کیونکہ ان دونوں میں کمی کرنے

والے میدان قیامت میں اس حال میں کھڑے کئے جائیں گے کہ ان کا پسینہ نیچے سے لیکر ان کے کانوں کے آدھے حصہ تک ہو گا اور یہی حال اس تاجر کا ہے جو ناپ تول کر کپڑا وغیرہ بیچتا ہو جو بیچتے وقت خوب اچھی طرح ہاتھ سخت کر دیتا تاکہ ذرا سا بھی زیادہ نہ جائے اور اپنے لئے ناپ کر خریدتا تھا تو اس خیال سے ہاتھ ڈھیلا کر دیتا تھا کہ کچھ زیادہ آجائے۔ (

[Comment Z4]: حوالہ لینا ہے۔

چنانچہ ایسے بازار جن کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیر نگرانی ہوئی ہو ان کو اپنے لئے نمونہ بنانے اور ان کے مطابق اپنے بازار و تجارت کی ترتیب قائم کرنے سے ہماری تجارت میں بھی دین زندہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ویسی ہی برکت و خیر میں سے ہمیں بہرہ ور عطاء فرمائیں گے جو ان حضرات کا خاصہ تھا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت و خرید و فروخت

ہادی اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد ان صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن تربیت میں لیا۔ بعد میں انہوں نے مرنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور ایک لمحے کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کے عرب قبائل سے تجارتی معاہدے

عرب میں عام طور پر اور قریش یعنی بنی اسماعیل خاص طور پر مذہب اسلام سے ہزاروں سال پیشتر تجارت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ ہاشم نے عرب کے قبیلوں سے تجارتی معاہدے کر کے اس سلسلے کو زیادہ باقاعدہ اور پائیدار بنا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی تجارت پیشہ تھے۔ قریش اپنے دستور کے مطابق سال میں ایک مرتبہ تجارت کی خاطر شام کو جاتے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر شام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ سال کے لگ بھگ ہو گئی کہ ابوطالب نے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ سفر کی سختی کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے جانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابوطالب سے اتنی انسیت تھی کہ جس وقت وہ سفر پر روانہ ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرط محبت سے ان سے لپٹ

گئے۔ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو دکھانا پسند نہ کیا اور ہمراہ لے جانے پر رضامند ہو گئے۔ یہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے ملک کی طرف پہلا سفر، اس سفر میں ابوطالب کو تجارت کے مال میں بے پناہ منافع ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت میں لوگوں کی شمولیت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن رشد کو پہنچے اور معاش کی فکر ہوئی تو تجارت سے بڑھ کر اور کوئی پیشہ مناسب نظر نہ آیا۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ ابوطالب کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجربہ بھی ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کی اونچ نیچ سے واقف ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاملات کو احسن طریقے سے نبھاتے تھے۔ اس کے ہر جانب چرچے تھے۔ لوگ عام طور پر اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے دیتے تھے اور اسے منافع میں شامل کر لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسرت و طمانیت کے ساتھ اس شرکت کو پسند فرماتے تھے۔ جو صاحبان حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تجارت میں شامل ہوتے تھے، ان کی شہادتوں سے جو حدیثوں اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی دیانتدار اور سچ گوئی سے تجارتی کاروبار کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ نوجوان اور بوڑھے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا اعتماد رکھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہمارا سرمایہ ہر طرح محفوظ ہے۔

(سیرت پاک کی خوشبواؤ ذکر انعام الحق کوثر ص: ۳۳-۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تجارت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سرمایہ کاری

حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا بڑی شریف اور مالدار خاتون تھیں مردوں کے ذریعہ تجارت کیا کرتی تھیں، یا کسی چیز میں مضاربت کر لیتی تھیں مضاربت میں کچھ حصہ مال کا ان لوگوں کے لئے معین کر دیا کرتی تھیں پس جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات راست گفتاری اور نہایت امانتداری اور کریمانہ عادات کے متعلق معلوم ہوا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان کے میسرہ نامی غلام کے ساتھ ان کا مال لے کر شام تشریف لے جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی اور ان کا مال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام تشریف لے چلے نسطور نامی ایک راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس نے میسرہ سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے نبی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خرید و فروخت کی، اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا مال لے کر مکہ پہنچ گئے، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس مال کو بچا تو تقریباً دگنا ہو گیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ

عنہما سے میسرہ نے راہب والا قصہ بھی بیان کیا چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما نے آپ کی شرافت و امانت اور آپ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر آپ سے نکاح کی آرزو کا اظہار کیا، جسے آپ نے قبول فرمایا۔

(ملخص از اسد الغابہ جلد: ۱ ص: ۶۸)

حضور پاک علیہ السلام کا بیچنا اور خریدنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک جوان اونٹ پر سوار تھا۔ حضور علیہ السلام نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ علیہ السلام وہ آپ کا ہو گیا۔

(باب اذا اشترى شیاً فوہب من ساعة قبل ان یتفرقا۔ ص ۲۸۴ ج ۱، حدیث نمبر ۲۱۱۵)

عبدالمجید بن وہب نے کہا کہ مجھے خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں کو وہ بیع نامہ پڑھ کر نہ سناؤں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے لکھوایا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں! انہوں نے ایک پرچہ نکالا (جس میں لکھا تھا کہ) عبدالبن خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (غلام یا باندی) خریدا۔

(ترمذی ص ۱۷۶، ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے کھجوروں کے بدلے اونٹ خریدے اور وہ دیکھ رہا تھا کہ آپ علیہ السلام کے پاس کھجوریں موجود ہیں لیکن آپ علیہ السلام کے پاس مطلوبہ مقدار میں کھجوریں نہیں تھیں۔ لہذا آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ اپنی کھجوروں میں سے کچھ کھجوریں (جو میرے پاس موجود ہیں) لے لے اور باقی کے بدلہ میں دینار لے لے، وہ راضی نہ ہوا چنانچہ آپ علیہ السلام نے باقی ماندہ کھجوریں ادھار لے کر اسے دیں۔

(المستدرک للحاکم۔ جزء ثانی کتاب البیوع ص ۴۰)

حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اور مخرمہ عبدی رضی اللہ عنہ ہجریا بحرین سے کپڑے لاتے، ہم منیٰ میں تھے تو رسول اللہ علیہ السلام ہمارے پاس آئے اور آپ علیہ السلام نے ہم سے شلو اور قباء خریدی۔

(المستدرک للحاکم۔ کتاب البیوع جزء ثانی ص ۳۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے ایک دیہاتی سے کچھ سامان خریدا، پس جب بیع ہو گئی تو آپ علیہ السلام نے اس دیہاتی سے فرمایا تجھے اختیار ہے (چاہے تو سودے کو باقی رکھ چاہے تو ختم کر دے) دیہاتی نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو بیع پر قائم رکھے (یعنی میری طرف سے سودا باقی ہے)۔

(المستدرک للحاکم کتاب البیوع جزء ثانی ص ۶۱ نمبر ۲۳۶۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے سات غلاموں کے بدلے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو خریدا۔

(المستدرک للحاکم کتاب البیوع جزء ثانی ص ۲۶ نمبر ۲۲۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہودی سے ادھار پر غلہ خریدا اور اس کے بدلے لوہے کی زرہ گروی رکھی۔

(بخاری شریف ج ۱ ص ۷۷۲ حدیث نمبر ۲۰۶۸ ترمذی شریف ص ۲۳۰ حدیث نمبر ۱۲۱۴)

اسد الغابہ میں حضرت زید بن سعہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا طویل قصہ مذکور ہے جس میں ہے کہ حضرت زید بن سعہ جو یہود کے علماء میں سے بڑے مالدار شخص تھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع سلم کی اور انہیں کھجوروں کی ایک معین مقدار فروخت کی اور ان سے قیمت نقد وصول کر لی۔

(اسد الغابہ ج ۴ ص ۸۳۴)

حضور پاک علیہ السلام کا تجارت کیلئے وکیل و نمائندہ بنانا

حضرت سعد بن زید بن مالک اشہلی رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ قریظ کے قیدیوں کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا کہ ان قیدیوں کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید کر لائیں۔

(بخاری شریف، باب وکالة الشریک فی التسمیة وغیرہا۔ ج ۱ ص ۳۰۸ نمبر ۲۲۹۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تجارت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ قریش کے سب سے بڑے تاجر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قریش کے سب سے بڑے تاجر تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۶۹ ج ۴-۲۲۱۸۸-۲۲۱۸۶)

الاصابہ کی روایت کے مطابق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ممتاز تاجر تھے اور وہ اس حیثیت سے خاصی شہرت کے مالک تھے۔ مدینہ منورہ کے قریب عوالی کے مقام السنخ پر ان کا کپڑا بننے کا کارخانہ تھا۔

(بحوالہ تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۱۔ جزیرۃ العرب ندوی ۲۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مال تجارت لے کر اکثر بصرہ جایا کرتے تھے چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم علیہ السلام کے وصال سے ایک سال پیشتر مال تجارت لے کر بصرہ گئے تھے اور اس سفر میں سیدنا نعمان اور سیدنا سوط بن حرمہ جو کہ بدوی صحابی ہیں بھی ان کے رفیق سفر تھے۔

(ابن ماجہ، باب المزاج ص ۲۷۲۔ تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجارت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت کرتے تھے۔ بعض احادیث جو انہیں نہ معلوم ہو سکیں ان کے بارے میں انہوں نے خود فرمایا کہ مجھے بازار کے کاروبار نے مشغول رکھا، جس کی وجہ سے بعض باتیں معلوم نہ ہو سکیں متعدد محدثین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی موقع ایسا نہیں جس میں مجھے موت آجانا اس سے محبوب ہو کہ میں اپنی محنت اور کوشش سے روزی طلب کر رہا ہوں یعنی اس موقع پر موت آجانا جہاد کے علاوہ تمام مواقع سے بہتر ہے۔ اس کے بعد یہ آیت

{وَالتَّحْرُوتُ يَصْرِفُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ} (المزمل ۲۰)

ترجمہ: "اور بعض اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں۔"

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجارت کا اظہار خود ان کے ایک بیان سے ہوتا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حضور اقدس علیہ السلام کے کسی ارشاد کا حوالہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق چاہی تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے تصدیق کر دی جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود معذرت کی اور فرمایا کہ حضور اقدس علیہ السلام کا یہ ارشاد مجھ سے اس لئے مخفی رہا کہ تجارتی کاروبار نے مجھے مشغول کر رکھا تھا۔

(بخاری شریف ج ۱ ص ۲۷۷ باب الخروج فی التجارۃ۔ تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تجارت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تاجر تھے، ان کا تاجر ہونا تو بہت زیادہ مشہور ہے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں تاجر رہے آپ نے کپڑے کی تجارت میں بھی شرکت کی۔

(موطالام محمد ص ۳۷۷)

حضرت علاء بن عبد الرحمن نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت علاء کے دادا سے روایت کیا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کو مضاربہ کے طور پر مال دیا کہ وہ اس سے کاروبار کریں اور نفع دونوں کا آدھا آدھا ہو گا۔

(موطالام مالک رحمہ اللہ ص ۶۱۸ کتاب القیراض)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھجور کی تجارت بھی کی ہے۔

(شرح معانی الآثار ج: ۲، ص: ۱۹۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجارت

حضرت حسن بن محمد بن علی رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ جسے عصیفہ کہا جاتا تھا بیس اونٹوں کے بدلے میں مقررہ مدت پر ادائیگی کے وعدہ پر بیچا۔

(تہذیب شریف ج ۶- ص ۲۶- ح ۱۱۰۹۹)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تجارت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں آئے تو نبی کریم علیہ السلام نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخاۃ فرمائی حضرت سعد رضی اللہ عنہ مالدار تھے انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں اپنا آدھ مال آپ کو بانٹ دیتا ہوں اور آپ کا نکاح کر دیتا ہوں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل و عیال میں اور مال میں برکت دے مجھے تو بازار کا راستہ بتا دو! وہ کچھ گھٹی اور پیڑ بچا کر لوٹے اور اسے اپنے گھر والوں کے پاس لے آئے تھوڑے دنوں بعد وہ حاضر بارگاہ ہوئے تو ان کے کپڑوں پر زردی کا نشان تھا، نبی کریم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کیا بات ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے فرمایا کہ اسے کتنا مہر دیا ہے؟ عرض کیا کہ کھجور کی گھٹلی کے برابر سونا، فرمایا کہ ولیمہ بھی کر دو! خواہ ایک بکری کے ساتھ۔

(بخاری شریف کتاب البیوع ج ۱ ص ۲۷۵)

حضرات صحابہ کرام کی تجارت کے متفرق واقعات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نفع مقام پر اونٹوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔

(ابوداؤد شریف ص ۱۲۰)

حضرت سعد بن قرظ موذن رضی اللہ عنہ (قرظ خاص قسم کے پتے ہیں جن سے چمڑے رنگنے کا کام لیا جاتا تھا) کی تجارت کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام ہی سعد القرظ پڑ گیا تھا۔

(تراتیب الاداریہ ص ۳۲ ج ۲)

حضرت ابو معلق انصاری رضی اللہ عنہ دوسروں کا مال شراکت پر لے کر تجارت کرتے تھے۔

(تراتیب الاداریہ ص ۳۲ ج ۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کو عراق میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مال دیا۔ انہوں نے مال تجارت خرید اور لا کر مدینہ منورہ فروخت کر دیا اور نفع خود رکھ کر اصل مال حضرت عمر کو دیدیا جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ان سے طے کر رکھا تھا۔

(موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۱۷- شرح شمیری ج ۲ ص ۲۶۲)

حضرت عبداللہ بن جعفر نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ویران زمین خریدی۔ وہاں مصلیٰ بچھا کہ نماز پڑھی اور دعا مانگی مجھ غلام کو حکم دیا کہ میرے سجدہ کرنے کی جگہ کو کھودو۔ اس کھودا تو وہاں سے یکا یک پانی کا چشمہ نکل آیا۔

(اسد الغابہ ج ۵، ص ۲۱۶)

حضرت عطار دیتی رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے ایک مرتبہ قیمتی ریشمی جوڑا مدینہ میں فروخت کیلئے لائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں درخواست کی کہ اسے خرید لیں اور جمعہ کے دن یا وفود کی آمد کے موقع پر پہن لیا کریں۔

(صحیح مسلم ج ۲، ص ۱۹۰۔ تاریخ مدینہ منورہ ص ۲۱۴)

حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سونے چاندی کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پوچھنے پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خرید و فروخت نقد ہو تو مضائقہ نہیں اور ادھار ہو تو درست نہیں۔

(صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۷۷)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کشمش کی تجارت کرتے تھے۔

(بیہقی ج ۲، ص ۴۸)

حضرت مقدم بن معدیکہ ب رضی اللہ عنہ اپنی باندی کے ذریعہ دودھ فروخت کرتے تھے۔

(شمائل کبریٰ ج ۲، ص ۴۹)

حضرت مسلم خیاط رضی اللہ عنہ گھٹلیاں فروخت کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۵۹)

حضرت قیس بن ابی غرزہ انصاری رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں اے تاجروں کی جماعت! کہہ کر پکارا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۷۷)

حضرت سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ شروع اسلام میں حضور علیہ السلام کے ساتھ شراکت پر تجارت کرتے تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرحبا اے میرے بھائی اور میرے شریک! نہ تو نے مجھے دھوکا دیا نہ مجھ سے جھگڑا کیا۔

(بیہقی ج ۲، ص ۱۳۰)

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مضاربہ پر اپنا مال دیتے تھے اور کچھ شرطیں بھی عائد کرتے تھے جس کی حضور علیہ السلام سے انہوں نے اجازت لے رکھی تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۷۴)

حضرت ثعلبہ بن فرات انصاری رضی اللہ عنہ نے کپڑے کی تجارت کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۷۸)

اکثر حضرات مہاجرین تجارت پیشہ تھے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے مہاجرین بھائی تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور میرے انصاری بھائی کھتی باڑی کے کام میں مشغول رہتے تھے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹا رہا تھا لہذا جب وہ غائب ہوتے تعین حاضر ہوتا، جب وہ بھول جاتے تو میں یاد کرتا تھا۔

(بخاری ج ۴ ص ۷۴ کتاب البیوع)

تجارت کرنے والی صحابیات

صحابیات رضی اللہ عنہن میں سے بعض تجارت بھی کیا کرتی تھیں اور اپنے اس پیشہ میں معاشرے میں شہرت رکھتی تھیں جیسے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تجارت نہایت وسیع پیمانے پر تھی۔ طبقات ابن سعد میں اس کی تفصیل یوں ملتی ہے۔

خدیجہ الکبریٰ ایک معزز، شریف، بڑی دولت مند اور تاجر خاتون تھیں۔ آپ ملک شام، مال تجارت بھیجا کرتی تھیں۔ قریش کے اونٹوں پر جس قدر مال ہوتا تھا اس قدر ان کے تنہا اونٹوں پر ہوتا تھا۔ آپ مردوں سے تجارت کرایا کرتی تھیں۔ سرمایہ آپ کا ہوتا تھا اور نفع میں آپ اور آپ کا شریک مرد دونوں برابر کے حصہ دار ہوتے تھے۔“

(طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۳۱)

حضرت قیلہ ام بنی انمار رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کرتی ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ مروہ پر آئے میں لکڑی پر سہارا دے کر آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئی اور میں نے کہا: ”یا رسول اللہ! میں خرید و فروخت کرنے والی عورت ہوں۔ کبھی میں ایک چیز خریدنا

چاہتی ہوں اور میں نے اس کی قیمت اپنے ذہن میں مقرر کر لی ہے۔ اس سے کم قیمت دیتی ہوں پھر بڑھاتے بڑھاتے اسے اس قیمت پر لیتی ہوں جو قیمت میں نے اپنے ذہن میں مقرر کی تھی۔ اسی طرح کبھی میں ایک چیز بیچنا چاہتی ہوں اور اسے اپنے ذہن میں مقرر کردہ قیمت سے زیادہ بتاتی ہوں پھر گھٹاتے گھٹاتے اس قیمت پر بیچ ڈالتی ہوں جو قیمت میں نے اپنے ذہن میں مقرر کی تھی۔“ فرمایا: ”قبیلہ ایسا نہ کیا کرو جب تم کسی چیز کو خریدنا چاہو تو وہی قیمت دو جس قیمت پر تم اسے خریدنا چاہتی ہو خواہ وہ چیز تمہیں ملے یا نہ ملے اور جب تم کوئی چیز بیچنا چاہو تو جس قیمت پر اسے بیچنا چاہتی ہو وہی قیمت بتاؤ خواہ تم کو وہ قیمت ملے یا نہ ملے۔“

(طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص: ۳۶۳)

حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ اپنی لونڈی کے ساتھ بازار جا کر میں نے مچھلی خریدی اور اس کو جھولے میں رکھا (لیکن چونکہ جھولا چھوٹا تھا) اس لئے مچھلی کا سر اور دم باہر نکلی ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر پوچھا: ”کتنے میں خریدی ہے؟ یہ تو بہت بڑی بھی ہے اور نفیس بھی۔ اس سے گھر کے سب لوگ سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔“

(طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص: ۲۱۲)

اس روایت سے بھی خواتین کے خرید و فروخت کرنے کے بارے سند ملتی ہے۔

حضرت فاطمہ بنت ثبیہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ انصار کی عام عورتیں سلائی کا کام کیا کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی صنعت و حرفت سے واقف تھیں اس کے ذریعے اپنے اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”میں ایک کاریگر عورت ہوں چیزیں تیار کر کے فروخت کرتی ہوں (اسی طرح میں کماتی ہوں) لیکن میرے شوہر اور بچوں (کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے اس لئے) ان کے پاس کچھ نہیں تو کیا وہ ان پر خرچ کر سکتی ہیں؟ آپ نے جواب دیا ہاں! تم کو اس کا اجر ملے گا۔“

(طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص: ۲۱۲)

حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شوہر نے ایک مرتبہ غیر ارادی طور پر کہہ دیا کہ آج سے تمہاری حیثیت میری ماں کی سی ہے بعد میں دونوں مسئلہ دریافت کرنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک اس مسئلہ میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہر کو حکم دیا کہ اجازت

ملنے تک تم اپنی بیوی سے الگ رہو یہ سن کر بیوی نے کہا اللہ کے رسول! ان کے پاس تو خرچ کے لئے کچھ بھی نہیں ہے (میں ہی ان پر خرچ کرتی ہوں)۔"

(طبقات ابن سعد، ج: ۸، ص: ۲۷۶)

حضرت ام صبیہ حولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ہم عہد رسالت اور شروع عہد فاروقی میں مسجد میں آپس میں دوستی کیا کرتی تھیں اور کبھی چرخہ کات لیا کرتی تھیں اور کبھی بعض عورتیں کھجور کے پتوں سے کوئی چیز بنا لیا کرتی تھیں۔"

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج: ۱، ص: ۲۵۵)

چوتھی فصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تجارتی بازار

ومنڈیاں

زمانہ جاہلیت کے بازار

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں عکاظ، مجنہ اور ذوالحجاز کے نام سے تین بازار میلے لگتے تھے۔ جب اسلام آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں تنگی محسوس کرتے تھے کہ ان میلوں اور بازاروں میں جا کر تجارت کریں۔

عکاظ: جاہلیت کے زمانہ میں ماہ ذوالقعدہ کے شروع سے بیس ذوالقعدہ تک عکاظ کا میلا لگتا تھا۔

مجنہ: بیس ذوالقعدہ سے یکم ذوالحجہ کا میلہ لگتا تھا۔

ذوالحجاز: یکم ذوالحجہ تک ذوالحجاز کا میلہ لگتا تھا۔

اور پھر آٹھ تاریخ کو وہ لوگ حج کرنے کے لئے منی جاتے تھے، یعنی یکم ذی قعدہ سے آٹھ ذی الحجہ تک میلے لگتے تھے، اس کے بعد حج ہوتا تھا۔

اصل میں یہ تجارت کے میلے تھے جن میں تجارت کی جاتی تھی، لیکن تجارت کے ساتھ ساتھ بہت سارے منکرات بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔

ان میں لہو لعب وغیرہ اور بعض مباحت بھی جیسے شعر گوئی، مشاعرے وغیرہ منعقد ہوا کرتے تھے، تقریریں ہوا کرتی تھیں، کھیل اور تفریح ہوا کرتی تھی، تو یہ اس طرح کے میلے تھے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۱۳)

اسلام میں بازار کی مشروعیت

اب جب اسلام آگیا تو یہ میلے یعنی بازار پھر بھی لگتے رہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تامل ہوا کہ جاہلیت میں لوگ یہاں پر میلے لگایا کرتے تھے اور ان میں گناہ کے کام بھی ہوا کرتے تھے اس جگہ ہم جا کر تجارت کریں، خرید و فروخت کریں، جبکہ وہی خراب جگہ ہے اور موسم بھی وہی ہے، عنقریب حج کا موسم آرہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تامل پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

[لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَاعُوا فَضْلًا لَكُمْ بِكُمْ] (البقرہ: ۱۹۸)

ترجمہ: "تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے پروردگار کی طرف سے فضل تلاش کرو، یعنی حج کے زمانہ میں بھی تمہارے لئے تجارت کرنا جائز کر دیا گیا ہے۔"

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۱۴ تا ۱۱۵)

غلط فہمی کا ازالہ

حدیث پاک میں بازار کو بدترین جگہ بتایا گیا ہے، چنانچہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معلوم کیا کہ سب سے بدترین مقام کون سے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم میں جبریل سے معلوم کر کے بتاؤں گا، پھر آپ نے فرمایا کہ بہترین مقامات اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد ہیں اور بدترین مقامات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بازار ہیں۔

(مسند بزار، مجمع الزوائد ج: ۴، ص: ۷۹)

اس لئے کسی کو وہم ہو سکتا ہے کہ بازار جانا ہی مناسب نہیں ہونا چاہیے خاص طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام، اہل علم اور اہل فضل حضرات کیلئے، ذیل کی سطور میں اس وہم کا ازالہ کیا گیا ہے۔

۱۔ بازار میں جانا اور خرید و فروخت کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

{ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ } (الفرقان: ۲۰)

ترجمہ: "اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بازار گیا آپ کپڑا فروش کے پاس تشریف فرما ہوئے اور چار درہم میں ایک پاجامہ خریدا۔

(مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ نمبر ۱۲۳)

سوید ابن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور فخرمہ عبدی نے (بین کے مقام) ہجر سے کپڑا لاکر اس کی تجارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور پاجامہ کا بھاؤ کیا۔

(مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۲۵۳، ابن ماجہ صفحہ نمبر ۱۶۱)

فائدہ: ان روایتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بازار تشریف لے جانا اور حسب ضرورت سامان خریدنا معلوم ہوا۔ یہی بازار جانا تو کفار کے نزدیک باعث اعتراض ہوا تھا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے آپ کو عار اور شرم دلائی۔

{هَٰذَا الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُ فِي الْأَسْوَاقِ} (الفرقان)

ترجمہ: "اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔"

کہ یہ کیسے خدا کے رسول اور پیغمبر ہیں کہ جو کھانے اور پینے کے محتاج ہیں اور بازار بھی آتے جاتے ہیں۔ (یعنی اپنی ضرورت کے سامان کی خریداری کے لئے بازار خود جاتے ہیں۔ کوئی خادم، نوکر چاکر نہیں، جو ان کا سامان لادیا کرے) آپ اس واقعہ سے سخت غمگین ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا خدائے پاک آپ کو سلام کہتے ہیں اور یہ آیت "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ الْخ" پیش کرتے ہیں یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول و پیغمبر آئے ہیں ان کو کھانے اور پینے کی ضرورت ہوئی اور بازاروں میں ان کا (سامان معیشت خریدنے کے لئے) جانا ہوتا رہا۔ یعنی یہ بتا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی۔

۲. اہل علم و تقویٰ کا بازاروں میں جانا

اسی طرح امام بخاری نے "شری الامام الحوائج بنفسہ"

کا باب قائم کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ امام کا جلالت شان کے باوجود حاجت ضروریہ کے لئے بازار جانا شرافت کے خلاف یا خلاف تقویٰ نہیں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بڑے اور اونچے مرتبہ والوں کا خود سے سامان خریدنا۔ باوجودیکہ ان کے خادم ہوں، سنت اور تواضع و مسکنت کا اظہار ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف صالحین رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ہے۔ لیکن مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ بازار میں ضرورت سے جانا اور سامان وغیرہ کی خرید و فروخت خود سے کرنا سنت اور تواضع و مسکنت ہے۔ لیکن اگر بازار میں منکرات اور عریانیت ہو۔ نظر وغیرہ کی حفاظت نہ ہو سکتی ہو یا عورتیں حد درجہ بے حیائی کرتی پھرتی ہوں تو اسی حالت میں بازار نہ جانا ہی بہتر ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الاحکام القرآن" میں لکھا ہے:

جب بازاروں میں باطل پھیل جائے اور غلط طریقے چالو ہو جائیں تو اہل فضل اور مقتدی لوگوں کا بازاروں میں جانا مکروہ (ناپسندیدہ) بن جاتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جلد ۷ صفحہ ۱۶)

آگے وہ اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل علم مشائخ نے کہا ہے کہ کتابوں اور ہتھیار کے بازار کے علاوہ میں نہ جائے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے لکھتے ہیں کہ ضرورت پر بازار چلا جائے مگر وہاں کھانا پینا مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ مروت اور وقار کے خلاف ہے۔

۳. بازار اللہ کے دسترخوان ہیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ بازار خدا کے دسترخوان ہیں، جو یہاں لینے آئے گا وہ پائے گا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے! ص: ۵۱، بحوالہ شرح احیاء ج: ۵، ص: ۴۱۷)

ف: مطلب ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے کسب اور کمائی اور معاش کا مرکز بازار کو بنایا ہے، جو یہاں حلال کمائی کی طلب اور اس کے حاصل کرنے کے لئے جائے گا، وہ پائے گا اور جو گھر بلا ضرورت بیٹھا ستا رہا ہے گا وہ خدا کے رزق سے محروم رہے گا، پس ضرورت اور معاشی حصول کے لئے بازار جانا برا نہیں ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے! ص: ۵۱)

اس مضمون کا حاصل یہ ہوا کہ اگر بازار منکرات و فواحش سے خالی ہوں تو وہاں عوام و خواص کا جانا جائز ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے بصورت دیگر بازاروں میں جانے سے حتی الوسع احتیاط چاہئے۔

(ملخص از شکل کبری ج: ۲، ص: ۲۷-۳۰)

مدینہ منورہ کے بازار

ا. سوق زبالہ

جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر پاؤں مبارک سے خط کھینچا اور فرمایا یہ مسلمانوں کے بازار کی حد ہے چنانچہ مسلمانوں نے اس مقام پر بازار بنالیا اور خرید فروخت شروع ہو گئی۔ ابن زبالہ کی روایت کے مطابق وہ بازار مسجد غمامہ سے ثنیۃ الوداع کے قریب تک لمبا تھا۔ سوق زبالہ شہر کے شمال مغرب کی جانب واقع تھا یہ بازار ظہور اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔

(تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۷-۶۱۸ و الفوفا۔ ج ۲ ص ۲۵۶)

ب. سوق بنی قینقاع

مدینہ منورہ کے بازاروں میں سوق بنی قینقاع وادی بطنان میں واقع بہت بڑا بازار تھا جہاں سودا گروں کی خوب چہل پہل ہوتی تھی۔

(تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۶-۶۱۷ کتاب الاغانی ج ۲ ص ۲۱)

ابن زبالہ نے عباس بن سہل سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ آپ علیہ السلام بنی ساعدہ کے پاس آئے آپ نے فرمایا میں تمہارے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں تم مجھے اپنی قبرستان کی جگہ دے دو تو میں اسے بازار بنالوں، اور بنی ساعدہ کے قبرستان نے دار ابن ابی زبیب سے دار زید بن ثابت تک کی جگہ کو گھیرا ہوا تھا، بعض لوگ جگہ دینے کے لئے آمادہ ہو گئے اور بعض آمادہ نہ ہوئے اور کہنے لگے یہ ہمارا قبرستان ہے، لیکن پھر ان جگہ نہ دینے والوں نے لوگوں کے ملامت کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا، تو آپ علیہ السلام نے اس جگہ بازار بنایا۔

(دفا الوفا ج ۲ ص ۲۵۷)

مدینہ منورہ کی تجارتی منڈی میں اہمیت اور دوسرے شہروں کے ساتھ تجارتی تعلقات

عالمی شاہراہ تجارت میں مدینہ منورہ بہت بڑی اہمیت کا مقام تھا اس زمانہ کے تجارتی قافلے اس منڈی سے گزر کر دوسرے شہروں کو جاتے تھے اور پانی بھی فراوانی سے دستیاب تھا۔

(تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۵-۶۱۶ تاریخ العرب قبل الاسلام)

ایام جاہلیت میں "عمان" کا تجارتی سلسلہ مکہ مکرمہ اور یثرب سے قائم تھا۔

(تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۵-۶۱۶ قلب جزیرۃ العرب: ۳۹۷)

ملک شام سے تجارتی قافلے مدینہ منورہ میں گندم، کشمش اور تیل لایا کرتے تھے۔

(تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۶۔ تاریخ مکہ و مدینہ ص ۳۷۳)

مدینہ منورہ میں جانوروں کی منڈیاں

سوق مزاحم اور سوق بقیع النخیل

(تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے بقیع النخیل کا ارادہ کیا جو کہ مدینہ کا بازار ہے پھر آپ علیہ السلام بازار میں کھڑے ہوئے اور اپنا چہرہ قبلے کی طرف کیا پھر اپنے ہاتھوں کو اللہ کی طرف اٹھایا اور فرمایا:

اللهم حبب الینا المدینة،

ترجمہ "اے اللہ مدینہ کو ہمارے لئے محبوب بنا"۔

(وفاء الوفا ص ۲۶۱)

باب نمبر گیارہ

مسلمان تاجر کی صفات اور اسلامی تجارت کے آداب

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- ◀ پہلی فصل: مسلمان تاجر کی صفات:-
- ◀ دوسری فصل: تجارت و صنعت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت نبویہ کو زندہ کرنا کیوں ضروری ہے؟
- ◀ تیسری فصل: دینی لحاظ سے نگرانی کے لئے ضروری اقدامات و افرادی قوت۔

پہلی فصل: مسلمان تاجر کی صفات

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قیامت تک آنے والے تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی رہنمائی کیلئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی معیت کیلئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی جماعت کا انتخاب فرمایا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے کام اور اس سے متعلق اصولوں کو سیکھا، سمجھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں عملاً کر کے دکھایا اور پھر بعد میں آنے والی امت تک نہ صرف پہنچا دیا بلکہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان نفوس قدسیہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

تجارتی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اہتمام

اللہ رب العزت نے جہاں اس امت کے تاجروں، زمینداروں، حاکموں، محکوموں غرض، تمام عوام و خواص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم فرمایا ہے وہاں آپ کے صحابہ کو بھی معیار اور نمونہ بنایا ہے۔

{ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ } (آل عمران ۱۳۲)

ترجمہ: "اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

(بخاری حیاۃ الصحابہ ج ۱، ص ۳۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے

{وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} (التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ: "جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے) ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی۔
اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات
تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی کے طریقے کو اختیار کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ ان
لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو دنیا سے جا چکے ہیں اور یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو کہ اس امت میں
سب سے بہترین اور سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف برتنے والے تھے۔ یہ
ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لئے اور اپنے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے چن لیا
ہے۔ لہذا ان جیسے اخلاق اور ان جیسی زندگی گزارنے کے طریقے اپناؤ سبب اللہ کے رب کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے یہ تمام صحابہ ہدایت مستقیم پر تھے۔

(ابو نعیم، حیاۃ الصحابہ، ج ۱، ص ۶۵)

لہذا ان مبارک ہستیوں کی زندگی کو سامنے رکھا جائے تو ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی کامل رہنمائی ہو
سکتی ہے کہ ایک مسلمان کو کن صفات کے ساتھ متصف ہونا چاہیے۔ آئندہ کی سطروں میں ایک مسلمان تاجر کی ان صفات کا
بیان ہے جس صفات کے ساتھ تجارت کرنے والے کی تجارت تجارۃً لن تبور (ایسی تجارت جس میں گھانا نہیں) کا مصداق بنتی
ہے اور اللہ رب العزت اسے دنیا میں راحت، چین، سکون، اطمینان، عزت عافیت، امن و حفاظت اور کامیابی عطا فرماتے ہیں اور
آخرت کی حقیقی اور ابدی کامیابیاں بھی اسے نصیب ہوگی ہیں۔

(۱) ایمان کامل

ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کائنات کی خالق، مالک اور کر تا دھرتا کیلی اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اللہ رب العزت نے اس جہان کو اسباب کا جہان بنایا ہے لیکن اسباب کے پردے میں نظام عالم کو اپنی قدرت اور اپنے امر سے چلا رہے ہیں تجارت، زراعت، محنت مزدوری، کھانا، پینا برتنا وغیرہ یہ ان اسباب کے متعلق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احکامات عطا فرمائے ہیں۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اسباب سے اطمینان کیلئے نہیں بلکہ امتحان کیلئے دیے گئے ہیں اور امتحان یہ ہے کہ ان اسباب میں انسان حکموں کی رعایت کے ساتھ لگتا ہے یا جی چاہی کے ساتھ لگتا ہے۔ نیز اسباب میں لگتے ہوئے یقین اسباب پر کرتا ہے یا خالق اسباب پر۔ اسباب کا انکار جہالت ہے اور اسباب پر یقین کرنا کفر و ضلالت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دلوں میں یہ عقیدہ اس طرح پیوست فرما دیا تھا کہ انکی نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر رہتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اسباب کو صرف اس وجہ سے اختیار کرتے تھے کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے حکم ہے اور جب اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنی مشیت کے عجیب و غریب کرشمے بند کو دکھاتے ہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج: ۱، ص ۱۵۲)

اللہ سے ہونے کا یقین کر کے اس کے بتائے ہوئے حکموں کے مطابق اسباب میں لگنا ہدایت اور ایمان کی حقیقت ہے۔

مسلمان تاجر اپنے ایمان کے کمال کے بقدر ہی تجارت سے متعلقہ احکامات الہیہ کو پورا کر سکتا ہے۔ انسان کو اللہ رب العزت نے احسن تقویم میں ڈھالا ہے اسے حیوانات کی طرح بیرونی طاقت سے نہیں چلایا جاسکتا۔ بلکہ یہ اندر کی طاقت سے چلتا ہے۔ لیکن ایمان کوئی دکھائی دینے والی چیز نہیں بلکہ اسے اس کی علامات سے سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو، تو تم مومن ہو۔

(معارف الحدیث ج: ۱، ص: ۹۰ بحوالہ مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے، تو اس کے دل کو فروخت و مسرت ہو اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کو رنج و غم ہو، جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے، سمجھنا چاہئے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

(معارف الحدیث ج: ۱ ص: ۹۰)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور اُس کی لذت اسے ملی، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔

(معارف الحدیث ج: ۱ ص: ۹۱ بحوالہ مسلم)

مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن میں ایمان کی علامات کو بیان کیا گیا ہے، لہذا ان علامات کو سامنے رکھ کر ایک مسلمان تاجر کو اپنا ایمان پرکھتے رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی محبت

ایک مسلمان تاجر کے دل میں اللہ کی محبت اس کے ماسواہر چیز سے زیادہ ہونی چاہے۔

{وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ} (البقرہ ۱۶۵)

ترجمہ: "ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ جل شانہ سے کرتے ہیں۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔

{قُلْ إِنْ كَانِ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ} (التوبہ ۲۴)

ترجمہ: "کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

پس قرآن مجید کی اس پُر جلال آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے کہ ایمان والوں کو اپنی تمام قابل محبت چیزوں سے زیادہ، اللہ و رسول کی اور اس کے دین کی محبت ہونی چاہئے! اس کے بغیر اللہ کی رضا اور اُس کی حاصل ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی، اور ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے اس کے لئے ایمان کے سارے تقاضوں کا پورا کرنا اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس راہ میں جان عزیز تک دیدینے میں بھی وہ ایک لذت محسوس کرے گا اور اس کے برخلاف جس کے دل پر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایسا غلبہ نہ ہو گا، اس کے لئے روزمرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہوگی اور جتنا کچھ وہ کرے گا بھی، تو اُس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی کی سی ہوگی، پس اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ، جب تک اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دوسری ساری چاہتوں پر غالب نہ ہو جائے، ایمان کا اصل مقام نصیب نہیں ہو سکتا اور ایمان کی حلاوت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اللہ جل جلالہ کا خوف

انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنی بندگی قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بندگی کے تقاضوں میں کبھی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے احکامات کو پورا کرنا اور کبھی اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جانا بھی ہے چاہے وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب کیوں نہ ہوں تجارت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی منع کردہ چیزوں سے رکنے کیلئے ایک مسلمان تاجر کے دل میں خوف خدا کا ہونا بہت اہم صفت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

{وَالَّذِينَ فَازَتْهُمْ حُسْنُ} (البقرہ ۴۰)

ترجمہ: "(ڈرو تو) مجھی سے ڈرو"۔

{وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ O يَا عِبَادِ فَاتَّقُوا} (آل عمران ۲۸)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتے ہیں۔ اے میرے بندوں مجھ سے ڈرو"۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں اس کا پتہ چل جائے تو تم شاید ہی کبھی ہنسو، زیادہ تر روتے ہی رہو، بستر پر اپنی بیویوں فربت کی لذت بھی بھول جاؤ اور جنگلوں، پہاڑوں میں اللہ سے مانگتے پھر و۔

(ریاض الصالحین مترجم ج ۱ ص ۲۰۷ بحوالہ ترمذی)

اللہ تعالیٰ جل شانہ سے امید

ارشاد باری تعالیٰ ہے

{قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ

الْعَفُورُ الرَّحِيمُ} (الزمر ۵۳)

ترجمہ: "اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ (اور) وہ تو

بخشنے والا مہربان ہے"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے کائنات تخلیق فرمائی تو ایک نوشتہ میں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے پاس عرش پر ہے یہ تحریر ثبت فرمائی کہ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے۔

(ریاض الصالحین مترجم ج ۱ ص ۲۱۳ بحوالہ بخاری و مسلم)

انسان سے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں ان کے علاوہ کوئی شخص خطا و غلطی سے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بسا اوقات شیطان انسان کو اس کے جرم اور غلطی کا اتنی شدت سے اجلاس دلاتا ہے اور اس کی خطاؤں کو اتنا بڑا کر کے دکھاتا ہے کہ اسے مایوسی ہونے لگتی ہے کہ اب تو میری مغفرت نہ ہوگی اور یوں توبہ سے اسے روک لیتا ہے۔ ایک مسلمان تاجر اگرچہ حتی الامکان اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرے بہر حال چوک ہو ہی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات عالی کا دامن عفو و درگزر تھامے رہنا چاہیے اس سے مایوسی ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ ہمارے گناہ شبہ بہت زیادہ لیکن اس کا عفو و درگزر بے انتہا ہے۔ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے والا گویا متکبر ہے کہ اپنے گناہوں کو اللہ کی بخشش و درگزر سے بڑا سمجھ رہا ہے۔ اللہ بڑے ہیں اس کی بخشش و درگزر بھی بے انتہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے اس میں ہے۔

اے آدم کی اولاد! تو جب تک مجھے یاد کرتا رہے گا اور معافی کی امید کرتا رہے گا میں تجھے معاف کرتا رہوں گا چاہے تو نے کیسے ہی (نامناسب) کام کیے ہوں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اے آدم کی اولاد! اگر تیرے گناہ اتنے زیادہ ہو جائیں کہ آسمان سے چھوٹنے لگیں پھر تو مجھ معافی کا طلبگار رہے تو میں تب بھی تجھے بخش دوں گا اور اے آدم کی اولاد اگر تو زمین کی وسعت پھر گناہ لے کر بھی میرے پاس آیا بشرطیکہ کسی کو میرا شریک نہ بنایا ہو تو میں اتنی ہی مقدار کی مغفرت اور رحمت کے ساتھ تجھے ملوں گا (تیرا استقبال کروں گا)۔

(ریاض الصالحین مترجم ۲۲۴ ج ۱ بحوالہ ترمذی)

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہر حال میں باخبر ہونے کا یقین

ارشاد باری تعالیٰ ہے

{أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ} (العلق ۱۳)

ترجمہ: "کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔"

{إِنَّ رَبَّكَ لَبَاسٌ مُّضَاهٍ} (الفجر ۱۳)

ترجمہ: "بے شک تمہارا پروردگار تاک میں ہے۔"

{ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ } (الحديد ۴)

ترجمہ: "اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔"

حضرت ابوذر جندب بن جنادہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیکی اور بھلائی کا کام بھی ضرور کر لو تاکہ وہ برائی اور گناہ کو مٹا ڈالے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

(ریاض الصالحین مترجم ج ۱ ص ۵۲ بحوالہ ترمذی)

انسان کی فطرت ہے کہ کسی کے دیکھنے کا کھکا پیدا ہو جائے تو برائی سے رک جاتا ہے تو جب اللہ جل شانہ، کے ہر آن گھڑی دیکھنے کا یقین دل میں بنے گا تو اس کی ہر نافرمانی سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ لہذا مسلمان تاجر کو اللہ تعالیٰ کے باخبر ہونے کے یقین کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اپنی تجارت میں خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ سکے۔

توکل اور رضا بالقضاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سواری پر) بیٹھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، برخوردار تمہیں چند باتیں بتاتا ہوں۔ اللہ کے حقوق کا خیال رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حقوق کا خیال رکھ گے تو تم اللہ تعالیٰ جل شانہ کو اپنے ساتھ پاؤ گے۔ جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مانگو اور جب کسی کی مدد درکار ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اگر ساری امت مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا اور اگر ساری امت مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو بھی اتنا ہی نقصان پہنچا سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا کر رکھے جا چکے اور لوح تقدیر خشک ہو چکی۔

(ریاض الصالحین مترجم ج ۱ ص ۵۳ بحوالہ ترمذی)

بہر حال ایک مسلمان تاجر کا تقدیر کے فیصلوں پر راضی رہنا ایک بہت اہم صفت ہے کہ راضی بالقضاء ہر حال میں خوش و خرم رہتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر لوگ تقدیر ایمان لے آئیں تو کوئی پریشانی باقی نہ رہے۔

[Comment M5]: وہ واقعہ جس میں

جہاز ڈوبنے پر الحمد للہ الخ۔ ڈالنا ہے

توکل ترک اسباب کا نام نہیں ہے بلکہ توکل یہ ہے کہ سب کو اختیار کر کے نتیجہ اللہ کی تقدیر پر چھوڑ دے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی سے بچنا

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "رزق کی تلاش میں سنجیدگی اور طمانینت اختیار کرو! قسم خدا کی جس کے قبضے میں ابو القاسم کی جان ہے، تمہارا رزق تم کو اسی طرح تلاش کرتا ہے، جیسا کہ موت تم کو تلاش کرتی ہے، اگر کمائی میں کچھ تنگی محسوس کرو! تو اسے اللہ کے احکام کی فرماں برداری کرتے ہوئے حاصل کرو! (اسے گناہ کے ذریعے مت حاصل کرو!)"۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۵۸، بحوالہ مجمع ج: ۴۰، ص: ۷۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی گناہ کی وجہ سے جو کرتا ہے، رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۵۵، بحوالہ ابن حبان، نسائی، ترمذی ج: ۳/۳۱۳)

ف: دیکھئے رزق اور اس کی وسعت اور کشادگی خدائے پاک کی نعمت ہے۔ اس کی نوازش ہے اور کسی سے کوئی شئی اس کو ناراض کر کے اور اس کو ناخوش کر کے حاصل نہیں کی جاتی، یہ الگ بات ہے کہ اللہ پاک بندوں پر باوجود گناہ کرنے کے رحیم ہے، جیسے نالائق اولاد پر شفیق و مہربان ماں باپ اور یہ کہ اسباب کے اختیار کرنے اور اس میں جدوجہد کی وجہ سے روزی مل جاتی ہے، مگر گناہ شامل ہونے کی وجہ سے اس کی جان اور برکت نکل جاتی ہے، اسی وجہ سے باوجود مال کے آرام راحت اور سکون کی زندگی میسر نہیں آتی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہ کے باوجود مال ملتا رہا ہے، مال کی فراوانی رہتی ہے پھر شاید اللہ پاک اسے گناہ سے باز آنے کا موقعہ دے رہے ہوں، کہ شاید اب ہوش میں آجائے۔

اس طرح اللہ پاک تاخیر کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ناراضگی کی وجہ سے کہ چلو بعد میں پکڑ لینگے، بہر حال بعد میں گرفت اور پکڑ ہو جاتی ہے، پھر مالی حالت بگڑنے لگتی ہے۔ پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ کبھی اسباب رزق ہی ختم ہو جاتا ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۷۵)

لہذا مسلمان تاجر حتی المقدور اپنی تجارت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آخرت کا فکر

یہ دنیا جس میں ہم اپنی زندگی گزار رہے ہیں اور جس کو اپنی آنکھوں، کانوں وغیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے۔ اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے۔ پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح مرنے کے بعد عالم آخرت میں پہنچ کر جنت و جہنم کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجانے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے دنیا کی زندگی اور اس کی چیز ہر فانی جبکہ آخرت کی زندگی اور وہاں کی ہر چیز غیر فانی اور جادوئی ہے۔

(معارف المحدث، ج ۲، ص ۶۰)

فکر آخرت کے بارے میں آیات و روایات حصہ اول میں گزر چکی ہیں یہاں صرف اتنا مقصود ہے کہ ایک تاجر اپنی تجارت میں لگتے ہوئے آخرت کی تیاری سے غافل نہ ہو بلکہ اپنی تجارت کو دین کے طریقے پر چلاتے ہوئے اپنی آخرت کے سنوارنے کا ذریعہ بنائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت

ارشاد باری تعالیٰ ہے

{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} (سورة الاحزاب ۲۱)

ترجمہ: "تم کو پیغمبر اللہ کی پیروی (کرنی) بہتر ہے۔"

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص حلال و پاک روزی کھائے اور سنتوں پر عمل کرے اور لوگوں کو اذیت اور تکلیف پہنچانے سے بچا رہے جنت میں داخل ہو جائے۔

(ترمذی، حاکم، جامع صغیر، مشکوٰۃ ص: ۳۰)

ف: دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے "۳" اعمال بتائے۔ "۱" حلال کھانا "۲" سنت پر عمل "۳" لوگوں کو اپنی تکلیف و اذیت سے مامون و محفوظ رکھنا۔ یہ تینوں امہات الاعمال ہیں۔ حلال کھانا وہ ہے جو شرع کے موافق ہونا جائز اور حرام کسب کے ذریعہ سے نہ حاصل کیا گیا ہو، سنت پر عمل کرنا مطلب یہ ہے کہ تمام امور میں سنت کا اہتمام کرتا ہو، ایک دو سنت پر عمل کرنا مراد نہیں اور لوگوں کے ساتھ اس کو کوئی معاملہ اور برتاؤ ایسا نہ ہو جس سے لوگوں کو شکایت و اذیت ہو، پڑوسی کمزور ہو، نوکر ملازم ہو تو اسے تکلیف نہ دیتا ہو۔

لہذا مسلمان تاجر کو بھی اس صفت کے ساتھ اپنے آپ کو متصف کرنا چاہئے کہ خوشی میں رنج میں تنگی میں وسعت میں ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلے۔ مال کے منافع کا زیادہ حاصل ہو جانا کامیابی نہیں بلکہ کامیابی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے۔

{وَمَنْ يُطِغِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَقَدْ قَارَ قَوْزًا عَظِيمًا} (سورة الاحزاب ۷)

ترجمہ: "اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔"

حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے اللہ! میری امت کے (اپنے کاموں کے) لئے صبح سویرے نکلنے میں برکت عطا فرما، حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ تاجر تھے جب تجارت کیلئے اپنے آدمیوں کو بھیجتے تو صبح سویرے بھیجتے اس لئے مالدار ہو گئے اور ان کا مال بھی زیادہ ہو گیا۔

(ترمذی ج ۱ ص ۳۲)

تاجروں کا اپنے شعبے سے متعلق علم دین سیکھنا

[Comment M6]: دوسری فصل کا خلاصہ

اس عنوان کے تحت مولانا ظہر الیاس صاحب نے ڈالنا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی ذات عالی سے براہ راست استفادہ کیلئے ہر شعبہ زندگی کے متعلق اپنے احکامات عطا فرمائے ہیں ان احکامات الہیہ کو معلوم کرنا یعنی اس بات کی تحقیق میں لگنا کہ میرے اللہ اس وقت میں مجھ سے کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی اس چاہت (اس حکم) کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ سے کیسے پورا کرنا ہے یہ علم کی حقیقت ہے۔ ہر عمل کو کرنے سے پہلے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔

{وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ} (سورۃ الاسراء: ۳۱)

ترجمہ: "جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو۔"

دوسری جگہ ارشاد ربان ہے۔

{فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ} (سورۃ الانبیاء: ۷)

ترجمہ: "اگر تم نہیں جانتے تو جو یاد رکھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔"

اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان تاجر اپنی تجارت سے متعلق احکامات، جائز ناجائز، حلال و حرام کو معلوم کرے تاکہ اپنی تجارت سے دنیا و آخرت دونوں سنوار سکے، چنانچہ حضرات صحابہ کرام کو بھی اس امر کا اہتمام رہتا تھا۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اس چیز کے خریدنے کا سوال کرتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہوتا ہے تو میں اسے بازار سے خرید کر لا کر دیتا ہوں، تو آپ نے مجھے سے فرمایا۔ جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: 137، بحوالہ ترمذی ص: ۲۳۳)

حکیم بن حزام اس وقت بڑے تاجر تھے تجارت میں بہت مشہور تھے لوگ ان کے پاس آکر کوئی چیز مانگتے تھے تو یہ سودا کر لیتے تھے پھر دوسری جگہ سے لا کر ان کو دے دیتے تھے، اس کے متعلق انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے اس طریقے سے منع فرمادیا کہ جو چیز پاس میں نہیں ہے اور قبضہ میں نہیں ہے تو اس کو نہیں بیچا جاسکتا، چنانچہ حضرت

حکیم بن حزام کو جب آپ نے بتادیا تو وہ رک گئے، اگر وہ آپ سے معلوم نہ کرتے تو اسی غلط کام میں لاعلمی کی وجہ سے لگے رہتے، پس معلوم ہوا کہ جس کام کا جائز اور ناجائز ہونا واضح نہ ہو اسے اہل علم سے معلوم کرے، تاکہ گناہ کی نوبت نہ آئے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے ص ۱۳۷)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ نے فرمایا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ طواف کیا ایک زرگر ان کے پاس آیا اس نے کہ اے ابو عبد الرحمن میں سونے کو پگھلاتا ہوں پھر اسکو اسکے وزن سے زیادہ کر کے بیچتا ہوں اور اس میں سے اپنی مزدوری کے بقدر زیادتی لیتا ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو اس سے منع کیا پھر وہ زرگر اپنا سوال بار بار دہراتا رہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو منع کرتے رہے یہاں تک کہ آپ مسجد کے دروازے یا اپنی سواری تک پہنچ گئے اور انہوں نے اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا اور فرمایا دینار کے عوض دینار اور درہم عوض درہم ان دونوں میں کوئی زیادتی نہیں ہے یہ ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد ہے اور ہمارا تم سے عہد ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۷۷-ج ۴-ح ۱۰۵۴۸)

حضرت عبد الرحمن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے بازار میں کوئی عجمی تجارت نہ کرے اس لئے کہ وہ دین کو نہیں سمجھتے ہیں اور وزن صحیح نہیں کرتے ہیں۔

(موطام محمد ص ۳۷۷ شرح الثمیری علی المختصر القدوری ص ۲۵۶ ج ۲)

باب نمبر ۱۲ میں تجارت کے احکامات کو سیکھنے کے متعلق مضمون تفصیل سے آ رہا ہے۔ جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو تاجر تجارت کے احکامات کو سیکھے بغیر خرید و فروخت کرنے بیٹھ جاتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے بازار سے اٹھوا دیتے بلکہ اسے سزا بھی دیتے۔

عبادات کا اہتمام

ارشاد باری تعالیٰ ہے

{ فِي بُيُوتِ أَذْنِ اللَّهِ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْأَصْوَادِ } (سورة النور ۳۶)

ترجمہ: "(وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہیں۔"

{ رَجُلًا لَا تُلْهِمُهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ } (سورة النور ۳۷)

ترجمہ: "(یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔"

یعنی معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکام الہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا بیوپاری معمولی خرید و فروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔

(تفسیر عثمانی ص ۴۷۴)

ایک اور جگہ فرمایا کہ:

{ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ } (الحجۃ: ۱۰)

(الحجۃ: ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔

یعنی اللہ جل شانہ کا فضل تلاش کرو، تجارت کرو اور اللہ جل شانہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تجارت کر رہے ہو تو بھی ذکر اللہ جاری رہنا چاہئے۔ کیونکہ اگر تجارت میں اللہ جل شانہ کی یاد فرموش ہو گئی اللہ جل شانہ کا ذکر نہ رہا تو وہ تجارت تمہارے دل میں گھسکر تمہاری کشتی کو ڈبو دے گی۔ اس واسطے وابتغوا من فضل اللہ کے ساتھ واذکرو اللہ کثیرا للاحقہ لگا دیا کہ تجارت کے ساتھ بھی اللہ جل شانہ کی یاد ہونی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَاؤُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ" (المنافقون: ۹)

ترجمہ: "یعنی مال و دولت اور اہل و عیال تمہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔"

مسلمان تاجر کا خاصہ یہ ہے کہ وہ تجارت بھی کر رہا ہے لیکن

دست بکار و دل بیار

یعنی ہاتھ تو کام میں لگ رہا ہے لیکن دل اللہ جل شانہ کی یاد میں لگا ہوا ہے۔ اسی کی صوفیائے کرام مشق کراتے ہیں اور تصوف اسی کا نام ہے کہ تجارت بھی کرو، اور زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ بھی کرو۔ اب یہ کیسے کریں اور اس کی عادت کیسے ڈالیں؟ تو صوفیائے کرام اسی فن کو سکھاتے ہیں کہ تم تجارت بھی کر رہے ہو گے اور اللہ جل شانہ کا ذکر بھی جاری رکھو گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان لوگوں میں مت ہو جاؤں جو سب سے پہلے بازار میں جاتے ہیں اور سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں، شیطان بازار میں انڈے دیتا ہے (اپنی اولاد پیدا کرتا ہے)۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، بحوالہ مجمع الزوائد ص ۷۷)

ف: دیکھئے اس حدیث پاک میں آپ نے تاکید فرمائی ہے صبح ہوتے ہیں بازار اور پھر رات تک بازار، گویا کہ ہر وقت دنیا اور مال کی فکر یہ اچھی بات نہیں گویا کہ اسے عبادت، ذکر تلاوت کا ذوق نہیں۔ آخرت جہاں جانا ہے وہاں کی فکر نہیں، مومن کی یہ شان نہیں، دن کا شروع وقت عبادت تلاوت ذکر فکر آخرت میں لگائے۔ اسی طرح شام یارات کا وقت کچھ آرام راحت گھریلو کام پھر ذکر عبادت میں لگائے، دنیا کے لئے زیادہ تعب میں نہ ڈالے۔

پس اے دکاندارو!، صبح کا اوّل وقت ذکر عبادت میں لگالو، تاکہ اس کی برکت دن میں باقی رہے اسی طرح رات میں دیر تک نہ لگے رہو، کچھ آرام راحت بھی کچھ عبادت و تلاوت بھی کرلو، کہ کل قیامت میں کام آئے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص ۹۷)

نماز کا اہتمام

ایک روایت میں آتا ہے کہ صبح کو جو شخص نماز کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے اور جو شخص بازار کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث قدسی میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ اے آدم کی اولاد تو دن کے شروع میں چار رکعتوں سے عاجز نہ بن میں تمام دن تیرے کاموں کی کفایت کرونگا۔

(فضائل نماز ص ۲۴)

ایک حدیث میں ہے کہ جو نماز کی حفاظت نہ کرے (وقت پر نہ پڑھے) اس کے لئے قیامت کے دن نور نہ ہوگا، نہ حجت ہوگی نہ نجات ہوگی اور وہ قیامت کے دن فرعون ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(فضائل نماز ص ۲۸)

حضرت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو! ایک نماز جب اس کا وقت ہو جائے، دوسرے جنازہ جب تیار ہو جائے، تیسرے بے نکاحی عورت جب اس کے جوڑ کا خاوند مل جائے۔

(فضائل نماز ص ۲۸)

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ} (الجمعة: ۹)

ترجمہ "مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور (خرید و فروخت ترک کر دو"

یعنی جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو تمام دنیاوی کاروبار لین دین، دکان داری فوراً چھوڑ دو! اور جمعہ کی نماز کی جانب چل دو! ویسے تو چاہئے تو یہ تھا کہ اذان سے قبل نہادھو کر عمدہ صاف کپڑے پہن کر مسجد میں چلے جاتے لیکن خدا نخواستہ اگر اذان تک نہ جاسکے تو اب جیسے ہی اذان ہو جائے اور کان میں اذان کی آواز "اللہ اکبر" فوراً دنیاوی کام چھوڑ دو! لہذا اللہ پاک کے اس حکم کی رو سے اذان کے بعد خرید و فروخت ناجائز اور حرام ہے، بڑے افسوس اور رنج کی بات ہے کہ لوگ دنیا کے ایسے حریص اور ظاہری اسباب کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ رزق دینے والے کی مخالفت کرتے ہوئے اذان کے بعد بھی دنیاوی کام کرتے رہتے ہیں۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۹۹)

تلاوت و ذکر کا اہتمام

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو شخص سورہ یسین کو شروع دن میں پڑھے اس کی تمام دن کی حوائج پوری ہو جائیں۔

(فضائل قرآن ص ۲۶ بحوالہ داری)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تو صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کر لیا کر (ذکر کر لیا کر) میں درمیانی حصہ میں تیری کفایت کرونگا۔

(فضائل ذکر ص ۵۲ بحوالہ مسند احمد و ڈر منشور)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک ذکر خدا میں لگے رہنا (پھر اس کے بعد تجارت دکانداری میں لگنا) رزق کے حصول میں زیادہ باعث نفع ہے، اس بات سے کہ دنیا کے کونے کونے میں پھر تار ہے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ اولاً خدا کی عبادت میں سورج نکلنے تک لگا رہے، عبادت، تلاوت ذکر و دعائیں لگا رہے، اس کے بعد دنیا کے کام میں لگے، برکت ہوگی نفع ہوگا، سہولت سے اسباب رزق مہیا ہوں گے۔ اس وقت رزق خدائے پاک تقسیم کرتے ہیں۔ اس وقت کو سونے میں اور یہ قیمتی وقت ہوٹل وغیرہ میں برباد نہ کرے عموماً امت کا اچھا خاصہ طبقہ اس وقت کو سونے میں برباد کر دیتا ہے۔ جس سے نقصان صحت کے علاوہ بے برکتی بھی ہوتی ہے۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۴۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے مول بھاؤ (تجارت دکانداری) کرے۔

ف: مطلب یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک کا وقت عبادت ذکر تلاوت وغیرہ کا ہے یہ وقت اللہ کا ہے جو خالق و مالک ہے، اس کا بھی تو حق بندے پر ہے کہ اسی نے پیدا کیا ہے اسی نے رزق کا فیصلہ اور بندے کے حق میں مقدر کیا ہے،

یہ تقسیم رزق کا وقت ہے۔ اس وقت اللہ سے رزق مانگے، دن بھر کے فیصلہ کا وقت ہے، اس وقت مانگ لے پھر اسے بعد میں حاصل کرے عبادت ذکر تلاوت مومن کی روحانی غذا ہے۔ فجر کے بعد اپنے مولیٰ خالق و رازق کو یاد کرے پھر تو دن بھر لگنا ہی ہے۔

(کنز/۴/ابن ماجہ، ۱۲۰ کنز العمال ۹۸، ۴)

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے غفلت کی جگہ (بازار) میں ذکر کرنے والا اس شخص کے مرتبہ میں ہے جو میدان جنگ میں بھاگنے والے کے خلاف جم کر قتل کرتا ہے اسی طرح غفلت کی جگہ (بازار) میں ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے سوکھے درخت میں کوئی سبز شاداب ٹہنی۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، ص: ۱۴۰، بحوالہ ترغیب ص ۵۳۲)

ایک روایت میں ہے کہ غفلت (بازار) میں ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کسی تاریک اندھیرے گھر میں روشن جلتا چراغ، غفلت کے مقام میں ذکر کرنے والے کو اسی دنیا میں اس کا ٹھکانہ جنت خدا دکھا دے گا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، ص: ۱۴۰، بحوالہ ترغیب ص ۷۸)

پس اے تاجرو! اور دکاندارو! اور بازار میں رہنے اور جانے والو! خدا کی یاد بھی جیسے وقت ملے کر لو! عظیم ثواب پالو!۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، ص: ۱۴۱)

زکوٰۃ ادا کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر اور سمندر میں کسی کا مال برباد ہوتا ہے تو زکوٰۃ نہ دینے سے برباد ہوتا ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، ص: ۶۰، بحوالہ ترغیب ج: ۱، ص: ۵۴)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعہ حفاظت کرو!

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، ص: ۶۰، بحوالہ ترغیب ج: ۱، ص: ۵۲)

تجارت اور دکان داری کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے ساڑھے باون تو لے چاندی یا چھ سو تیرہ گرام چاندی کے برابر دکان میں مال ہو اور سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اس سلسلے میں مزید تفصیل حساب کتاب والے باب میں آرہی ہے۔

صدقہ دینا

حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے تاجرو کی جماعت خرید و فروخت میں نامناسب باتیں (جھوٹ اور مبالغہ آمیزی وغیرہ) ہو جاتی ہیں اور قسم کھالی جاتی ہے، لہذا اس کی دھلائی صدقہ و خیرات سے کر لیا کرو!

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، ص: ۶۸، بحوالہ ابوداؤد ص: ۷۳-۷۴)

ف: دکان داری میں سامان بیچنے میں بسا اوقات ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جو تقویٰ اور توکل علی اللہ اور شرع کے خلاف ہوتی ہیں، لایعنی اور جھوٹی باتیں ہو جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ گناہ ہیں، بس اس کی تلافی صدقہ سے کرنے کا حکم ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟، ص: ۶۸)

حسن اخلاق

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

{وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ

فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ } (سورۃ آل عمران ۱۳۳، ۱۳۴)

ترجمہ: "اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

{وَإِذَا مَا عَصَبُوا لَهُمْ يَخْفُزُونَ } (سورۃ الشوریٰ ۴۷)

ترجمہ: "اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۰۷، بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مومن کی میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاہوں ہوں گے۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۰۸، بحوالہ ابوداؤد، ترمذی)

لہذا ایک مسلمان تاجر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق حسنہ کی صفت کے ساتھ متصف ہو، تاکہ خالق کی نگاہ میں بھی بلند مرتبہ بنے اور مخلوق خدا کے ساتھ بھی اس کے اچھے تعلقات رہیں۔

رحمدلی

رحمت دراصل اللہ تعالیٰ جل شانہ کی خاص صفت ہے اور رحمن اور رحیم اس کے خاص نام ہیں اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اس صفت کا جتنا عکس ہو گا وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اس قدر محروم رہنے والے ہیں۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۱۳)

لہذا مسلمان تاجر جب رحمدلی کی صفت کے ساتھ متصف ہو گا تو وہ رحمت الہی کا بھی مستحق ہو گا اور مخلوق کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جائے گی۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کیلئے رحم نہیں۔ اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔

(معارف المحدث ج ۲ ص ۱۱۳ بحوالہ بخاری و مسلم)

سخاوت اور بخل

سخاوت، یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا اور دوسروں کا کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے جس طرح بخل اور کنجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دل ہی کی ایک خاص صورت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اُس کو قرب خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سخاوت کی صفت سے اس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور اُس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور، یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اس کی کنجوسی کی وجہ سے وہ اس سے الگ اور بے تعلق رہتے ہیں) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے اور بلاشبہ ایک بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گزار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

(معارف المحدث ج ۲: ص ۱۱۸، بحوالہ جامع ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ غلے کے اونٹ آئے آپ علیہ السلام نے ان میں سے کچھ اونٹ تو خرید لئے اور آپ علیہ السلام نے ان سے کچھ اوقیہ سونا نفع کمایا اور اس کو بنی عبدالمطلب کی اولاد پر صدقہ کر دیا پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا میں اس چیز کو نہیں خریدتا جس کی قیمت میرے پاس موجود نہ ہو۔

(المستدرک للحاکم۔ کتاب البیوع ج ۲: ص ۳۰ نمبر ۲۲۶۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجارت معروف تھی۔ اصحابہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت ایک تاجر کے معروف آدمی تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے ان میں سے غلام آزاد کرتے تھے۔ مسلمانوں کی خبر گیری کرتے تھے یہاں تک کہ جب مدینہ منورہ آئے تو صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے اور موت کے وقت کچھ نہیں چھوڑا۔

ایک مسلمان تاجر بھی دوسروں پر خرچ کرنے والا اور دوسروں کے دکھ سکھ میں کام آنے والا ہوتا ہے خواہ وہ اس کا گاہک ہو یا کوئی اجنبی پر دیسی شخص ہو۔

یتیم کی خیر خواہی میں اس کے مال کو تجارت میں لگانا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یتیم کا مال تھا انہوں نے اسکو سمندری سفر میں مضاربت کے لئے دیا ۔
(یعنی ایسی تجارت میں جو سمندری رستہ سے ہونا تھی)

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۵ ج ۳ ح ۶۲۶۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت حکم بن عاص رضی اللہ عنہ کو اک یتیم کا مال تجارت کیلئے دیا۔
(بہقی ج ۲، ص ۴، حدیث نمبر ۱۰۹۸۵)

قاسم بن محمد نے فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے مال کی زکوٰۃ نکالتی تھی اور اس سے بحرین میں تجارت کی جاتی۔

(بیہقی شریف ج ۲، ص ۳-۲ ح ۱۰۹۸۶)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما یتیم کے مال کے والی بنتے تو رے مقام کی طرف (تجارت کیلئے) بھیج دیتے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۳ ح ۶۲۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پرورش میں ایک یتیم لڑکی تھی پھر انہوں نے اسکا نکاح کر لیا اور اسکے شوہر کو اسکا مال مضاربت کے طور پر دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۳ ح ۶۲۶۰)

عفو و درگزر

رحمدلی سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصور وار کو معاف کر دیا جائے اور سے درگزر کیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جناب میں عرض کیا، پرودگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ بندے جو (قصور وار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۲۱، بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

عفو و درگزر کے بارہا مواقع تجارت میں پیش آتے رہتے ہیں، لہذا مسلمان تاجر کو ان مواقع پر درگزر سے کام لینا چاہیے۔

احسان

ایک تاجر کی بحیثیت مسلمان ایک اہم صفت احسان ہے، احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اس کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا اس کا کوئی کام کر دیا جائے، اس کو آرام پہنچایا جائے یا کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو اس کے لئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے میرے کسی امتی کی کوئی حاجت پوری کر دی اس کا دل خوش کرنے کے لئے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے میرے اللہ کو خوش کیا اور جس اللہ کو خوش کیا اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔"

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۲۲)

ایثار

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کو خود ضرورت مند ہو لیکن جب کوئی دوسرا حاجتمند اس کے سامنے آجائے تو وہ چیز اس کو دے دے اور خود تکلیف اٹھالے اسی کا نام ایثار ہے اور بلاشبہ انسان اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا طرز عمل بھی یہی تھا اور دوسروں کی بھی اسی کی ترغیب دیتے تھے۔

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۲۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قدم بقدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے تھے، ان کی صفت ایثار کی اللہ جل شانہ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے

{وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَتْ بِهِمْ حَصَصَةٌ} (الحشر: ۹)

ترجمہ: "(اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش نہیں پاتے) اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔"

چنانچہ ایک مسلمان تاجر کو اپنی تجارت میں صفت ایثار کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے، مثلاً ایک دوکان پر گاہک صبح سے بہت آئے جبکہ پڑوسی دوکاندار صبح سے خالی بیٹھا ہے کوئی گاہک اس کے پاس نہیں آیا تو یہ پہلا دوکاندار آنے والے گاہک سے کہے کہ صاحب یہی سودا جو میرے پاس ہے اور آپ کو اس کی ضرورت ہے میرے ساتھ والے دوکاندار بھائی کے پاس بھی ہے اس کے پاس آج صبح سے کوئی گاہک نہیں آیا آپ اس سے خرید لیں۔

اُنس و محبت

ایک مسلمان تاجر محض خشک مزاج نہیں ہوتا بلکہ اُنس و محبت کا مرکز ہوتا ہے البتہ اس کی یہ اُنس و محبت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کیلئے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۲۸ بحوالہ مسند احمد و شعب الایمان بیہقی)

دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و عنفوری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آب رحمت ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو ہدایات بھی دی ہیں اور نصیحتیں بھی فرمائی ہیں لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت مسلمہ چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنادی گئی ہے اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمائندگی کرنی ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب امت کے (ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے) مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، للہی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر و خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں۔

(معارف الحدیث ج ۲: ص ۱۳۶)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۳۶، بحوالہ بخاری و مسلم)

جس طرح مسلمان تاجر کا معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ دینی اخوت، ہمدردی اور غم خواری کے جذبے کے ساتھ بندھا ہوا ہونا ضروری ہے، اسی طرح اسے ان تمام قلبی آلائشوں اور کدورتوں سے بھی پاک ہونا چاہیے، جن کی وجہ سے امت کی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور آپس کی محبتیں نفرتوں سے بدل جاتی ہے، مثلاً کینہ، حسد و بغض، بدگمانی وغیرہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھيرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۳۷، بحوالہ بخاری و مسلم)

تشریح

اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا، یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اُس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اُس کے ہر کام میں اس کو بد نیتی ہی بد نیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی ان ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہر برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا دُر عمل ہوتا ہے اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

نرم مزاجی اور تجارت میں آسانی کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اخلاق کے سلسلہ میں جو اہم تعلیمات اس امت کو دی ہیں ان کے پیش نظر مسلمان تاجر کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور سختی کا لہجہ اختیار نہ کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جل شانہ خود مہربان ہیں اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب ہے اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا سختی اور درشتی پر نہیں دیتا (بلکہ) جتنا نرمی کے علاوہ کسی چیز پر نہیں دیتا۔

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۴۲ بحوالہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ جل شانہ بیچنے میں، خریدنے میں اور فیصلہ کرنے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

(بخاری ص ۲۷۸، ترمذی جلد ۲ ص ۵۶۲)

تشریح

مندرجہ بالا حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو تجارت کے موقع پر گاہکوں اور بیچنے والوں کے ساتھ، اسی طرح تجارت سے متعلق فیصلہ کرنے میں لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہیے۔ اگر گاہک غریب ہے تو قیمت میں اس کے ساتھ آسانی کر دی جائے۔ کم قیمت پر اس کو مطلوبہ شے دے دی جائے۔ اگر غریب آدمی مقروض ہے تو قرض کی ادائیگی میں اس کے ساتھ آسانی اور نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے۔

اسی طرح ایک حدیث میں نرمی کے متعلق فرمایا گیا: ان اللہ رفیق یحب الرفق یعنی اللہ پاک نرمی کرنے والے ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں۔

ایسا ہی مندرجہ بالا حدیث میں اللہ پاک تجارت کے موقع پر نرمی کو پسند کرنے والے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ انسان کو نرمی اور آسانی کو اختیار کرنا چاہئے۔ اور حدیث میں نرمی کی وجہ سے جنت میں داخلے کا واقعہ مذکور ہے۔ چنانچہ پروفیسر مولانا عیسیٰ الہ آبادی اپنی کتاب انتخاب مشکوٰۃ میں رقمطراز ہیں۔

روایت ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں سے پہلے زمانہ میں ایک شخص تھا اس کے پاس ملک الموت اس کی روح قبض کرنے آئے تو (اللہ تعالیٰ نے خود یا کسی فرشتے نے) اس سے دریافت کیا تم نے کوئی بھلائی کی ہے۔ اس نے جواب دیا مجھے تو معلوم نہیں (کہ میں نے کوئی ایسا کام کیا ہو) پھر اس سے پوچھا گیا کہ ذرا غور کرو اس نے جواب دیا مجھے تو نہیں معلوم ہوتا کہ میں نے کوئی بھلائی کبھی کی ہو بجز اس بات کے کہ دنیا میں جب کسی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا تھا تو بوقت مطالبہ ان کے ساتھ حسن معاملہ کرتا تھا اور امیر کو مہلت دیتا تھا اور غریب کو معاف کر دیتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔"

(انتخاب مشکوٰۃ ۲۲۹، ۲۳۰)

چند متفرق صفات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بہترین کمائی ان تاجروں کی کمائی ہے جو جھوٹ نہیں بولتے، امانت میں خیانت نہیں کرتے، وعدہ خلافی نہیں کرتے اور خریدتے وقت اس چیز کی مذمت نہیں کرتے (تاکہ بیچنے والا قیمت کم کر کے دیدے) اور جب (خود) بیچتے ہیں تو (بہت زیادہ) تعریف نہیں کرتے (تاکہ زیادہ ملے) اور اگر ان کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو تو نال مٹول نہیں کرتے اور اگر خود ان کا کسی کے ذمہ نکلتا ہو تو وصول کرنے میں تنگ نہیں کرتے۔"

(ترغیب ج ۳ ص ۵۸۶)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تاجر میں چار باتیں آجائیں تو اس کی کمائی پاک ہو جاتی ہے:

○ جب خریدے تو اس چیز کی مذمت نہ کرے۔

○ اور بیچے تو اپنی چیز کی (بہت زیادہ) تعریف نہ کرے۔

○ اور بیچنے میں گڑبڑ نہ کرے۔

○ اور خرید و فروخت میں قسم نہ کھائے۔

(ترغیب ج ۳ ص ۵۸: ۶)

صدق و امانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچائی کی تلقین بہت زیادہ وسعت اور گہرائی کے ساتھ کی ہے۔ زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی اور جب ان تینوں میں کوئی مسلمان کامل ہو تو وہ کامل راست باز اور صادق ہے۔ نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے لوگ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھواتے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوں کا توں ان کو واپس کرتے تھے۔ قرآن پاک میں نیک عمل مسلمانوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے۔ "اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔" حدیث کی کئی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں۔" اور یہ ظاہر ہے کیونکہ دل نے ایک جگہ دھوکا دیا تو ہر جگہ دھوکا دے سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے میدان میں جو عملی نمونے پیش کئے، ان کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے پیروکار بھی تجارت میں وہی اصول اپنانے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء، صدیقین اور شہداء کیساتھ ہو گا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۷ بحوالہ جامع ترمذی، مسند داری، سنن دارقطنی)

اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی کے ذریعے حضرات انبیاء اور صدیقین و شہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہے۔

عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہو گا) سوائے ان (خدا ترس اور خدا پرست) تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ اور حسن سلوک اور سچائی کو برتا ہو گا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۹ بحوالہ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند داری)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرید و فروخت کرنے والے کو (بیچ توڑنے) کا حق ہے جب تک وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ اگر بائع و مشتری بیچ بولیں اور مال اور قیمت کے عیب اور کھرے کھوٹے ہونے کو بیان کر دیں تو ان کے بیچ میں برکت ہوتی ہے اور اگر عیب کو چھپالیں اور جھوٹے اوصاف بتا دیں تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ختم کر دی جاتی ہے۔

(مطہر حق ج: ۳، ص: ۶۵، بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا سچا تاجر ہو گا۔"

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۴، بحوالہ کنز العمال ج: ۴ ص: ۱۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سچے تاجر کو جنت میں جانے سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۴، بحوالہ کنز العمال ج: ۴ ص: ۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بیچ بولنے والا تاجر قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہو گا۔"

(ترغیب ج ۳ ص ۵۸۵)

ایفائے عہد

وعدہ پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔ ایک تاجر کی اخلاقی خوبیوں میں سب سے اہم اس کا وعدے پر قائم رہنا اور کئے ہوئے وعدوں کو نبھانا ہوتا ہے۔

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۷۶)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین کمائی اس تاجر کی ہے (جس میں یہ باتیں ہوں) جب بولے تو جھوٹ نہ بولے، جب امانت رکھے خیانت نہ کرے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی نہ کرے، جب سامان خریدے تو اس کی مذمت اور کمی (بلا حقیقت کے) نہ بیان کرے اور جب (اپنا مال) فروخت کرے تو تعریف میں مبالغہ نہ کرے اور جب اس سے مطالبہ نکلے تو دینے میں ٹال مٹول نہ کرے اور اس کا حق دوسرے پر نکلے تو سختی نہ کرے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۸، بحوالہ کنز العمال ج: ۴ ص: ۳۰)

قناعت و استغناء اور حرص و طمع

وہ بلند اخلاق جن کی وجہ سے مسلمان تاجر اللہ کا بھی محبوب بن جاتا ہے اور دین میں بھی اسے سر بلندی ملتی ہے بلکہ دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے ان میں سے ایک قناعت و استغناء بھی ہے کہ جو کچھ اللہ نے اسے عطا فرما دیا اس پر راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ چھوڑ دے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کامیاب اور بامراد ہو اوہ شخص جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قدر قلیل روزی پر قانع بنا دیا۔

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۸۶ بحوالہ مسلم)

یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پر مسرت بن جاتی ہے۔

ایں کیمیائے ہستی قارون کند گدارا

زندگی کی یہ مایہ ایک فقیر کو قارون (بڑا مالدار) بنا دیتی ہے۔ اور اگر دل کے حرص و طمع کا گرفتار ہے تو دولت کے ڈھیروں کے باوجود وہ خوش حالی سے محروم اور محتاج و پریشان حال ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:-

تو نگری بدل است نہ بہ مال

(مخلص از معارف الحدیث ج ۲: ص ۱۸۸)

صبر و شکر

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی ہے، اور غمی بھی شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگوار بھی ہے اور ناخوشگوار بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لے اللہ تعالیٰ جل شانہ پر ایمان رکھنے والے (تاجروں) کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش

آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں، اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۹۰، بتغییر لیسر)

ارشاد باری تعالیٰ ہے {وَلْيَبْلُغْكُمْ بَشِيرٌ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۝ إِذَا أَصَابْتَهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْتَخِرُونَ ۝} (البقرہ ۵۵، ۵۶)

ترجمہ: "اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میوؤں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے۔ اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔"

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور اگر اُسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرے تے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔

(معارف الحدیث ج: ۲، ص: ۱۹۱، بحوالہ مسلم)

مصیبت کے حال کو چھپانا

تجارت میں نفع و نقصان ایک لازمی چیز ہے، لیکن ایک مسلمان تاجر اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اپنے حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں ملتی رہتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسکے مال یا جان میں مصیبت پہنچی پھر اس نے اس کو لوگوں سے چھپایا اور لوگوں سے اس کی شکایت نہیں کی تو اللہ تعالیٰ جل شانہ پر واجب ہے کہ اس کی مغفرت فرمادیں۔

(طبرانی، گناہوں کا کفارہ ص ۱۰۶)

تقویٰ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ}

(الطلاق ۲۴۳)

ترجمہ: "اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کرے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔"

اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ اسی سے مشکلیں آسان ہوئی ہیں، بے قیاس و بے گمان روزی ملتی ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں، جنت ہاتھ آتی ہے، اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی سختی، سختی نہیں رہتی اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کا فور ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم دنیا کے لوگ اس آیت کو پکڑ لیں تو ان کو کافی ہو جائے۔

(تفسیر عثمانی)

حضرت ابو قتادہ اور ابو دھار رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم کسی شئی کو تقویٰ اور خوف خدا کی بنیاد پر چھوڑ دو گے تو اللہ پاک اس سے بہتر سے نوازیگا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۲۳، بحوالہ شعب الایمان ج: ۵، ص: ۵۳)

ف: تقویٰ اور خوف خدا اور شریعت کی رعایت میں جو کام آدمی اختیار کرتا ہے اللہ پاک اس میں برکت عطا فرماتے ہیں، اگر کسی مقام سے دنیاوی فائدہ ہو رہا ہو، خوب اچھا نفع مل رہا ہو، مگر وہ تقویٰ کے اعتبار سے بہتر نہیں، شبہ کا مال ہے، شرع نے اس سے بچنے کو کہا ہے اور یہ اسے چھوڑ دے اور اسے قربان کر دے تو اللہ پاک غیب سے جہاں سے اسے پتہ بھی نہیں چلے گا اس سے بہتر سے نوازیگا اور اس قسم کے بے شمار واقعات میں، جس نے تقویٰ کی بنیاد پر مال چھوڑ دیا اللہ پاک نے اسے خوب نوازا۔ پس اے تاجر اور مال کے حاصل کرنے والو، مال اگر تقویٰ کے خلاف مل رہا ہو تو اسے چھوڑ دو اللہ پاک دوسرے لائن سے خوب دیگا اس کے کہنے پر بھروسہ کرو۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۲۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی آدمی اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک اپنا رزق نہ پورا کرے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۲۶، بحوالہ حاکم، کنز: ۴، ص: ۲۲)

اے لوگو! اللہ سے ڈرو! تلاش رزق میں ٹھیک رہو۔ جو حلال طریقہ سے ملے اسے لے لو اور جرم حرام طریقہ سے ملے تو چھوڑ دو۔ یہ کونسی عقلمندی کی بات ہے کہ حرام طریقہ حاصل کرو، حرام مال حاصل کرو، دنیا کی برکت کھو، قیامت میں ذلت رسوائی مول لو۔ گرفت اور مواخذہ میں پڑو اور جہنم کی سزا آگ میں جلنا قبول کرو۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۲۶)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے تاجر بھی تھے۔ ایک بار انہوں نے ایک دکاندار کے پاس بیچنے کے لئے کپڑے کے تھان بھیجے اور یہ بھی کہلوا یا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے، بیچتے وقت خریدار کو دکھلا اور بتلا کر دینا۔ بیچتے وقت وہ یہ بات بھول گیا۔ امام صاحب کو پتہ چلا تو بہت افسوس کیا۔ تھان لے جانے والے شخص کا علم نہ ہو سکا۔ اس لئے آپ نے ان تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی۔

دنیا سے بے رغبتی اور زُہد

قرآن پاک کی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ میں کثرت سے دنیا کی مذمت وارد ہوئی ہے بلکہ تمام انبیائے کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اسی پر تنبیہ کے لئے ہوئی ہے کہ اس سے دل نہ لگایا جائے۔ اس لئے یہ بات حالت مرض کے زیادہ مناسب ہے کہ مریض ہے کہ مریض دنیا سے بے رغبت اور یکسو ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ دنیاوی لذات سے بالکل یکسو ہو گئے تھے اور ایسی بے رغبتی اختیار کی تھی کہ سخت سے سخت تکلیف حتیٰ کہ موت کے وقت بھی اس پر رنجیدہ ہوتے تھے کہ کہیں کچھ دنیا کا مال و اسباب ملکیت میں پڑا نہ رہ جائے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے آدمیوں کو (صحابہ رضی اللہ عنہ) کو پایا ہے جن کے نزدیک دنیا اس مٹی سے زیادہ ذلیل تھی جس پر تم چلتے ہو۔ ان کو اس کی پرواہ نہ تھی کہ دنیا ہے یا جاتی رہی۔ اس کے پاس چلی گئی اس کے پاس چلی گئی۔

(فضائل صدقات، ص ۶۱۵)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے تاجر تھے ان کے بارے میں نوفل بن ایاز روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کر کے باہر نکلے، اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا ابو محمد (حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) یہ گریہ وزاری کیسی؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہ ملی، ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔

(سیر الصحابہ ج: ۲، ص: ۱۳۰)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی بہت بڑے تاجر تھے، ان کی بیوی حضرت سعدیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم صدقہ کئے پھر اس دن ان کو مسجد میں جانے سے صرف اس وجہ سے دیر ہو گئی کہ میں نے ان کے کپڑے کے دونوں کناروں کو ملا کر سیا (لاکھ درہم سب دوسروں کو دیدیئے اپنے پر کچھ نہ لگایا)۔

(حیۃ الصحابہ ج: ۲، ص: ۲۳۸، بحوالہ ابو نعیم فی الحلیہ ج: ۱، ص: ۸۸)

سادگی

جب ہم حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جیسے مال دار تاجر صحابہ کرام کے متعلق پڑھتے اور سنتے ہیں تو یہ بات ذہن میں نہ آجائے کہ یہ حضرات تو بڑی شاہانہ زندگی گزارتے ہوں گے، اس لئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت اس انداز سے فرمائی تھی کہ اپنی زندگی اور گذر اوقات کو سادہ سے سادہ رکھتے ہوئے اپنی تمام زائد آمدنی کو دین کی خدمت اور انسانیت کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں خرچ کر دیا جائے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ناز و نعمت کی زندگی سے بچو! (سادگی اختیار کرو!) اس لئے کہ اللہ کے (خاص) بندے ناز و نعمت کی زندگی نہیں گزارا کرتے۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دولت و ثروت کے باوجود طرز معاشرت نہایت سادہ تھا اور غذا بھی پر تکلف نہ تھی

(سیر الصحابہ ص: ۱۰۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چراغ بجانے والا واقعہ ڈالنا ہے۔

[Comment M7]: حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کے چراغ بجانے والا واقعہ ڈاکٹر سلیم صاحب نے ڈالنا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو خلافت والا عمدہ کھانا کھلاتے تھے اور خود گھر جا کر سرکہ اور تیل یعنی سادہ کھانا کھاتے تھے۔

عبدالملک بن شہاد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ممبر پر دیکھا، کہ ان کے بدن پر عدن کی بنی ہوئی موٹی لنگی تھی جس کی قیمت (صرف) چار یا پانچ درہم تھی۔

(حیۃ الصحابہ ج: ۲، ص: ۷۶-۳)

غصہ اور لعنت و ملامت

مسلمان تاجر کو جہاں اچھی خصلتوں کا حامل ہونا چاہیے وہاں اسے ان عادتوں سے بھی احتساب کرنا چاہیے جو شخصیت کو عبادت کرتی ہیں اور ایمان کے معافی ہوتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ فحش گو اور بدگلام ہوتا ہے۔

(معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۰۲ بحوالہ ترمذی)

جھوٹ اور خیانت

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی طبیعت اور فطرت میں پر خصلت کی گنجائش ہے سوائے جھوٹ اور خیانت کے۔

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۶۹ بحوالہ مسند احمد و شعب الایمان للبیہقی)

مطلب یہ ہے کہ مومن اگر واقعی مومن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص مفاقتانہ عادات ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

(معارف الحدیث ج ۲ ص ۱۶۹ بحوالہ مسند احمد و شعب الایمان للبیہقی)

حضرت قیس کی روایت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے تاجر و کی جماعت شیطان اور گناہ خرید و فروخت میں شامل ہو جاتے ہیں بس اس کی تلافی صدقہ خیرات سے کیا کرو۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۶۹، بحوالہ ترمذی ص: ۲۲۹)

ف: سامان بیچنے والے اس وجہ سے کہ سامان گاہک لیلے اور ہمیں نفع مل جائے سامان کی تعریف اور دام کی کمی کے بارے میں مبالغہ آرائی کرتے ہوئے خلاف واقعہ بات بول دیتے ہیں، مثلاً یہ کہ یہ کسی کے پاس نہیں ملے گا سب کے پاس نقلی ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۶۹)

قسمیں کھانا

حضرت ابو قتادہ انصاری نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خرید و فروخت میں بکثرت قسم کھانے سے اپنے آپ کو بچاؤ، اگرچہ اس سے نکل جاتا ہے پھر بے برکتی ہوتی ہے۔

(شمال کبریٰ حصہ سوم ص ۵۰، مسلم)

ف: قسم کھائے تاکہ مال بک جائے، اس میں بیشتر تو جھوٹی قسم، خلاف واقعہ قسم ہو جاتی ہے۔ پھر ایک دنیا کے لئے اللہ پاک عزوجل کے نام کی بے حرمتی، اللہ پاک پر ایمان لانے والے کیلئے گوارہ نہیں، پھر اس کا کوئی اچھا نہیں کہ اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ تو پھر کیا فائدہ ایسی حرکت سے جس میں ایسی خرابیاں ہوں۔

بعض سامان بیچنے والے کی عادت ہوتی ہے، وہ قسم کے عادی ہوتے ہیں۔ قصاب گوشت کی تعریف میں ایسا کرتے ہیں، پس اے لوگ سرکارو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا وہیمان رکھیں اور اس بری عادت سے بچیں۔

حقوق العباد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو "ہدایت" اور "دین" حق لے کر آئے اس میں سب سے پہلی چیز ایمان اور توحید کی دعوت تھی۔ پھر جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو قبول کر لیتے، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عملی زندگی کے بارے میں ہدایت دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت اور تعلیم کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کیا حق ہے اور اس باب میں ان کے فرائض کیا ہیں اور اس حق اور ان فرائض کی ادائیگی کے لیے انہیں کیا کرنا چاہیے۔

ایمان و توحید اور عبادات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا وہ حصہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ بندوں پر دوسرے بندوں کے اور عام مخلوقات کے کیا حقوق ہیں اور اس دنیا میں جب ایک انسان کا دوسرے اندان یا کسی بھی مخلوق سے واسطہ اور معاملہ پڑتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے اور اس باب میں اللہ کے احکام کیا ہیں۔

حقوق العباد کا مسئلہ اس لحاظ سے زیادہ اہم اور قابل فکر ہے کہ اس میں اگر تقصیر اور کوتاہی ہو جائے یعنی کسی بندہ کی ہم سے حق تلفی ہو جائے تو اس کی معافی اور اس سے نجات و سبکدوشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے (جو رحیم و کریم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ یا تو اس دنیا میں اس بندہ کا حق ادا کر دیا جائے یا اس سے معافی حاصل کر لی

جائے اگر ان دونوں میں سے کوئی بات بھی یہاں نہ ہو سکی تو آخرت میں لازماً اس کا معاوضہ ادا کرنا ہو گا اور وہ بے حد مہنگا پڑے گا یا اس کے حساب میں آخرت کا سخت عذاب بھگتنا ہو گا جیسا کہ حدیثوں میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:-

جس کسی نے اپنے کسی بھائی کے ساتھ ظلم زیادتی کی ہو، اس کی آبروریزی کی ہو یا کسی اور معاملہ میں حق تلفی کی ہو تو اس کی چاہیے کہ آج ہی اور اسی زندگی میں اس سے معاملہ صاف کرالے، آخرت کے اس دن کے آنے سے پہلے جب اس کے پاس ادا کرنے کے لئے دینار درہم کچھ بھی نہ ہو گا اگر اس کے پاس اعمال صالحہ ہوں گے تو اس کے ظلم کے بقدر مظلوم کر دلا دیئے جائیں گے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہاتھ ہو گا و مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لا دیئے جائیں گے (اس طرح انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے گا۔)

(بخاری ابواب المقالم والقصاص)

پھر حقوق العباد سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے بھی دو حصے ہیں ایک وہ جس کا تعلق معاشرتی آداب و احکام سے ہے، مثلاً یہ کہ ماں باپ کا اولاد کے ساتھ، اولاد کا ماں باپ کے ساتھ، بیوی کا شوہر اور شوہر کا بیوی کے ساتھ، قریب و بعید کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ نوکروں، ماتحتوں کے ساتھ، خاص کر کمزور اور ضرورت مند طبقوں کے ساتھ، اسی طرح اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ کیا رویہ اور کیسا برتاؤ ہونا چاہیے۔ علیٰ ہذا آپس میں ملنے جلنے، ہنسنے، بولنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے شادی بیاہ اور خوشی و غم کے موقعوں پر کن احکام اور آداب کی پابندی کرنی چاہیے۔ دین کے اس حصہ کا عنوان معاشرت ہے۔ دوسرا حصہ حقوق العباد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا وہ ہے جس میں معاشی و مالی معاملات خرید و فروخت، تجارت و زراعت، قرض و امانت، ہبہ و وصیت، محنت و مزدوری یا باہمی نزاعات میں انصاف، محکمہ قضا اور شہادت و وکالت وغیرہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں، اس کا جامع عنوان معاملات ہر طرح پوری ملت اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہیے اور ہر ایک کے دکھ درد میں سب شریک ہونا چاہیے۔

(مختص از معارف الحدیث ج: ۶ ص: ۲۶۲)

مذکورہ بالا تمہید سے یہ بات واضح ہوئی کہ حقوق العباد سے متعلقہ تعلیمات کو دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حُسن معاشرت ۲۔ حُسن معاملات

اگرچہ معاشرت اور معاملات کے متعلق احکامات تو بہت سے ہیں لیکن ہمارا موضوع یہاں مسلمان تاجر کی صفات کا تذکرہ ہے اس لئے اسی مناسبت آئندہ سطور پر کچھ عنوانات زیب قرطاس کئے جاتے ہیں۔

۱. حسن معاشرت

سلام کرنا

ایک مسلمان تاجر کا دوسرے مسلمانوں سے بہت واسطہ پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں پیغمبری ہدایت ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کیا جائے۔

حضرت طفیل رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ہیں، روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دیتے تو وہ انہیں لے کر صبح کے وقت بازار تشریف لے جاتے اور جس پھیری لگانے والے، بیچنے والے یا مسکین یا کسی شخص کے پاس سے بھی گذرتے تو اسے سلام کرتے، حضرت طفیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر ایک دن میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو انہوں نے مجھے بازار چلنے کے لئے کہا میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جا کر کیا کریں گے، آپ نہ تو کسی بیچنے والے کے پاس ٹھہرتے ہیں نہ ہی آپ کسی سودے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں اور نہ ہی بھاؤ تاؤ کرتے ہیں اور نہ بازار کی مجالس میں شرکت کرتے ہیں، ہمیں یہیں بٹھا کر گفتگو فرمائیں! حضرت طفیل رحمۃ اللہ علیہ کا پیٹ بہت بڑا تھا اس لئے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ اے پیٹو! ہم تو سلام کرنے کے لئے جاتے ہیں، جو ہمیں ملتا ہے اسے سلام کرتے ہیں۔

(موطا امام مالک، بیہقی، مشکوٰۃ حدیث: ۴۶۶۳)

مصافحہ

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبہ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلاطے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صراحت یہی بات فرمائی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سلام کا مکملہ مصافحہ ہے۔

(معارف الحدیث ج: ۶، ص: ۳۴، بحوالہ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

چنانچہ مسلمان تاجروں کو مصافحہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

مسلمان کا اکرام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لئے) نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے، نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے (یعنی دوسروں کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی مدد کرے) اور جو کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کی حاجت روائی کرے گا اور کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کو قیامت کے دن کسی مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا، اللہ تعالیٰ جل شانہ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ حدیث: ۴۹۵۸)

لہذا ضروری ہے کہ اپنی تمام تر تجارتی مشغولیات و معاملات میں مسلمانوں کے اکرام کا پہلو ملحوظ نظر رہے اور ہمارے بازار بھی اکرام مسلم کے مناظر سے آباد ہوں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج: ۱ ص: ۲۵۹)

۲. حسن معاملات

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" (النساء: ۲۹)

ترجمہ: "مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تم پر مہربان ہے۔"

یہ آیت دین کے ایک بہت اہم رکن سے متعلق ہے، وہ دین کا اہم رکن "معاملات کی درستی اور اس کی صفائی" ہے۔ یعنی انسان کا معاملات میں اچھا ہونا اور خوش معاملہ ہونا، یہ دین کا بہت اہم باب ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ دین کا جتنا اہم باب ہے، ہم لوگوں نے اتنا ہی اس کو اپنی زندگی سے خارج کر رکھا ہے۔ ہم نے دین کو صرف چند عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، عمرہ، وظائف اور اورداد میں منحصر کر لیا ہے، لیکن روپے پیسے کے لین دین کا جو باب ہے، اس کو ہم نے بالکل آزاد چھوڑا ہوا ہے، گویا کہ دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں، حالانکہ اسلامی شریعت کے احکام کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ عبادات سے متعلق جو احکام ہیں وہ ایک چوتھائی ہیں، اور تین چوتھائی احکام معاملات اور معاشرت سے متعلق ہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۵۹ تا ۲۶۰)

خریدنے میں حسن معاملگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے لوگوں میں سے ایک نے ایک شخص سے زمین خریدی۔ خریدنے کے بعد زمین سے ایک گھڑا سونے کا نکلا، وہ شخص زمین فروخت کرنے والے کے پاس گیا اور کہا یہ سونا تم لے لو، تم سے صرف زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا۔ فروخت کرنے والے نے کہا میں نے تم کو زمین اور جو کچھ زمین کے اندر ہے فروخت کیا تھا۔ یہ سونا تمہارا ہی ہے۔ دونوں نے ایک شخص کو منصف بنایا اور اپنا معاملہ پیش کیا۔ منصف نے کہا، کیا تمہارے اولاد ہے؟ ایک نے کہا، میرے ہاں لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا، میرے ہاں لڑکی ہے۔ منصف نے فیصلہ کیا، لڑکے کا نکاح لڑکی سے کرو اس سونے کو ان پر خرچ کرو اور خیرات بھی کرو۔

دیانت

محمد بن سیرین عراق کے باشندے تھے۔ عین التمر میں دکان کرتے تھے۔ ایک دفعہ چالیس ہزار کاروغن زیتون خریدا۔ اس کے پیپوں سے چوہا نکل آیا۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ کو لھو میں پڑ گیا تھا اور وہاں سے پیپ میں پہنچا۔ اس لئے سارا تیل

پھٹکوا دیا اور خسارہ کی یہ کثیر رقم ادا نہ کر سکے۔ جس کے نتیجہ میں سخت قید برداشت کی لیکن اپنے اصول دیانت سے کبھی منہ نہ موڑا۔

محمد بن سیرین کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے غلہ فروخت کیا، انہیں اسی ہزار درہم نفع ہوا۔ اتنے زیادہ نفع پر انہیں شک ہوا کہ ان کے ملازموں نے مہنگا غلہ فروخت کر کے زیادہ نفع لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے نفع کی ساری رقم خریداروں کو واپس دے دی۔

قرض کی ادائیگی کا اہتمام

قرض کا خیال:-

حدیث شریف میں آیا ہے۔ 'خیار کم' احاسنکم 'قضاء تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض ادا کرنے میں بہتر ہیں۔

(ترمذی کتاب البیوع)

یہ حدیث عملی حیثیت سے صرف صحابہ کرام پر صادق آتی ہے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جب معرکہ جمل میں شریک ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ آج صرف ظالم یا مظلوم قتل ہوں گے میرا خیال ہے کہ میں بھی مظلومانہ شہید ہوں گا، مجھ کو سب سے زیادہ اپنے قرض کی فکر ہے ہماری جائیداد فروخت کر کے سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور اگر تم مجبور ہو جاؤ تو ہمارے مولا (خدا) سے مدد چاہنا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت دیانت کے ساتھ اس کی تعمیل کی چنانچہ جب باپ کا کل قرض ادا کر چکے تو ان کے بھائیوں نے کہا اب ہماری میراث تقسیم کرو لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک چار سال تک موسم حج میں یہ اعلان نہ کر لوں گا کہ زبیر پر جس کا قرض آتا ہو وہ ہم سے آکر لے لے وراثت تقسیم نہ کروں گا، چنانچہ چار سال تک برابر یہ منادی کرتے رہے۔

(بخاری کتاب الحج باب برکتہ المغازی فی مالہ حیاء یتامع النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے لئے نکلے تو اپنے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ میں ضرور شہید ہوں گا، مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنا اور اپنے بھائیوں کے سلوک سے کرنا۔

(اسد الغابۃ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کے کچھ اونٹ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص کو اس کے قرض کا اونٹ ادا کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صدقہ کے جو اونٹ آئے ہیں، میں ان میں نہیں پاتا ہوں مگر اچھا اور چار سال کی عمر کا بڑا اونٹ پاتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو وہی اچھا اور بڑا اونٹ دے دو۔ پس بے شک تم میں بہتر وہ ہے جو قرض کی ادائیگی بہتر انداز سے کرے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۱۲ تا ۱۱۳)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی طرف دیکھا (کسی سفر سے واپسی کی بات معلوم ہوتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرے لئے اس احد کو سونے میں تبدیل کر دیا جائے اور اس میں میرے پاس ایک دینار بھی تین دن سے زیادہ باقی رہے۔ سوائے اس دینار کے جو میں دین کی ادائیگی کے لئے محفوظ رکھوں۔

ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں تھا کہ آپ کے پاس کوئی دولت رہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی ادائیگی کا کتنا اہتمام تھا۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۱۳)

عموماً تجارت میں ادھار لین دین اور قرض سے واسطہ پڑتا ہے، اس لئے مسلمان تاجر کو بروقت اور عمدہ طریقہ سے ادائیگی کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

قرض داروں اور ادھار خریدنے والوں کو مہلت دینا۔

ادھار خریدنے والے اور قرض داروں کو قرض ادا کرنے کے لئے مہلت دینا بڑے ثواب کا کام ہے اور خود قرآن مجید نے اس کی ہدایت کی ہے۔

[فَتَنْظِرُهُ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ] (البقرہ: ۲۸۰) اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس قدر مہلت دو کہ وہ فراخ دست ہو جائے، لیکن اس

کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دلوں میں لطف و محبت اور رحم و شفقت کا مادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے قلوب کو ان جذبات سے معمور کر کے ان کو اس کار خیر کی توفیق عطا فرمائی تھی، اے شخص پر حضرت ابو قتادہ کا قرض آتا تھا وہ تقاضے کو آتے تھے تو غریب گھر میں چھپ جاتا تھا حسن اتفاق سے ایک دن آئے اور اس کے بچے سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟

اس نے کہا گھر میں کھانا کھا رہا ہے، بلا کر پوچھا مجھ سے کیوں چھپتے تھے؟ بولا سخت تنگ دست ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہو گئے اور کہا رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے قرض دار کو مہلت دیتا ہے یا قرض معاف کر دیتا ہے وہ قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہو گا۔

(موطا امام محمد، طبقات ابن سعد، مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۸)

حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ پر حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا قرض تھا وہ تقاضے کو آئے تو وہ چھپ گئے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ تیزی کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ سمجھے کہ وہ نکل گئے، جھانک کر دیکھا تو ان سے آنکھیں چار ہو گئیں بولے کیا تم نے رسول اللہ سے نہیں سنا ہے کہ جو شخص تنگ دست کو مہلت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں لے گا۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ سے یہ سنا ہے۔

(مسلم ۴۱۵، مشکوٰۃ ۲۱۵)

کل ادھار و قرضہ معاف کرنا یا قرض میں کمی کرنا

صحابہ کرام نہایت فیاض خواہ اور رحمدل تھے اس لئے قرض کو معاف فرما دیتے تھے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے کسی تنگ دستی پریشان حال کو ادائے گی میں مہلت دی، یا اس کو معاف کر دیا، اللہ پاک اسے قیامت کے دن کی مصیبت سے نجات دے گا۔

(معارف الحدیث ج: ۷، ص: ۴۹۳، بحوالہ مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کسی تنگ دست محتاج کو ادائیگی میں مہلت دے یا معاف کر دے اللہ پاک اسے جہنم کی آگ سے نجات دے دیگا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۲۸، بحوالہ مسند احمد اور اتحاف السادہ)

ایک بار حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں ایک صحابی پر قرض کا تقاضا کیا شور و غل ہوا تو کاشانہ نبوت میں آواز پہنچی آپ نے پردہ اٹھا کر فرمایا کعب آدھا قرض معاف کر دو بولے معاف ہے۔

(شائل کبری ج: ۳، ص: ۱۰۸، بحوالہ عمدۃ القاری)

لہذا مسلمان تاجر کو حسب توفیق اپنے قرض دار کو مہلت دینے یا قرض معاف کر دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

دوسرے کی جانب سے ادھار و قرض ادا کرنا

۱۔ صحابہ کرام اپنے قرض دار بھائیوں کو قرض کی مصیبت اور قرض خواہوں کے تشدد سے ولایا کرتے تھے "ایک بار رسول اللہ نے فرمایا کہ قبیلہ ہذیل کا کوئی شخص ہے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ میں ہوں" ارشاد ہوا کہ تمہارا بھائی قرض میں مانخوڑ ہے "انہوں نے اس کا کل قرض ادا کر دیا۔

(شمال کبری ج: ۳، ص: ۱۱۱، بحوالہ بزار)

۲۔ ایک دفعہ ایک شخص کا جنازہ آیا جس پر تین دینار قرض تھا آپ نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرمایا تو حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ میں اس کا قرض ادا کر دوں گا اب آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(شمال کبری ج: ۳، ص: ۱۱۲، بحوالہ بخاری)

۳۔ ایک صحابی نے باغ خرید اکوئی افق آئی اور تمام پھل ضائع ہو گیا اب قیمت کیونکر ادا کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قرض سے گراں بار ہو رہے ہیں تمام صحابہ کو حکم دیا کہ سب لوگ اعانت کریں تمام صحابہ نے کچھ نہ کچھ اس میں حصہ لیا۔

(بخاری، ابوداؤد کتاب المبیوع)

مجبوری سے فائدہ نہ اٹھانا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوری پریشان حال کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۱۲، بحوالہ ابوداؤد)

ف: کسی کی مجبوری سے نامناسب فائدہ اٹھانا یہ ظلم ہے اور اس کا تعاون کرنا چاہیے اور اس کی اعانت کرنی چاہیے نہ کہ اس سے اینٹھنا چاہیے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص سخت مجبوری کی وجہ سے مثلاً علاج وغیرہ کے لئے اپنی کوئی جائیداد یا سامان بیچ رہا ہے تو اس سے اتنی کم قیمت میں خریدنا جسے وہ مجبوراً قبول کر رہا ہو جائز نہیں گناہ کی بات ہے۔

اسی طرح کسی چیز کی لوگوں کو اشد ضرورت ہو تو لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے مہنگے داموں فروخت کرنا یا عید و تہواروں کے مواقع پر کرائے بڑھا دینا وغیرہ ظلم ہے۔

خریدار کا فروخت کنندہ کو منہ مانگی قیمت سے زیادہ قیمت ادا کرنا

ایک تاجر یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری کے مرید تھے۔ وہ ریشمی کپڑے کے تاجر تھے۔ ایک دفعہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تیس ہزار درہم کا ریشمی کپڑا خریدا، ابھی تک رقم ادا نہیں کی تھی کہ کپڑے کے دام چڑھ گئے۔ آپ نے کپڑا فروخت کرنے والے سے دریافت کیا کہ آپ کو علم ہے کہ بھاؤ چڑھ گیا ہے۔ اس نے جواب نفی میں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کی بے خبری سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا، پہلی قیمت پر مال نہیں لوں گا۔ آج کی قیمت پر سودا کرنے پر تیار ہوں۔ وہ بھی سچا مسلمان اور ایماندار تاجر تھا۔ اس نے کہا جس قیمت پر سودا ہوا تھا اس سے زیادہ قیمت نہیں لوں گا۔ اس پر یونس بن عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی قیمت پر کپڑا لینے سے انکار کر دیا۔

ان کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ ایک عورت ریشمی چادر فروخت کرنے آئی۔ آپ نے چادر کی قیمت دریافت کی۔ عورت نے کہا، ساٹھ درہم۔ آپ نے وہی چادر دوسرے دکاندار کے پاس بھیج کر قیمت دریافت کرائی۔ اس دکاندار نے اس چادر کی قیمت ایک سو بیس درہم لگائی۔ یونس بن عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو بیس درہم دیکر چادر خرید لی۔

(حوالہ؟)

قیمت میں رعایت دینا

یگی بن سعید نے ابو بکر بن عمرو بن حزم سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے پھل کو چار ہزار کے بدل میں بیچا اور اس میں سے آٹھ سو کو چھوڑ دیا۔

(مصنف ابن ابی حدیث نمبر ۲۱۱۹۳)

حضرت ربیع الرائے نے قاسم بن محمد کے بارے میں بیان کیا کہ وہ اپنے پھل کو بیچتے اور اس میں سے بعض کو چھوڑ دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸۰، ج ۴ حدیث نمبر ۲۱۱۹۹)

اپنا حق چھوڑ دینا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو اپنا حق محض جھگڑے اور فساد سے بچنے کے لئے چھوڑ دے اسے بیچ جنت میں جہ ملے گی۔

(حوالہ؟)

ف: مطلب یہ ہے کہ کسی جائیداد میں یا مال میں یا اور کسی چیز میں اس کا صحیح حق جو شرع سے ثابت ہے، نکل رہا ہے یا کسی کے مال یا قرضہ یا اور کوئی چیز باقی رہے، اب اپنا حق مانگتا ہے۔ یا حاصل کرنا چاہتا ہے تو جس اس کا حق نکلتا ہے وہ نہیں دیتا ہے، یہاں اس کہ جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آ جاتی ہے، یا بلا مقدمہ اور کچہری سے نہیں ملے گا، پاس ایسی صورت میں جھگڑے اور فساد سے بچنے کے لئے اپنا حق چھوڑ دے گا تو اللہ پاک اسے بیچ جنت میں جہنمی گھر دے گا اس لئے کہ جھگڑے اور لڑائی سے دوسرے اور گناہوں کا سلسلہ قائم ہو گا۔ جو دنیا کو تقویٰ کی وجہ سے چھوڑ دے گا۔ اسے اللہ پاک اپنی طرف سے جائز راستہ سے سہولت سے نوازے گا۔

(حوالہ؟)

خریدی ہوئی چیز واپس کر لینا

ابو شریح رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنے بھائی کی خریدی ہوئی چیز کو واپس کرے قیامت کے دن اللہ پاک اس کے گناہ کو واپس یعنی معاف کر دیگا۔

(ترغیب ۵۲)

پس اے تاجر وائے دکاندارو، یہ نہ کہو کہ خریدنے کے بعد واپس نہ ہو گا اور نہ لکھ کر دکان میں لگاؤ، کہ یہ ہماری شریعت میں پسندیدہ بات نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کے خریدے ہوئے مال کو واپس کرے (اگر وہ واپس کرنا چاہے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ کو معاف کر دے گا۔

(شمائل کبریٰ حصہ سوم ۳۶، ابوداؤد، ابن ماجہ)

واپسی کا اختیار دینا سنت ہے

حضرت بوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی سامان خریدا اور اسے دیکھا نہیں تھا تو اسے دیکھنے کے بعد اختیار رہے گا (پسند ہو تو رکھ لے ورنہ واپس کر دے)۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۱۷، بحوالہ دارقطنی ج: ۱، ص: ۴۹)

ف: مطلب یہ ہے کہ خریدار نے جلدی میں یا کسی وجہ سے دیکھا نہیں پھر خریدنے کے بعد اس نے دیکھا کہ کمی ہے یا ایسی بات پائی جس سے وہ راضی نہیں تو اس کو واپس کرنے کا حق ہو گا اور دکاندار کو چاہیے کہ وہ واپس کر لے یہ نہیں کہے کہ بکنے کے بعد واپس نہیں ہو گا شریعت نے واپسی کا حق دیا ہے۔ اس کے حق کو پامال اور ضائع نہ کرو۔ ہاں اگر وہ سامان پیک تھا، اور اوپر میں سامان کی نوعیت اور اس کی پوری تفصیل لکھی تھی اس نے پڑھ لیا پھر لیا تو دیکھنے کے حکم میں ہے، اس طرح بند سامان تھا اسے کھول دیا یا سیل کو توڑ دیا تو واپسی کا اختیار نہ ہو گا کہ اس میں بائع کا ضرر اور نقصان ہے۔ اسی طرح اگر سامان خراب کر دیا، کچھ کر دیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت پر اثر پڑا تو بھی خریدار کو حق ہے کہ واپس نہ لے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۱۷)

سامان کا بازار تک پہنچنے سے پہلے خریدنے کی کوشش کی ممانعت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک سامان تجارت منڈی میں نہ اتر جائے اسے آگے بڑھ کر (شہر سے باہر جا کر) نہ خریدو۔

(شمائل کبریٰ حصہ سوم ص ۴۷، ابوداؤد ص ۸۷۸)

دوسرے کے معاملہ پر معاملہ کرنے سے اجتناب اور مقابلہ بازی سے بچنا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے بھائی کے معاملے پر معاملہ نہ کرے یہاں تک کہ وہ خرید لے یا چھوڑ دے۔

(نسائی ص ۵۱۲۔ باب بیع الرجل علی، بیع الخیہ۔ بخاری۔ ص ۹۸۲۔ ج ۱۔ باب لا یشتري الرجل۔ کذا فی منہاج احمد ص ۸۲۲ ج ۲)

تشریح

مندرجہ بالا حدیث میں معاملے پر معاملہ کرنے اور تاجروں کا ایک دوسرے تاجر بھائی کا مقابلہ کرنے سے منع کرنا مقصود ہے۔ اس کی صورت اس طرح ہے کہ بازار میں ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ کسی چیز کے خریدنے میں بات چیت کر رہا ہے۔ اتنے میں تیسرا آدمی آجائے اور فروخت کرنے والے سے کہے کہ اس چیز کو میں خریدتا ہوں تو اس طرح کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کے دو راستے بتائے گئے ہیں۔

نمبر ۱: یہ راستہ کہ یا تو وہ آدمی خود خرید لے پھر تیسرا آدمی اگر کوئی چیز خریدے تو جائز ہے۔
نمبر ۲: دوسرا راستہ یہ بتایا کہ وہ آدمی اس چیز کو چھوڑ دے اور نہ خریدے تو پھر تیسرا آدمی اس چیز کو خرید لے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ اسد محمد طیب صاحب "اپنی کتاب النواہی فی التخصیص" میں لکھتے ہیں۔
اس کی مثال اس طرح ہے کہ تیسرا آدمی خریدنے والے سے کہے جو کہ مہلت کی ساتھ خرید رہا ہے۔ اس معاملے کو ختم کر دو اور میں آپ کو اس کے مقابلے میں فلاں چیز سستی دے دوں گا۔ یا یہ کہے کہ میں جو چیز دوں گا وہ فلاں چیز سے زیادہ نئی اور عمدہ ہوگی۔ یا اس طرح کی دیگر باتیں کرے تو یہ حرام ہے۔ اور اسی طرح بھائی کے معاملے پر معاملہ کرنا بھی حرام ہے۔
مثال کے طور پر یہ تیسرا آدمی فروخت کرنے والے سے مہلت کی مدت کے دوران یہ کہے کہ اس معاملے کو ختم کر دو اور میں فلاں چیز آپ سے زیادہ قیمت پر خریدتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا حوالے سے معلوم ہوا کہ معاملے پر معاملہ کرنا ایک مسلمان تاجر کا دوسرے بھائی سے مقابلہ بازی اور اور اس کی تمام صورتیں حرام ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث میں ایک طرح سے دھوکہ موجود ہے وہ اس طرح کہ تیسرا آدمی معاملہ کرنے والے کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ جس کی صورتیں مختلف ہیں بعض صورتوں میں فروخت کرنے والے کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں خریدنے والے کو دھوکہ دیا جاتا ہے مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ دھوکہ کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ حرام اور ممنوع ہیں اور ایک دھوکہ اس طرح بھی دیا جاتا ہے کہ انسان کسی سے سستے داموں اشیاء خریدے اور اس کو مہنگا فروخت کرے۔ عام طور پر جو مارکیٹ کے ریٹ سے باخبر نہیں ہوتے تو لوگ ایسے شخص سے اشیاء سستی خرید لیتے ہیں اور پھر اس کو مہنگا کر کے فروخت کرتے ہیں ایک حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی سے تجارت نہ کرے وہ بھی اس لئے کہا کہ بیچارے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس چیز کی کتنی قیمت ہے تو وہ پھر مہنگی چیز خرید کر نقصان اٹھاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔

(مسلم ص ۱۷۱، بیہقی ص ۳۴۴)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے خرید لیا یا خریدنے کی بات کی ہو، قیمت و غیرہ طے ہو چکی ہو تو اب دوسرا شخص آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے بیچ دو میں زائد قیمت دو گنا (یا زائد نہ بھی دے) تو یہ جائز نہیں ہے۔ جب تک وہ پہلا شخص انکار نہ کر دے۔ بیچنا اور خریدنا دونوں ناجائز اور گناہ کی بات ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سامان یا زمین کی قیمت لگا چکا ہو اور ابھی انکار کسی جانب سے بھی نہ ہوا ہو تو دوسرے کا بھاؤ لگا کر اپنی جانب راغب کرنا بھی درست نہیں ہاں جب انکار ہو جائے تب درست ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل تاجر دوسرے تاجر سے مقابلہ کرتا اور اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے یہ سب وہ طریقے ہیں جنہیں اسلام نے پسند نہیں کیا ہے۔

(شمائل کبریٰ حصہ سوم ص ۵۰)

عیب دار چیز کی تجارت اور دھوکہ سے ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گندم کے ایک ڈھیر کے سامنے سے گزرے اور اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں تر ہو گئیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گندم والے سے کہا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا اے اللہ کے رسول بارش نے اس کو تر کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تو نے اس گندم کو اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اس کو دیکھ سکیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دھوکہ دیا وہ ہم سے نہیں ہے۔

(ترمذی ص ۷۵۱/ج ۱، باب کراہیۃ النجش الخ۔ کذا فی الاحسان ص ۴۰۲/ج ۷ کذا فی۔ النواہی فی الصحیحین ص ۹۔ وایضا فی ص

۳۷۔ مسلم شریف)

تشریح

مندرجہ بالا حدیث میں دھوکہ دینے سے منع فرمایا گیا ہے اور جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ آج کل ہمارے بازاروں میں بالکل عام اور سرعام ہو کر رہی ہے اور تاجر کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح گاہک کو دھوکہ دے کر اپنا گھٹیا مال فروخت کر دے۔

مندرجہ بالا حدیث میں ان لوگوں کے لئے خاص طور پر وعید موجود ہے جو کہ سبز روشنیوں کے درمیان دھوکہ کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔ آپ کسی سبزی کی دکان پر چلے جائیں جب آپ ٹماٹر خریدیں گے تو وہ اندر اندر سے گھٹیا گھٹیا ٹماٹر اٹھا کر آپ کو دے گا اور جو سامنے اچھے اچھے ٹماٹر رکھے ہوں گے وہ آپ کو نہیں دے گا آپ کے پوچھنے پر وہ کہے گا کہ یہ ٹماٹر تو صرف دکھانے کے لئے رکھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تو یہ ایک مثال تھی جو آپ کے سامنے پیش کی ورنہ ہر جگہ فروخت کرنے والا اپنے سامان کو مہنگے داموں فروخت کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ زیادہ کمائی حاصل ہو۔ اور اس زیادتی میں وہ حلال اور حرام، جائز اور ناجائز کا فرق ختم کر دیتا ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی احکام اسلام پر نظر ہو تو جابجا اسلام نے دھوکہ دینے سے منع کیا ہے۔

مذکورہ حدیث میں ملاوٹ سے منع کرنا مقصود ہے یہ بیماری بھی آج کل مکمل آب و تاب سے جاری و ساری ہے اور ہر طرف ملاوٹ ہی ملاوٹ کا بازار گرم ہے۔ یہ ملاوٹ اتنا عظیم اور سنگین گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا میں بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور آخرت میں تو ذلت ہی مقرر ہوگی۔

اسی طرح پیکنگ عمدہ بنا کر صارف کو دھوکہ دینے کی کوشش جاتی ہے کہ چیز تو عمدہ نہیں ہوتی اور اس کی پیکنگ عمدہ کر دی جاتی ہے یا مثلاً چپس کی پیکنگ سے دھوکہ دیا جاتا ہے کہ لفافہ دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ بہت سے چپس اس بڑے سے لفافے میں ہونگے جب کھولیں تو تھوڑے سے نکلتے ہیں، یہ اور اس طرح کے بے شمار طریقوں سے صارف کو دھوکہ دینے کی کوشش جاتی ہے جس کی شرعاً گنجائش نہیں۔

اس طرح کی کچھ صورتوں کی تسلیق میں نشان دہی کی گئی ہے غور کرنے پر واضح ہو گا کہ اس طرح کی شکلیں جنہیں تاجر دھوکہ اور خریدار کو گمراہ کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے اسے تجارت میں اس کا کمال مہارت و فنکاری قرار دیا جاتا ہے، ان سے مسلمان تاجروں کا بچنا لازمی ہے تاکہ ان کی تجارت میں اللہ تعالیٰ برکت دیں، وجہ یہ ہے کہ آج مسلمان تاجر اپنی تجارت کے مقصد اور نیت کو فراموش کر بیٹھا ہے، اس لئے کہ مسلمان تاجر جب تجارت ہی اپنے خریدار کی خدمت کی نیت و جذبے سے

کرے گا تو وہ اسے کیونکر دھو کہ دے سکے گا، یہ سب کچھ ہم میں دین سے دوری کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں دھو کہ کی تمام قسموں سے بچنے اور دین کے مطابق تجارت کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے سامان کے ایسے عیب کو چھپائے کہ وہ جان لیتا تو نہ خریدتا چھوڑ دیتا۔

(مجمع الزوائد ج: ۷۰، ص: ۴)

حضرت عقبہ بن عامر سے ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم کوئی سامان بیچو تو اس میں کوئی عیب ہو تو اسے مت چھپاؤ۔

(مجمع الزوائد ج: ۴، ص: ۷)

ف: عام طور پر بیچنے والا کوئی کمی یا نقص سامان جس سے اسے اندیشہ ہوتا ہے۔ کہ اگر اس کو پتہ چل جائے گا تو نہ لے گا اور ہمارا سامان پڑا رہے گا۔ تو اسے چھپا دیتا ہے ظاہر نہیں کرتا، گویا کہدھو کا دے رہا ہے، یہ حرام ہے، اسے عیب بتا دو ظاہر کر دو، جاننے کے بعد خواہ کم دام میں سہی خریدے تو یہ جائز ہے، بتانے کے بعد دھو کے کا گناہ نہ ہو گا۔

اے خرید فروخت کرنے والو، بکنے والے سامان میں کوئی کمی ہو نقص ہو تو اس ظاہر کر دو، دھو کا دے کر بیچنا جائز نہیں ایسا نفع اور آمدنی حرام ہے حرام سے دنیا میں کوئی برکت نہیں اور آخرت میں جہنم کی سزا ملے گی۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۱۳)

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے عیب دار چیز بیچ دیا اور بتایا نہیں تو وہ ہمیشہ غضب الہی میں اور فرشتوں کی لعنت میں گرفتار رہے گا۔

(ترغیب ج: ۲، ص: ۵۷۴، حاکم)

ف: اللہ اللہ کتنی دید ہے کس قدر لعنت اور غضب الہی کا کام ہے، ذرا سا فائدہ وہ بھی موہوم اور اتنا بڑا گھانا، خدا کا غضب اور فرشتوں کی لعنت بھلا بتاؤ ایسا کرنے والا اور ایسی دکانداری میں کوئی برکت ہوگی، چین سکون کی زندگی پائے گا، کیا غضب اور لعنت پا کر اس سے سکون چین پالے گا، ہرگز نہیں، گو اس کو فائدہ نظر آئے مگر انجام برا ہو گا۔

غیر موجود چیز کی تجارت کا حکم

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع فرمایا کہ اس کو فروخت کروں جو میرے پاس نہیں ہے یا اس سامان کو بچوں جو میرے پاس نہیں ہے۔

(ترمذی ص: ۲۳۳۔ زاد المعاد ص: ۸۰۷، ج ۵ للعلامة ابن قیم جوزی)

زر بیعانہ واپس نہ کرنا

حضرت و عمر بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زر بیعانہ کے واپس نہ کرنے سے منع فرمایا ہے، امام مالک نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی (مثلاً) غلام خریدے یا جانور سواری کے لئے خریدے اور کہے کہ اگر میں نہ خرید سکوں یا نہ کرایہ پر لے سکوں تو یہ دینار (سونے کا سکہ) جو تم کو (پہلے دیتا ہوں) تمہارا ہو جائے گا۔

(شائل کبری ج: ۳، ص: ۷۷، بحوالہ ابو داؤد، ص: ۴۹۵)

ف: کسی چیز کے خریدنے کے ارادے سے بھاؤ طے ہو جانے پر جو پیشگی رقم خریدار دیتا ہے۔ تاکہ اب اسے دوسرے کو نہ دے سکے، یہ رقم ضمانت اور امانت کے طور پر ہوتی ہے دیتا ہے تاکہ یہ جمع رہے آئندہ جب قبضہ کے وقت جو رقم قیمت سے ادا کرے گا اس میں یہ رقم شامل ہو جائیگی یا کچھ قیمت کا جب خریدار نہ لے سکے، ارادہ ختم ہو جائے یا کوئی بات پیش آجائے تو واپس کرنا اور لوٹانا واجب ہو جاتا ہے، اس کا واپس نہ کرنا حرام ہے۔ اسی کو زر بیعانہ کی رقم کہتے ہیں عموماً یہ زمین باغات وغیرہ کی خریداری پر ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ نہ خریدنے پر زر بیعانہ کی رقم اپنی ملک سمجھتے ہیں اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ اگر خریدار یہ کہہ دے کہ اگر نہ لے سکا تو تم زر بیعانہ واپس نہ کرانا یا مالک کہہ دے کہ اگر تم نے نہ خرید اتو یہ زر بیعانہ کی رقم واپس نہ دوں گا تب بھی واپس کرنا واجب ہے چو کہ شرع کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کا اعتبار نہیں ہوتا، جیسے سود کی رقم دونوں جانب سے راضی ہو تب بھی جائز نہیں اسی طرح یہاں۔

(حوالہ؟)

دھوکہ دہی اور ملاوٹ سے بچنا

جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی جو شخص ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کر بظاہر تو خالص چیز بیچ رہا ہے لیکن حقیقت میں اس کو کوئی دوسری چیز ملا دی گئی ہے یا بظاہر تو پوری چیز دے رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے کم دے رہا ہے تو یہ غش اور دھوکہ ہے اور جو شخص یہ کام کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ دیکھئے ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنی سخت بات فرما رہے ہیں، لہذا جو چیز بیچ رہے ہو، اس کی حقیقت خریدار کو بتا دو کہ اس کی یہ حقیقت ہے، لیکن خریدار کو دھوکے میں اور اندھیر میں رکھنا منافقت ہے، مسلمان اور مومن کو شیوہ نہیں ہے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۳۹ تا ۲۵۰)

امام بیہقیؒ شعب الایمان میں عبد الحمید بن محمود سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے بیان کیا کہ ہم چند رفقاء حج کے لئے آئے جب صفحہ (ایک مقام کا نام ہے) پہنچے تو ہمارے ایک رفیق کا انتقال ہو گیا ہم نے اسے دفن کرنے کے واسطے قبر کھودی تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک کالا نگ ہے جس نے پوری لحد (قبر) گھیر رکھی ہے ہم نے ایک اور جگہ قبر کھودی تو اس میں بھی کالا نگ ہے۔ تیسری قبر کھودی اس میں وہی کالا نگ دیکھا ہم اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر آپ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے آئے کہ اس کا کیا کیا جائے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ خود اسی کا اپنا عمل ہے جو وہ کرتا تھا۔ جاؤ اسے ان ہی میں سے کسی قبر میں دفن کر دو۔ خدا کی قسم اگر تم اس کی خاطر ساری زمین بھی کھود ڈالو تب بھی وہ کالا نگ تمہیں بہر حال ملے گا۔ چنانچہ اس شخص کو ہم نے ان ہی میں سے ایک قبر میں ڈال دیا جب ہم سفر حج سے واپس ہوئے تو جا کر اس کی بیوی سے اس کے بارے میں دریافت کیا اس نے بتایا کہ وہ گندم کی تجارت کیا کرتا تھا۔ اس میں سے گھر کی ضرورت کے لئے نکال لیتا اور اتنی مقدار جو ملا دیتا تھا اس کا بھی عمل کا لے ناگ کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(ماہنامہ بینات۔ محرم ۱۴۳۱ھ حیاۃ النبیؐ ان علامہ دمیریؒ ص ۲۲/ج ۱ بحوالہ انتخاب لاجواب ص ۵۲/ج)

بہر حال ملاوٹ اور دھوکہ دینا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا اور آخرت کی ذلت مقدر ہو جاتی ہے اور مندرجہ بالا حدیث میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کہ دھوکہ دیتا ہے۔ اتنی بڑی وعید کے ذکر ہو جانے کے بعد کسی اور بات کی ضرورت نہیں اللہ پاک ہمیں دھوکہ ملاوٹ اور تمام گناہوں سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اس طرح "تطفیف" کے وسیع مفہوم یہ بات بھی داخل ہے کہ جو چیز فروخت کی، وہ خالص فروخت نہیں، بلکہ اس کے اندر ملاوٹ کر دی۔ یہ ملاوٹ کرنا کم ناپنے اور کم تولنے میں اس لحاظ سے داخل ہے کہ مثلاً آپ نے ایک سیر آٹا فروخت کیا۔ لیکن اس ایک سیر آٹے میں خالص آٹا تو آدھا سیر ہے، اور آدھا سیر کوئی اور چیز ملا دی ہے۔ اس ملاوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خریدار کا جو حق تھا کہ اس کو ایک سیر آٹا ملتا، وہ حق اس کو پورا نہیں ملا، اس لئے یہ بھی حق تلفی میں داخل ہے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۳۸ تا ۲۳۹)

رشوت سے احتراز

حاکمانِ عدالت کو حق و انصاف کے خلاف فیصلہ پر آمادہ کرنے والے اسباب میں ایک بڑا سبب رشوت کی طرح ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے کو موجب لعنت گناہ بتلایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمادی رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ۔۔۔ اور امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ سے بھی روایت کیا ہے)

تشریح

کسی مجرم کے لئے اللہ یا اس کے رسول کی طرف سے لعنت اس سے انتہائی ناراضی و بے زاری کا اعلان اور نہایت سنگین سزا ہے۔ اللہ کی طرف سے کسی پر لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے خداوند رحمن و رحیم نے اس مجرم کو اپنی وسیع رحمت سے محروم کر دینے کا فیصلہ فرما دیا ہے اور اللہ کے رسول یا فرشتوں کی طرف سے لعنت کا مطلب اس شخص سے بے زاری اور اس کے قابلِ لعنت و بے کا اعلان اور اس کی رحمت سے محروم کر دیئے جانے کی بددعا ہوتی ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والوں اور رشوت دینے والوں سے اپنی انتہائی ناراضی و بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے بددعا فرمائی کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دے۔ اللہ کی پناہ! رحمت للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم جس بد نصیب سے بیزاری کا اعلان فرمائیں اور اس کے لئے رحمتِ خداوندی سے محروم کئے جانے کی بددعا فرمائیں اس بد بخت کا کہاٹھکانہ!

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ایک لفظ "والرائش" کا اضافہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ رشوت لینے اور دینے والے کے علاوہ اس درمیانی آدمی (دلال) پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی جو رشوت کے لین دین کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔

حرام مال سے اجتناب

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (وحی کی ہے) کہ کوئی شخص اپنی روزی پوری کئے بغیر نہ مرے گا اگرچہ روزی حاصل ہونے میں کچھ تاخیر ہو جائے، پس تم اللہ سے ڈرو! اور اچھے طریق سے روزی طلب کرو! رزق کی تاخیر (تنگی اور پریشانی) اس پر تم کو نہ آمادہ کر دے کہ تم رزق کے حاصل کرنے میں تم خدا کی نافرمانی کرنے لگو۔ اللہ کے پاس سے تم کسی کو (مثلاً رزق کی سہولت اور مال داری دینی اعتبار سے حاصل نہیں کر سکتے مگر طاعت اور فرماں برداری ہی کے ذریعہ۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۲۱، بحوالہ بخاری بیہقی فی الشعب، مشکوٰۃ ۳۴۳)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت میں وہ جسم داخل نہ ہو گا جس کی پرورش مال حرام سے ہوئی ہو۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۲۱، بحوالہ بخاری بیہقی فی الشعب، مشکوٰۃ ۳۴۳)

ف: یعنی شرعاً جو حرام ہے۔ اس کی آمدنی اور کمائی سے جو جسم کی پرورش ہوئی، یعنی کھانا پینا ہو اوہ جہنم ہی میں داخل ہو گا۔ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ مال حرام کا مطلب یہ ہے جو کاروبار اور دہندہ حرام ہو۔ مثلاً خالص سودی کاروبار۔ شراب سے متعلق ملازمت، چوری ڈکیتی کا پیشہ، مردار کی چربی کی تجارت، شراب کی تجارت اور دکانداری، طوائفی اور زنا کی اجرت۔

اسی طرح ہر وہ کام جو شریعت نے حرام قرار دیا ہو اس کے ذریعہ سے حاصل شدہ آمدنی سے جو جسم بھی پلا بڑھا ہو، وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

اے تاجرو اور دکاندارو حرام امور کی تجارت اور دکانداری مت کرو شراب بننے والی فیکٹری کی ملازمت شراب کی دکانداری، جانوروں کا ٹھیکہ اور مردار کی چربی کی تجارت غرض جو بھی حرام ہو مت کرو، اس سے تمہاری اور تمہاری اولاد کی

پرورش ہوگی سب جہنم میں داخل ہونگے، کیوں ناردوزخ کی سزا اپنے ذمے لیتے ہو۔ حلال کمائی کے بے شمار دروازے ہیں اسے اختیار کرلو، دنیا اور آخرت کی راحت کے مزے لوٹو۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۲۴)

امور مشتبہ سے بچنا

شریعت مطہرہ میں بعض اشیاء اور معاملات تو ایسے ہیں کہ انکو صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دے دیا گیا ہے، انکا معاملہ تو صاف اور روشن ہے۔ لیکن انکے علاوہ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا جائز، حلال یا ناجائز، حرام ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہیں ہو رہا ہوگا، بلکہ فقہ اور روایت حدیث کے اصول کے مطابق اسمیں دونوں قسم کی گنجائش معلوم ہو رہی ہوتی ہے۔ شریعت نے ایسے امور کے بارے میں ہدایت کی ہے کہ جیسے ایمان والا، حرام سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے، ایسے ہی اسکو چاہئے کہ ان مشتبہ امور سے بھی بچنے کی فکر کرے۔

چوری کے مال کو خریدنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو چوری کا مال خریدے اور اسے معلوم ہے کہ وہ چوری کا ہے تو وہ اس کی برائی اور گناہ میں شریک ہے۔

(مسند رک حاکم، کنز ۱۳، ترمذی ۵۴ ج ۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کا سامان خریدنے اور بیچنے سے منع فرمایا ہے چونکہ خریدنا اسکا تعاون کرنا ہے اور گناہ پر تعاون کرنا بھی گناہ ہے، اللہ پاک نے منع کیا ہے [وَلَا تَعَاوُنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ] (المائدہ: ۲)

ف: پس اے کاروبار کرنے والو، چوری کا مال اگر سستا مل جائے اور اس میں نفع زیادہ نظر آئے تو اسے نہ خریدو اور نہ بیچو ایک تو دنیا کی ذلت اور بدنامی اور آخرت کا وبال، الگ کیا کرو گے ایسا نفع جس سے کل قیامت کے میدان میں رسوائی پھر گناہ کی وجہ سے گرفتار پکڑ ہو۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۰۱)

ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وسعت کے باوجود ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۲، بحوالہ بخاری ج ۱ ص ۲۲۳)

ف: جس کا حق نکلے اسے جلدی دینے کا حکم ہے، کام کرانے والے لوگ اکثر و بیشتر ایسا ہی مزاج رکھتے ہیں۔ کام لرا لیتے ہیں اور جب اجرت اور روپیہ دیتا ہوتا ہے تو کل لینا پروں لینا اگے ہفتہ لینا اس طرح ٹال مٹول کرتے رہتے۔ بیچارے غریب نے مزدوری اسی لئے کی تھی کہ اجرت ملے تو ضروریات میں خرچ کرے اور یہ کام کانے والے اپنے جیب اور تجوری میں کمی کرنا نہیں چاہتے ہیں، باوجود گنجائش رہنے پر دینے میں ٹال مٹول کرنا آج کل کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور دلی دبدعا کا باعث ہے۔

پس اے لوگو جس کا حق نکلتا ہے اس کے دینے میں ہرگز ٹال مٹول مت کرو، فوراً پہلی فرصت میں دو۔ اس سے مال میں دوسروں کا حق نہ رہیگا تو برکت ہوگی۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۲)

قیمت زیادہ بتا کر کم کرنا

حضرت قبلہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مروہ کے مقام پر آئی۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خریدنے اور بیچنے والی عورت ہوں، جب میں کسی چیز کو خریدنا چاہتی ہوں تو جتنے میں خریدنے کا ارادہ ہوتا ہے اس سے کم دام لگاتی ہوں پھر زیادہ کرتی ہوئی یہاں تک کہ اس دام پر پہنچ جاتی ہوں جو دینا چاہتی ہوں اور جب میں کسی سامان کو بیچتی ہوں تو زیادہ دام لگاتی ہوں جتنا لینے کا ارادہ ہوتا ہے پھر کم کر کے اس دام تک پہنچ جاتی ہوں جو لینا چاہتی ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے قبلہ ایسا مت کرو، جب تم کسی سامان کو خریدنا چاہتی ہو تو اتنا ہی دام لگاؤ جتنے دام میں تم دینا چاہتی ہو، خواہ کبے یا نہ کبے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۱۸، بحوالہ ابن ماجہ ص ۲۰)

ف: مطلب یہ ہے جب میں دوسرے سے مال خریدتی ہوں تو دام سامان کا کم لگاتی ہوں۔ پھر زیادہ کرتی ہوں، اس طرح جب فروخت کرتی ہوں تو زیادہ دام بتاتی ہوں پھر کم کرتی ہوں، تاکہ گاہک یہ سمجھے کہ دام کم کر دیا، گویا اس نے رعایت کی، جس سے وہ متاثر ہو کر خرید لیتا ہے، اور اس کا احسان سمجھتا ہے۔

حالانکہ رعایت نہیں بلکہ دام اتنا ہی لیا ہے جتنا کہ اس کا ارادہ تھا، تو گویا کہ بڑھا کر بتایا پھر کم کر کے اپنے ریٹ پر آیا تو اس نے گویا اس کے ذہن میں دام کم کرنے کا احسان ڈالا اور اسے ابھارا کہ میں نے تمہارے ساتھ کم کر کے رعایت کی حالانکہ اس نے رعایت نہیں کی البتہ رعایت کا دھوکا دیا۔

آج کل عموماً چیزوں کے فروخت میں ایسا ہی ہوتا ہے، آدمی بسا اوقات دھوکا کھا جاتا ہے، اپنے اندازے لکھنے کے بعد بھی قیمت زائد میں رہ جاتی ہے اس کو پتہ نہیں ہوتا، بعد میں اسے دھوکا کھانے یا ہو جانے کا احساس ہوتا ہے اور قلبی تکلیف پہنچتی ہے۔

اے تاجرو، جہاں تک ہو سکے مناسب نفع تجویز کر کے چیزوں کے دام ایک رکھو، اس میں سہولت ہوگی ہاں کچھ کم و بیش کرنا بھی جائز ہے۔ ہاں مگر زیادہ تلانا پھر کم کر کے رعایت ظاہر کرنا بہتر نہیں ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۱۹)

ناپ تول میں کمی نہ کرنا اور جھکتا تولنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

{وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۖ وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ ۖ}

(المطففين: ۱۲)

ترجمہ: "یعنی ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے جو ناپ تول میں لوگوں کے حقوق ملتے ہیں اور جب اپنا حق لوگوں سے وصول کرتے ہیں تو پورا پورا وصول کرتے ہیں اور جب لوگوں کے حقوق دیے ہیں تو کمی کر کے دیے ہیں۔

مطفف وہ ہے جو ناپنے اور تولنے میں کمی کرتا ہے۔ اس کو مطفف اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس طرح سے شی طیف یعنی معمولی سی ہی چیز چراسکتا ہے یہ کمی کرنا چوری اور خیانت اور حرام کھانے کی قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ویل یعنی شدت عذاب کی وعید ارشاد فرمائی۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ویل جہنم کی ایک دادی کا نام ہے۔ اگر اس میں ساری دنیا کے پہاڑ بھی جلائے جائیں تو اس کی گری کی شدت سے پگھل جائیں۔ بعض سلف کا ارشاد ہے کہ میں ہر ناپنے والے اور تولنے والے کے بارے میں دوزخ میں جانے کا یقین رکھتا ہوں۔ کیونکہ یہ مشغلہ رکھتے ہوئے کوئی کمی بیشی کرنے سے نہیں بچ سکتا۔ سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ ہی محفوظ کرے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلہ میں "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلہ میں "کیا مطلب؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

- جب بھی کسی قوم نے کیا ہوا عہد توڑا اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا۔
- اور جب بھی کسی قوم نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے فیصلہ کے علاوہ فیصلہ کیا تو ان میں محتانگی (غیرت) عام ہو گئی۔
- اور جب بھی کسی قوم میں برائیاں (زنا وغیرہ) عام ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر طاعون مسلط کر دیتا ہے۔
- اور جب بھی ناپ تول میں کسی قوم نے کمی کی اللہ تعالیٰ نے خوش حالی ختم کر دی اور قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔
- اور جب بھی کسی قوم نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کی اللہ تعالیٰ نے بھی بارش روک دی۔

بعض حضرات نے ذکر فرمایا کہ میں ایک مریض کے پاس گیا وہ مرض الموت میں مبتلا تھا۔ میں اسے کلمہ شہادت کی تلقین کرنے لگا۔ لیکن اس کی زبان کلمہ کی ادائیگی پر نہیں چلتی تھی۔ جب اسے کچھ ہوش آیا تو میں نے کہا کہ اے میرے بھائی کیا بات ہے۔ میں تم کو کلمہ شہادت کی تلقین کرتا ہوں اور تمہاری زبان نہیں چلتی وہ کہنے لگا میری زبان پر ترازو آڑے آجاتی ہے جو مجھے بولنے نہیں دیتی میں نے کہا کہ کیا تو کم تولتا تھا، اس نے کہا نہیں ہاں اتنی بات تھی کہ میں تولنے لگتا تھا تو ترازو درست کرنے کے لئے توقف نہیں کرتا تھا، پس یہ اس شخص کا حال ہے۔ جسے ترازو درست کرنے کا اہتمام نہ تھا۔ پھر اس کا کیا حال ہو گا جو کم تولنے والا ہو۔

حضرت نافعؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سوداگر کے پاس سے گذرتے تھے تو فرماتے تھے کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ناپ تول کرنے کا اہتمام کر۔ کیونکہ ان دونوں میں کمی کرنے والے میدان قیامت میں اس حال میں کھڑے کئے جائیں گے کہ ان کا پسینہ نیچے سے لیکر ان کے کانوں کے آدھے حصہ تک ہو گا اور یہی حال اس تاجر کا ہے جو ناپ تول کر کے پکڑا وغیرہ بیچتا ہو جو بیچتے وقت خوب اچھی طرح ہاتھ سخت کر دیتا تاکہ ذرا سا بھی زیادہ نہ جائے اور اپنے لئے ناپ کر خریدتا تھا تو اس خیال سے ہاتھ ڈھیلا کر دیتا تھا کہ کچھ زیادہ آجائے۔

(حوالہ؟)

بعض سلف کا ارشاد ہے کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لینے جو ایک ناقص دانہ کے بدلہ اتنی بڑی جنت چھوڑ دے جس کا عرض آسمان و زمین کے برابر ہے اور سخت افسوس ہے اس شخص کے لئے جو ایک دانہ زیادہ لینے پر اپنے لئے ہلاکت خریدتا ہو۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مدینہ والے ناپ تول میں بخل سے کام لیتے تھے۔ پس اللہ پاک نے یہ آیت (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ) (المطففين: ۱) نازل فرمائی پس اس کے بعد وہ اچھی طرح تول و ناپ کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ مدینہ والے تاجر تھے اور ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے اور ان کی خرید و فروخت پتھر پھینکنے، چھونے اور شرط لگانے کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کے سامنے (یہ آیت) تلاوت کی اور مذکورہ بالا حدیث ارشاد فرمائی۔

(حاکم و نسائی)

حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کرنے والے سے فرمایا کہ وزن کرو! ذرا جھکتا وزن کرو!۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۳۰، بحوالہ کنز ص: ۲۹)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سوید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے پائے جامہ کا بھاؤ کیا، ہم نے اسے آپ کو فروخت کر دیا ایک شخص جو اجرت سے وزن کر رہا تھا آپ نے فرمایا۔ ناپو! اور جھکتا ولو!۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۲۱، بحوالہ ترمذی ۱۲۴۴ بوداؤد ۴۷۴ سل الہدی ج: ۹، ص: ۶)

ف: عماما ناپ و تول میں ذرا کم ناپنے اور نفس اور شیطان اپنا فائدہ دکھا کر کہ اتنا مال بچے گا، اس مذموم حرکت کی جانب ابھارتا ہے۔ سبزی اور غلہ والے جو امانتدار اور دیانت دار نہیں ہوتے ہیں ایسا کر کے اپنے گمان میں فائدہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ظلم، خیانت و دھوکہ چوری ہے اور گوا فائدہ معلوم ہوتا ہے مگر اس میں گھٹا ہے اس کے مقابل آپ نے صحیح وزن ہی نہیں بلکہ جھکتا و لے کی تاکید کی ہے۔ اس میں ایک تو خیانت کا احتمال نہیں رہتا دوسرا یہ کہ ذرا ذائد جھکتا تولنے کی وجہ سے برکت ہوتی ہے اور لوگوں کو بھی یہ پسند ہوتا ہے، جس کی وجہ سے لوگ ان سے معاملہ کریں گے۔

پس جھکتا تولنا سنت اور باعث برکت ہے، اے تاجرو اور دکاندارو، جھکتا تولا کرو اس سے برکت ہوگی گاہک زیادہ تمہارے پاس آئیں گے تم پر اعتماد کی وجہ سے بکری زائد ہوگی، بکری زائد ہوگی تو نفع زائد ہوگا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۲۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اونٹ کی قیمت تول کر دیا، اور جھکتا تول کر دیا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۲۱، بحوالہ مسلم ۳۰/۱)

ف: ذرا جھکتا تول کر دینا سنت ہے اور کم وزن ہونے کی جو سخت وعید اور سزا ہے اس سے حفاظت ہے، خدائے پاک نے کم تول پر سزا "ویل" سنائی ہے گو تھوڑا ہی کم ہو اس پر ہے۔ ویل کے متعلق مختلف تفسیر ہے ایک یہ ہے کہ جہنم کائناتوں ہے امام غزالی نے لکھا ہے، جھکا تولنے والے ذرا سی کمی کی وجہ سے ویل کی سزا نہیں پائیں گے۔ ویل جہنم کی ایک وادی ہے یا ایک پیپ کی ایک وادی ہے۔

(روح المعانی)

پس اے وزن اور تول کر کے بیچنے والے ذرا جھکتا ہی تولو کہ ذرا بھی کمی ہو گئی تو جہنم کے ویل میں کنویں میں جانا ہوگا۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۲۲)

سونے چاندی کی تجارت کا حکم

فضافہ بن عبید سے روایت ہے کہ خیبر کی لڑائی کے دن ہم رسول اللہ علیہ السلام کے ساتھ تھے اور یہود سے خرید و فروخت کرتے تھے۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا سونے کو سونے سے مت بیچو جب تک وزن میں دونوں طرف برابر نہ ہوں۔

(ابوداؤد شریف ص ۱۲۰۔ باب فی حلیۃ السیف تابع بالدرہم)

زمین کی خرید و فروخت کے متعلق ایک ادب

حضرت خدیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو کوئی گھریا زمین فروخت کرے اور اسکی قیمت اسی جیسے گھریا جائیداد میں نہ لگائے تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔

(شمائل کبریٰ حصہ سوم ص ۳۷، ابن ماجہ ص ۸۳۲)

روزی کمانے میں محنت و مشقت اٹھانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شام کو ہاتھ کی کمائی سے تھک کر چور ہو گیا وہ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یعنی گناہوں کا کفارہ۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۴۹، بحوالہ کنز العمال ج ۴ ص ۷)

ف: کسب اور حلال کمائی عبادت ہے، بیوی بچوں اقربا عرہ پر خرچ کا ذریعہ ہے جو عبادت ہے اور جو چیز عبادت ہیں اس میں مشقت میں ثواب ہے اور ثواب سے گناہوں کی معافی اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

پس جو شخص دن بھر کمائی اور مزدوری سے شام کو تک کر کر چور ہو گیا، تو اس تعب اور مشقت پر بھی اجر ملے گا، مگر مشقت پر اجر ثواب اس وقت ملے گا جبکہ اس نے یہ کام شرع کے مطابق کیا ہو گا۔ اللہ کے فرض کو بھی ادا کیا ہو گا اور نماز جماعت کی کوئی پرواہ نہ کی اور مشقت اٹھاتا رہا تو پھر گناہ ہو گا مغفرت کا کیا سوال۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حلال کمائی کی مشقت اللہ پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۵۰، بحوالہ کنز العمال ج ۴ ص: ۴)

ف: حلال کمائی میں جو مشقت اور پریشانی ہوتی ہے۔ اللہ اسے محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یعنی اس پر کوش ہوتے ہیں، خیال رہے کہ عماما حرام کمائی اور آمدنی کے حصول میں وقت اور تعب ہوتا ہے۔ آپ رشوت ہی کو دیکھ لیجئے۔ ٹھیکے میں خیانت کو دیکھ لیجئے، سودی بینکوں کی ملازمت کی تنخواہ دیکھ لیجئے، داروغہ پولس کی کمائی دیکھئے کوئی تعب نہیں اور آمدنی بہت، اس کے خلاف حلال کمائی، مزدور کی مزدوری دیکھئے۔

دین کا احیاء۔ اسلامی تجارت۔ دوسرا حصہ۔ (مسودہ) باب نمبر گیارہ: مسلمان تاجر کی صفات اور اسلامی تجارت کے آداب

بنکروں کو دیکھئے، دکان داروں کی وقت اور نقل و حمل کی پریشانی دیکھئے، محلوں اور گاؤں میں گھوم کر بیچنے والوں کو دیکھ لیجئے، حلال کمائی ہے اور کچھ تعب ہے۔

پس اے تاجر، حلال کمائی کے تعب و مشقت کو برداشت کر لو، اور اس حرام کو جس میں آمدنی بھی زائد اور مشقت بھی نہیں چھوڑ دو اور خدا کو خوش کر لو، دنیا نہیں تو آخرت کی دولت مل جائے گی۔

(تاجر! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۵۰)

کاروبار اور کام میں لگے رہنا عافیت ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عافیت کے دس حصے ہیں۔ ۹ حصے تو طلب معیشت میں ہیں اور ایک باقی دوسری چیزوں میں۔

(تاجر! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۴۵، بحوالہ کنز: ص: ۶)

ف: مطلب یہ ہے کہ کمائی اور معاش میں لگنا عافیت کا باعث ہے بیکار رہنا بیکار بیٹھنا بیکار پھر نا وقت ضائع کرنا اچھی بات نہیں بسا اوقات لغو اور گناہ کی بات میں وقت گزرتا ہے، کمائی کی مشغولی ان واہیات سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ آپ دیکھئے جو لوگ کاروبار میں مصروف رہتے ہیں وہ بہت سے نامناسب باتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

(تاجر! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۴۵)

دین کی محنت

اپنے یقین و عمل کو درست کرنے اور سارے انسانوں کو صحیح یقین و عمل پر لانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقہ و محنت کو سارے عالم میں زندہ کرنے کی محنت کرنا بلا تفریق امت کے ہر طبقہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے خواہ وہ تاجر ہو یا زمیندار حاکم ہو یا محافظ مالدار ہو یا تنگ دست۔

{كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ

أَمَّنْ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِمَّنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ} (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: "(مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔"

{قُلْ إِنْ كَانِ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَ أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ} (التوبہ ۲۴)

ترجمہ: "کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے، تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھنا ہو، تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور و قوت سے) اس کو بدلے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو پھر اپنی زبان سے اس بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی میں اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

(مسلم)

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر ہے کہ جو برائیاں اس کے سامنے اس قسم کی ہوں، جو زور و قوت سے روکی جاسکتی ہوں، تو اگر اس کو وہ زور و قوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر زور و قوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی افہام و تفہیم سے کام لے اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اس کے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

(حوالہ؟)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا، کہ نہ تو اُس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اُس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی، تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔

(مسلم)

تشریح

یعنی ایسی زندگی جس میں دعوائے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہ کد امیں جہاد کی نوبت آئے اور دل میں اُس کا شوق اور اُس کی تمنا ہو، یہ منافقوں کی زندگی ہے اور جو اسی حال میں اُس دُنیا سے جائے گا وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔

حضرت سعد اسود رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا تھا اور بد منظر تھے انہوں نے کئی لوگوں کے گھر رشتہ کا پیغام بھیجا لیکن کسی نے قبول نہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر یا عمرو بن وہب کے پاس جاؤ۔ اور ان کو جا کر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دی ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان لوگوں نے سعد رضی اللہ عنہ کو بری طرح جواب دیا اور یہ نکل آئے مگر وہ لڑکی بھی اپنے پردے سے نکل آئی اور کہنے لگی کہ بندہ خدا لوٹ آؤ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شادی تمہارے ساتھ کر دی ہے تو میں بھی اپنے واسطے اسی کو پسند کرتی ہوں جسکو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور پھر لڑکی نے اپنے والد کو آکر سمجھایا جس سے وہ بھی مان گیا اور کہا اب میں استغفار کرتا ہوں میں نے اسکو جھوٹا خیال کیا تھا اور اب میں نے اسکی شادی کر دی آپ نے اس آدمی سے کہا اپنی بیوی کے پاس جاؤ اور ہمستر ہو۔ وہ آدمی ابھی بازار میں اپنی بیوی کے واسطے سامان ہی خرید رہا تھا کہ ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ اللہ کے سوار و سوار ہو تم کو جنت کی خوشخبری ہو انہوں نے تلوار، نیزہ اور گھوڑا خریدا اور عمامہ باندھ کر سوار ہوئے اور مہاجرین سے جا ملے۔ کسی نے انکو نہ پہچانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ بھی نہ پہچان سکے یہ برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ گھوڑا تھک گیا تو یہ پیدل لڑنے لگے اور آستین چڑھالی ان کی ہاتھوں اور بازوؤں کی سیاہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ گر پڑے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً گئے اور ان کا سامان ہتھیار اور گھوڑا ان کی بیوی کے پاس بھیجا اور فرمایا ان لوگوں سے کہہ دو اللہ تعالیٰ نے اسکی شادی تمہاری لڑکی سے بہتر کے ساتھ کرادی ہے۔

(جلد چہارم | سعد الغایہ ص ۸۷۹۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے رب کی طرف سے ایک واضح راستہ پر رہو گے جب تک تم میں دونے ظاہر نہ ہو جائیں ایک جہالت کا نشہ دوسرا زندگی کی محبت کا نشہ اور تم امر بالمعروف

اور نہی المکر کرتے رہو گے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہو گے لیکن جب دنیا کی محبت تم میں ظاہر ہو جائے گی پھر تم امر بالمعروف اور نہی عن المکر نہیں کر سکو گے اور اللہ کے راستے میں جہاد کر سکو گے اس زمانے میں قرآن اور حدیث کو بیان کرنے والے ان مہاجرین اور انصار کی طرح ہوں گے جو شروع میں اسلام لائے تھے۔

(حیۃ الصحابہ اردو ج: ۲، ص ۱۲۷)

مندرجہ بالا آیات و روایت سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد اس پیغمبر ان محنت کی ذمہ داری ہمیشہ کیلئے امت محمدیہ پر عائد کر دی گئی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے (جن میں تاجر بھی تھے جیسے اکثر حضرات مہاجرین اور زراعت پیشہ بھی جیسے حضرت انصار رضی اللہ عنہ، مالدار بھی تھے جیسے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور تنگدست و فقراء بھی جیسا کہ اصحابہ صفہ اور عام صحابہ) اس ذمہ داری کو اپنے تمام اشغال اور دیگر تمام ذمہ داریوں پر مقدم رکھا اور اہم دے کلمۃ اللہ کیلئے ہر حال میں نکلنے کو رواج دیا خواہ وہ تجارت میں عین مشغولیت کی وقت ہو یا کھیتی کے پکنے اور کٹنے کا، شادی بیاہ کی تیاری ہو یا شب زفاف، اسباب کی فردانی ہو یا تنگی و عسرت درپیش ہو حتیٰ کہ کھانے کو میسر آئے یا کھجور کی گھلیوں پر یا درختوں کے پٹے کھا کر گزارا کرنا پڑے۔ یہی وجہ تھی کہ اس امت کے اوائل قرون میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والا فرد اصلاً اسی محنت اور جدوجہد کو اپنا مقصد حیات سمجھتا تھا اور یہ رنگ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد پر غالب نظر آتا تھا اور انہوں نے ہر حال میں اللہ کے احکامات کو پورا کرنے اور زندہ کرنے اور رواج دینے کیلئے اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف کیا بلکہ اسکے لئے اپنے متعلقہ شعبوں اور پیشوں کو بھی ذریعہ بنایا چنانچہ قصر معروف ہے کہ ملک یمن کے عرب تاجر جب انڈونیشیا پہنچتے ہیں تو بغیر کسی عسکری کاروائی کے محض ان کے دین پھیلانے کے جذبے، اپنی تجارت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقوں کی پابندی اور اوپر کی سطروں میں بیان کردہ مسلمان تاجر کی صفات کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے پورا ملک انڈونیشیا اسلام میں داخل ہوا۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں جب فتوحات شروع ہوئیں اور پھر حضرات شیخین زمانہ خلافت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں بادشاہان عالم کی سلطنتیں فتح ہوئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماعاً مال و ثروت کے باوجود احیاء دین کی محنت کے لئے بدستور مشقتیں برداشت کرتے رہے اور مال کی فراوانی کے باوجود انہوں نے مال کو جان کا بدل نہیں بنایا۔

[Comment M8]: ڈاکٹر سلیم صاحب نے

یہاں صحابہ کرام کے رضی اللہ عنہم اجمعین

کے واقعات ڈالنے m8۔

ہنڈی پر مال دینا

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ حجاز میں مال لیتے اور عراق میں دیتے یا عراق سے لیتے اور حجاز میں دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۶۳-ج ۴-ح ۲۱۰۱)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تاجروں کو مال یہاں دیتے اور دوسری جگہ ان سے لیتے یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں جب تک شرط نہ لگائی جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۳-ج ۴-ح ۲۱۱۴)

اٹکل سے خریدنا اور بیچنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو حضور علیہ السلام کے زمانے میں اٹکل اندازے سے بغیر تولے یا ناپ کئے سے غلہ خریدتے اور بیچتے دیکھا اور کھجور اس کی جگہ میں بیچنے سے احتراز کرتے تھے یہاں تک کہ وہ کجاوے تک نہ پہنچ جاوے۔

(بخاری شریف۔ باب من رای اذا شتری طولاً جزافاً ان لا یبیع حتی یتویہ لی رطلہ۔ ص ۲۷۶ نمبر ۲۱۳)

غیر موجود چیز کی تجارت کا حکم

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بات سے منع کیا کہ میں اس چیز کو فروخت کرو جو کہ میرے پاس موجود نہ ہو۔

(ترمذی۔ زاد المعاد ج ۵، ص ۸۰۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص غلہ وغیرہ خریدے جب تک اسے اپنے قبضہ اور تحویل میں نہ لے لے اسے فروخت نہ کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی طرح غلہ کے علاوہ تمام اشیاء کا حکم ہے۔

(شمائل کبریٰ حصہ سوم ص ۲۸، ابوداؤد ص ۴۹۴)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ غلہ کے چیک خریدتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع فرمایا تھا کہ غلہ پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت نہ کریں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۴، ص: ۳۶۸)

تجارت میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

حضرت عبداللہ بن فضلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ذخیرہ اندوزی تو گنہگار ہی کر سکتا ہے۔

(ترمذی ج: ۱، ص: ۲۵۱، ابوداؤد ج: ۲، ص: ۲۳۱)

تشریح

مندرجہ بالا حدیث میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت موجود ہے اور حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ گنہگار کی علامت یہ ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی کرتا ہے (یہ بات صرف تاجروں کے لئے ہے عام مسلمانوں کے لئے نہیں)۔

کن صورتوں میں ذخیرہ اندوزی کرنا جائز اور درست ہے اور کن صورتوں میں ناجائز ہے۔

ا. احتکار اقوات کے اندر ہو یعنی ایسی چیزیں ہو جو اس علاقہ کی بنیادی غذا ہو دوسری اشیاء ضرورت میں احتکار جمہور کے نزدیک حرام نہیں بہائم کے چارہ میں بھی احتکار مکروہ ہے۔

ب. جس مال میں ذخیرہ اندوزی کر رہا ہے وہ اس نے خرید لیا ہو اگر اس نے خرید ڈال نہیں بلکہ وہ غلہ اپنی زمین وغیرہ کا ہو تو اس میں احتکار کرنے پر یہ وعیدیں نہیں۔

ت. وہ غلہ اسی شہر کا ہو اگر دوسرے شہر سے منگوا لیا ہو تو اس میں احتکار امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں بھی احتکار مکروہ ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دیکھا جائے گا کہ جہاں سے غلہ لایا گیا ہے وہ جگہ کتنی دور ہے اگر وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں کا غلہ عموماً شہر میں آتا رہتا ہو تو اس میں احتکار جائز و گرنہ جائز ہے۔

ث. اس احتکار سے ضرر عام لازم آئے اگر یہ احتکار لوگوں کی تنگی کا ذریعہ نہ ہو مثلاً شہر میں غلہ کی فراوانی ہو تو احتکار حرام نہیں۔

(ج: ۶، ص: ۵۰۴، ۶۰۳، اشرف التوضیح تقریر اردو مشکوٰۃ الصماخ)

شراکت میں تجارت کرنا

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بازار جاتے اور غلہ خریدتے تو ان سے ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے مجھے بھی بیع میں شریک کر لیجئے اس لئے کہ حضور رضی اللہ عنہ نے آپ کے لئے برکت کی دعا کی ہے تو وہ ان کو بیع میں شریک کر لیتے۔

(بخاری شریف، باب الشریک فی الطعام ج ۱ ص ۳۴۰۔ شرح شمیری ج ۲ ص ۲۴۵)

مضاربت میں شرائط لگانا

حضور علیہ السلام کے صحابی حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جب مال مضاربت پر دیتے تو شرائط لگاتے کہ جب اس کو لے کر سفر کرے تو میرا مال کسی جاندار کے خریدنے میں نہ لگائے اور نہ اس کو لے کر سمندر کا سفر کرے اور نہ اس کو لے کر کسی وادی میں قیام کرے، اگر تم نے ایسا کیا تو میرے مال کے ضامن ہوں گے۔ (انہوں نے آپ علیہ السلام کے سامنے یہ شرطیں رکھیں تو آپ علیہ السلام نے اس کی اجازت دے دی)۔

(شرح شمیری ج ۲ ص ۲۶۴۔ دار قطنی کتاب البیوع ج ۳ نمبر ۳۱۴، سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۸۴ نمبر ۱۱۶۱۱، کتاب القرض)

حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ بھی اپنا مال مضاربت دیتے اور اسی طرح شرطیں عائد کرتے اور ان شرائط کے بارے میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے اجازت لے رکھی تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۷۴)

ادھار خرید و فروخت کے چند آداب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو لوگ دو سال اور تین سال تک کیلئے ادھار بیع کیا کرتے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جو کسی چیز کی ادھار بیع کرے تو اس کی کیل (ماپ، حجم) معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

(بخاری شریف، باب السلم فی وزن معلوم، ص ۲۹۸ نمبر ۲۲۴۰۔ مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱ نمبر ۱۶۰۴) (بیچ ایم سعید کمپنی کراچی)

امور مشتبہ سے بچنا

شریعت مطہرہ میں بعض اشیاء اور معاملات تو ایسے ہیں کہ انکو صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دے دیا گیا ہے، انکا معاملہ تو صاف اور روشن ہے۔ لیکن انکے علاوہ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا جائز، حلال یا ناجائز، حرام ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہیں ہو رہا ہوگا، بلکہ فقہ اور روایت حدیث کے اصول کے مطابق اسمیں دونوں قسم کی گنجائش معلوم ہو رہی ہوتی ہے۔ شریعت نے ایسے امور کے بارے میں ہدایت کی ہے کہ جیسے ایمان والا، حرام سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے، ایسے ہی اسکو چاہئے کہ ان مشتبہ امور سے بھی بچنے کی فکر کرے۔

(جماعت علماء و فقہاء)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال چیزیں بھی واضح ہیں اور حرام چیزیں بھی واضح ہیں۔ اور حلال و حرام کے درمیان کچھ چیزیں اور امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں۔ جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حلال ہیں یا حرام ہیں لہذا جو شخص اپنے دین کی برات حاصل کرنے کے لئے اور اپنی آبرو کی برات کے لئے ان چیزوں کو ترک کر دے گا تو وہ سلامت رہے گا۔ اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو جائے گا تو قریب ہے کہ وہ حرام صریح کے اندر بھی مبتلا ہو جائے گا۔ جیسے وہ شخص جو کسی بادشاہ یا سردار کی مملوک چراگاہ کے ارد گرد اپنے جانور چرائے گا تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ کے اندر داخل ہو جائے گا۔ خبردار، ہر بادشاہ کی ایک "حمی" ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی "حمی" وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حرام قرار دیا ہے۔ لہذا ایک مسلمان کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ کی "حمی" کے اندر داخل ہونا جائز نہیں، اسی طرح اس کے ارد گرد بھی نہیں جانا چاہئے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غلطی سے اس "حمی" کے اندر داخل ہو جائے اور حرام کا ارتکاب کر لے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۱۷)

امت کی اجتماعی ضرورتوں کی وجہ سے مشورہ سے تجارت کو ترک کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنیاد پر ہوتا تھا اور وہ تجارت و کاروبار میں بھی اللہ تعالیٰ کے امر کی وجہ سے لگتے تھے اور جب حکم کا تقاضا اس کو چھوڑنے کا ہوتا تھا تو بغیر کسی تردد کے اسے چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عطاء ابن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بنادینے لگے تو ایک دن صبح تجارت کی غرض سے کپڑا اٹھائے بازار جا رہے تھے کہ راستہ میں عمر ابن خطاب اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی

اللہ عنہ کی ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا بازار کا، وہ دونوں کہنے لگے اب تو آپ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے لہذا یہ کام چھوڑ دیں اس کے جواب میں خلیفہ اول نے فرمایا میں یہ پیشہ چھوڑ کر اہل و عیال کی ضروریات کیسے پوری کر سکتا ہوں بنا بریں مسلمانوں نے ان کا روزیہ مقرر کر دیا جس کے بعد مجبوراً تجارت چھوڑ دی۔

(بحوالہ تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۱۔ طبقات ابن سعد (اردو) ج ۲ حصہ سول ص ۴۸)

غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی تعلقات

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فارس و ایران سے تجارتی تعلقات قائم تھے جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضور اکرم علیہ السلام نے انہیں ایک ریشمی جبہ عنایت کیا اور انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ اسے پہنو اسے ارض فارس بھیج دیں، تمہیں مالی فائدہ ہو گا۔

(تاریخ مدینہ منورہ ص ۶۱۲۔ مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۰)

دعاؤں کا اہتمام

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یہ دعا مانگتے۔

"اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُّقْبِلًا وَ رِزْقًا طَیْبًا"

(مشکوٰۃ / ۲۲، ابن ماجہ / ۶۶، مسند احمد / ۲ / ۲۹۳)

ترجمہ: "اے اللہ ہمیں نفع دینے والا علم اور قبول ہونے والا عمل اور پاک رزق عطا فرما"

ف: ان تینوں میں رزق حلال اصل اور بنیاد ہے، اگر رزق حلال اور پاکیزہ نہ ہو گا تو نہ علم نافع حاصل ہو گا اور نہ عمل مقبول ہو گا۔ علم نافع سے مراد وہ علم ہے جس سے آخرت کا فائدہ ہو اگر آخرت کا فائدہ نہ ہو تو وہ بد بختی کا ذریعہ ہوتا ہے اسی وجہ سے آپ نے علم نافع نہ ہو تو اس سے پناہ مانگی ہے اور عمل مقبول نہ ہو تو سوائے مشقت عمل کے کچھ حاصل نہیں اور رزق حلال نہ ہو تو دنیا اور دین دونوں کی بربادی، دنیا ہی بے برکتی اور مصائب کا باعث اور آخرت میں جہنم کا باعث اسی وجہ سے آپ نے ان امور کی دعا مانگی ہے۔ صبح کے بعد رزق کی تقسیم کا وقت ہوتا ہے اسی وجہ سے آپ رزق طیب کی دعا صبح کی نماز کے بعد کیا کرتے تھے۔

پس اے لوگو، صبح کی نماز میں سلام کے بعد یہ دعا کر لیا کرو، تاکہ حلال اور پاکیزہ رزق مہیا ہو اور اس کے اسباب پیدا

ہوں۔

(تاجر! جنت کیسے جاؤ گے ص ۹۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا فقر فاقہ تنگی معاش کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرو خواہ کوئی ہو یا نہ ہو پھر مجھ پر سلام بھیجو۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

پھر ایک بار سورہ اخلاص پڑھو

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اللہ پاک نے اس پر رزق کی بارش فرمادی، یہاں تک کہ وہ اقرباء اور پڑوسیوں پر بے دریغ خرچ کرنے لگا۔

(القول البدیع/۱۲۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو استغفار کو لازم پکڑے گا کثرت سے استغفار کریگا خدائے پاک ہر تنگی و پریشانی سے نجات اور ہر غم و رنج سے چھٹکارا دیگا اور ایسی جگہ سے رزق دیگا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو گا۔

(ابوداؤد/۲۱۳/ترغیب/۲/۱۴۶۷ الدعا طبرانی/۳/۱۵۹۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا دنیا مجھ سے دور ہو گئی پیچھے ہٹ گئی (بہت غربت اور تنگدستی لاحق ہو گئی) تو آپ نے فرمایا، تم فرشتوں اور خلایق کی اس تسبیح سے کہاں غافل (ناواقف) ہو جس کے ذریعہ ان کو رزق دیا جاتا ہے اسے علی الصباح (صبح کی نماز سے پہلے) سو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم، استغفر الله-

دنیا ذلیل ہو کر آئیگی، چنانچہ کچھ ہی دن میں وہ شخص آیا اور کہا اے اللہ کے رسول دنیا بہت آگئی ہے کہاں خرچ کروں۔

(سبل الہدی والرشاد ۱۰/۲۲۷)

ابو عبد اللہ القسطنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو فقر و غربت اور تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پڑھو۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَهَبْ لَنَا اللّٰهُمَّ مِنْ رِزْقِكَ الْحَلَالَ الطَّيِّبَ الْمُبَارَكِ مَا نَصُونُ بِهِ وَجُوهَنَا عَنِ التَّعَرُّضِ إِلَى أَحَدٍ، مِنْ خَلْقِكَ وَاجْعَلْ لَنَا اللّٰهُمَّ إِلَيْهِ طَرِيقًا سَهْلًا مِنْ غَيْرِ نَصَبٍ وَلَا مَنَّةٍ وَلَا تَبَعَةٍ وَجَنِّبْنَا الْحَرَامَ حَيْثُ كَانَ وَابْنُ كَانَ وَعِنْدَ مَنْ كَانَ وَحَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ أَهْلِهِ وَاقْبِضْ عَنَّا أَيْدِيَهُمْ وَاصْرِفْ عَنَّا قُلُوبَهُمْ حَتَّى لَا نَتَقَلَّبَ إِلَّا فِيمَا يَرْضِيكَ وَلَا نَسْتَعِينَ إِلَّا عَلَى مَا تَحِبُّ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

(القول البدیع/۱۲۵)

ترجمہ: اے اللہ رحمت نازل فرمائیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے اہل پر اے اللہ ہم پر بخشش فرمائیے اپنے ایسے مبارک پاکیزہ حلال رزق سے جس کی وجہ سے ہم اپنے چہرے کو آپ کی مخلوق میں سے کسی کے پاس لے جانے سے (مانگنے سے) اور اے اللہ کر دیجئے اس کی طرف سہل راستہ جس میں نہ تعب ہو نہ پریشانی ہو نہ کسی کا احسان ہو نہ کسی کے پیچھے پڑنا اور اے اللہ ہمیں حرام سے بچائیے، جہاں بھی ہو جس کے پاس بھی ہو ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہو جائے اور روک دیجئے ہم سے ان کے ہاتھوں کو اور ہم سے ان کے دلوں کو موڑ دیجئے یہاں تک کہ ہم نہ لگیں مگر اسی کام میں جس میں وہ خوش ہو اور ہم اسی میں تعاون چاہیں جس کو آپ پسند کرتے ہوں اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَكَ وَبَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَ نَافِيِ انْفُسِنَا وَاجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِي مَا عِنْدَكَ۔

(ابن ابی شیبہ ۱۰/۲۸۳)

اے اللہ ہمیں اپنے فضل سے رزق سے نواز دیجئے ہمیں اپنے رزق سے محروم نہ کیجئے اور ہمیں جو رزق آپ دیں اس میں برکت عطا فرمادے، اور ہمارے نفس میں غنا عطا فرمادے اور آپ کے پاس جو ہے اس کی طرف ہمیں راغب فرمادیجئے۔

اللّٰهُمَّ ابسط علينا من بركاتك ورحمتك وفضلک ورزقک۔

(سبل الہدیٰ / ۲۷۷)

ترجمہ: اے اللہ اپنی برکتوں کو اپنے رحمتوں کو اپنے فضل کو اپنے رزق کو ہم کشادہ فرما دیجئے۔

اللّٰهُمَّ انی اعوذبک من الفقر والقلة والذلة

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے تنگدستی، قلت اور ذلت سے پناہ مانگتا ہوں۔

اللّٰهُمَّ انی ضعيف فقونى وانی ذليل فاعزنى وائی فقير فاعننى۔

ترجمہ: اے اللہ ضعیف ہوں قوت دیجئے، ذلیل ہوں عزت دیجئے، فقیر ہوں غنی بنا دیجئے۔

(مجمع / ۱۰۷۹)

دوسرے کو تجارت میں برکت کی دعا دینا

ابن سعد باری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کو حضور علیہ السلام نے قربانی کی بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا یا فرمایا بکری خریدنے کے لئے دیا تو انہوں نے دو بکریاں خریدیں، پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دی پس حضور علیہ السلام کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے پس آپ علیہ السلام نے ان کو بیچ میں برکت کی دعا دی پس ایسا ہوتا کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں نفع ہوتا۔

(سنن ابوداؤد، باب فی المضارب ج ۲ ص ۱۲۴)

بازار کی دعائیں

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار میں تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے

بسم الله اللهم انی استلک خیر هذه السوق و خیر ما فیها و اعوذبک من شرها و شر ما فیها اللهم انی اعوذبک من

ان اصیب فیها، یمیناً فاجرۃً او صفقۃً خاسرۃً"، ترجمہ: اللہ کے نام سے، اے اللہ میں آپ سے اس بازار کی بھلائی کا اور

جو بھلائی اس میں ہے سوال کرتا ہوں اور پناہ مانگتا ہوں اس بازار کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے، اے اللہ میں

اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس میں کوئی جھوٹی قسم کھاؤں یا گھالے کے معاملہ میں پڑ جاؤں۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے بحوالہ حاکم ج: ۱، ص: ۵۳۹)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں یہ دعا منقول ہے۔

اللهم انی استلک من خیر هذه السوق واعوذ بک من الکفر والفسوق۔ اے اللہ میں اس بازار کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، کفر اور گناہ سے پناہ چاہتا ہوں،

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ بحوالہ مجمع الزوائد ۱۰/۱۲۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب بازار کے دروازے پر آتے تو یہ پڑھتے۔

اللهم انی استلک من خیرھا وخیر اهلھا واعوذ بک من شرھا وشر اهلھا۔

اے اللہ میں آپ سے اس کی بھلائی اور اس کے اہل (رہنے والوں) کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور اس کے اہل کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ بحوالہ مجمع ۱۰/۱۲۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بازار میں یہ کلمہ پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو حی لا یموت بیدہ الخیر وهو علی کل شیء قدید تو اسے دس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں دس لاکھ گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنتا ہے، ترمذی ہی کی ایک دوسری روایت اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ دس لاکھ درجے بلند ہوتے ہیں اس میں جنت کے گھر کا ذکر نہیں ہے۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ بحوالہ ترمذی ۲/۱۷۱ احکام ۵۳۹)

ف: بازار میں اس کلمہ کے ورد اور پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب ہے، دس لاکھ "کوئی معمولی عدد نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جگہ غفلت، شور شغب دنیاوی معاملات کی مشغولی اور شیطانی جگہ ہے۔ دنیاوی چیزوں اور اس کی زینت کا یہ مظہر ہے تقویٰ کے خلاف حب دنیا اور بد نگاہی بد نظری بے پردگی کی جگہ ہے، ایسے مقام میں ذکر الہی کرنا ایک مجاہدہ کی بات ہے، چنانچہ دیکھئے نہ اتنی نیکی کے باوجود کتنے لوگ آپ کو بازار میں ذکر کرتے نظر آتے ہیں بہت کم شاذ نادر، اس کے مقابلہ مسجد میں ذکر کرتے زائد نظر آئیں گے اس غفلت و شیطانی جگہ ہونے کی وجہ سے ذکر کی فضیلت ہے۔

پس اے بازار جانے والو اور بازاری امور میں مشغول رہنے والو اس کلمہ کا ورد کر لو، اربوں کھربوں نیکیاں نامہ اعمال میں لکھواؤ۔

(تاجرو! جنت کیسے جاؤ گے؟ ص: ۱۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا کہ ایک انصاری جو غربت مال اور مرض سے حد درجہ پریشان تھا ملاقات ہوئی آپ نے ان سے پوچھا کیا بات ہے ایسی حالت کیوں ہے کہا تنگدستی اور امراض کی وجہ سے آپ نے فرمایا وہ دعائے بتادوں پڑھو تو تنگدستی اور امراض دور ہو جائے حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا وہ دعائیں سکھا دیجئے آپ نے فرمایا، پڑھو۔

[Comment M9]: ترجمہ لکھنا ہے۔

تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَا يَتَّخِذُ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيفٌ فِي الْمَلِكِ وَلَمْ

يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِّ وَكِبَرُهُ تَكْبِيرًا۔

ترجمہ:

چند دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا کیا بات ہے ابو ہریرہ بہت اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں، میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جو دعا سکھائی تھی اسی کی وجہ سے

(الدعاء طبرانی ۳/۱۲۸۵)

حضرت حس بن علی فرماتے ہیں ایک موقع پر شدید مالی پریشانی ہوئی اور جو وظیفہ آتا تھا وہ رُک گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تلقین فرمائی تو میں نے پڑھنا شروع کیا۔

اللَّهُمَّ اقْذِفْ فِي قَلْبِي رَجَاءً لِّكَ وَاقْطَعْ رَجَائِي عَنْ سِوَاكَ حَتَّى لَا أَرْجُو أَحَدًا غَيْرَكَ۔ اللَّهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْدَهُ قُوَّتِي وَقَصُرَ عَنْهُ أَمَلِي وَلَمْ تَنْتَه إِلَيْهِ رَغْبَتِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسَالَتِي وَلَمْ يَجِرْ عَلَيَّ لِسَانِي مِمَّا أُعْطِيتُ أَحَدًا مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فَخَضَّنِي بِهِ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

[Comment M10]: ترجمہ لکھنا ہے۔

(الارج ابن ابی الدنيا/ ۴۷۶)

دوسری فصل: تجارت و صنعت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت نبویہ کو زندہ کرنا کیوں

ضروری ہے؟

مسلمان تاجر و صنعت کار تب ہی تجارت میں اللہ تعالیٰ کے دین کو زندہ کر سکے گا جب اسے اس بات کی اہمیت کا ادراک ہو گا کہ تجارت سے متعلق دین سیکھ کر اس کو تجارت میں نافذ کرنا اس کے کیلئے ضروری ہے یا وہ جیسے چاہے اپنے ماحول، معاشرے کی عادات بازار سے سیکھے ہوئے طریقوں کے مطابق تجارت کرتا جائے، چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے کہ تجارت و صنعت کے لئے ضروری علم سیکھنا کیوں ضروری ہے اور اس کے سیکھنے سے تاجر کو کیا کیا فوائد حاصل ہونگے؟ اور وہ اپنی تجارت میں دین کیسے زندہ کر سکتا ہے ذیل میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

خرید و فروخت کے مسائل سیکھنا واجب ہے!

بیع اور شراء کے ذریعہ مال حاصل کرنے کے مسائل کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے جو اس مشغلہ میں لگا ہوا ہو کیونکہ علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس سے ان تمام مشاغل کا علم طلب کرنا مراد ہے۔ مشغلہ رکھنے والوں کو جن مسائل کی حاجت ہو ان کا جاننا اس کے لئے ضروری ہے اور کسب کر نیو الا کسب کے مسائل جاننے کا محتاج ہے اور جب اس سلسلہ کے احکام جان لے گا، تو معاملات کو فاسد کرنے والی چیزوں سے واقف ہو جائے گا لہذا اس سے بچے گا اور ایسے شاذ و نادر مسائل جو قابل اشکال ہوں گے۔ ان کے ہوتے ہوئے معاملہ کرنے میں سوال کر کے علم حاصل کرنے تک توقف کرے گا۔ کیونکہ جب کوئی شخص معاملات کو فاسد کر نیو الے امور کو اجمالی طور پر نہ جانے تو اسے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ میں کس کے بارے میں توقف کروں اور سوال کر کے اس کو جانوں، اگر کوئی یہ کہے کہ میں پیشگی علم حاصل نہیں کرتا۔ اس وقت تک کام کرتا رہوں گا جب تک کوئی واقعہ پیش نہ آجائے، جب کوئی واقعہ پیش آئے گا تو معلوم کر لوں گا تو یہ اس شخص کو جواب دیا جائیگا کہ جب تک تو اجمالی طور پر معاملات کو فاسد کر نیو الی چیزوں کو نہ جانے گا۔ تجھے کیسے پتہ چلے گا کہ مجھے فلاں موقع پر معلوم کرنا چاہئے جسے اجمالی علم بھی نہ ہو وہ بار بار تصرفات کرتا رہے گا اور ان کو صحیح سمجھتا رہے گا۔ لہذا علم تجارت سے اولاً اس قدر جاننا ضروری ہے کہ جس سے جائز و ناجائز میں تمیز ہو اور یہ پتہ چل سکے کہ کونسا معاملہ وضاحت کے ساتھ جائز ہے اور صحیح ہے اور کس میں اشکال ہے۔

اور الترتیب الاداریہ ص ۱۶/۰۶ میں بھی ایسا باب قائم کیا ہے کہ شروع زمانہ اسلام میں اس وقت تک لوگ بیع و شراء نہیں کرتے تھے جب تک کہ اس کے احکام اور آداب کو نہ سیکھ لیتے تھے اور یہ کہ خرید و فروخت میں سود سے کیسے بچیں گے۔

چنانچہ اس باب کے تحت آگے تحریر فرماتے ہیں:-

امام شافعیؒ نے ”الرسالہ“ میں اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم، میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ کسی مکلف کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی معاملہ پر اقدام کرے یہاں تک کہ یہ نہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس میں کیا ہے اور امام قراخی مالکیؒ نے ”کتاب الفروق“ میں فرمایا ہے کہ جو خرید و فروخت کا کام کرے اس کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ یہ سیکھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کیا چیز مشروع فرمائی ہے اور جو اجارہ داری کرے اس کے ذمہ یہ واجب ہے کہ اجارہ کے احکام کو جانے اور جو قرض کے لین دین کا معاملہ کرے اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو سیکھے اور جو نماز پڑھے اس کے ذمہ اس نماز کے احکام جاننے ضروری ہیں اور اس قاعدہ پر قرآن کی وہ آیت دلالت کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل فرمایا ہے {قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخُوذُ بَكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ} ”یعنی جس سوال کے جو از کا علم نہیں اس سے پناہ چاہتا ہوں“ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس بات پر عتاب کیا گیا کہ وہ اپنے لڑکے کے بارے میں سوال کر بیٹھے کہ (طوفان کے وقت) اس کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں لے لیں (تاکہ وہ غرقابی سے بچا رہے) اور یہ بات پہلے نہ معلوم کر سکے کہ یہ طلب ٹھیک بھی ہے یا نہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہ عتاب اور حضرت نوح علیہ السلام کا یہ جواب دونوں اس بات پر دال ہیں کہ کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اس کے متعلق جو از و عدم جو از اور متعلقہ احکام کا جاننا ضروری ہے۔

دوسری آیت میں ہے {وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ} ”جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو“۔ (بیان القرآن) اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے نبی کو غیر معلوم کے اتباع سے منع فرمایا ہے۔ لہذا کسی کام کو شروع کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کام کا علم نہ ہو جائے معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ”طلب العلم فريضة على كل مسلم“ ہر مسلمان پر علم سیکھنا ضروری ہے ”امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ طلب علم دو طرح پر ہے:-

۱۔ ایک فرض عین۔

۲۱ دوسرا فرض کفایہ۔

فرض عین تو ہر وہ علم ہے جس سے واسطہ پڑے اور اس کے علاوہ کا علم فرض کفایہ ہے۔

اور کتاب الروجۃ المشتیکہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ عجمی (جہلا) لوگ ہمارے بازاروں میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک خرید و فروخت کے احکام کو نہ جان لیں اور اس کی اصلیت بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے ملتی ہے کیونکہ آپ بھی ہر اس شخص کو جو کوئی کام کرنا چاہتا تھا اس کے احکام اور ضروریات سکھایا کرتے تھے۔

اور مجاہدیؒ نے شرح مختصر ابن ابی جرہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کا قول ہے کہ جو بیع و شراء کے احکام کو نہ جانتا ہو اس کے لئے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا اور بازار میں بیٹھنا جائز نہیں اور یہ کہ جو یہ کرنا چاہے اس پر بہت ضروری ہے کہ اس کے احکام کو سیکھے اور اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے اور یہی امام مالکؒ نے کتاب القراض میں فرمایا ہے اور مدد نہ میں فرمایا ہے کہ میرے نزدیک لین دین کا معاملہ کرنا اس شخص کے لئے درست نہیں جو (اپنی جہالت کی وجہ سے) حرام کو حلال کرے یا حلال حرام میں تمیز ہی نہ کرتا ہو، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں ہو۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص کو انہوں نے یہ کہہ کر بازار بھیجا کہ جو خرید و فروخت کے احکام کو نہ جانتا ہو۔ اس کو بازار سے نکال دے اور مدخل ابن الحاج میں ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمرؓ اس کو کوڑے بھی لگایا کرتے تھے جو احکام جانے بغیر خرید و فروخت کرنے بیٹھ جاتا اور فرماتے ہمارے بازاروں میں وہ شخص نہ بیٹھا کرے جو سود کو نہ جانتا ہو۔ امام مالکؒ نے بھی اس شخص کو بازار سے نکلوا دینے کا حکم فرمایا تھا جو احکام کو نہ جانتا ہو تا کہ (اپنے مسائل سے جہالت کی وجہ سے) لوگس کو سود نہ کھلا دے۔

میں نے سیدی ابو محمد سے سنا کہ ان کے زمانہ میں محتسب (داروغہ) بازار میں جاتا اور (ہر ہر) دوکان پر ٹھہرتا اور دوکاندار سے اس کے متعلقہ مسائل پوچھتا کہ کس طرح کرنے سے سود ہو جائے گا اور کیسے سودی کام سے بچے گا اگر وہ صحیح صحیح جواب دے دیتا تو اس کو چھوڑ دیتا اور جو ان احکام میں سے کسی سے بھی لاعلمی کا اظہار کرتا اس کو نکال دیتا اور کہتا کہ تمہارے لئے مسلمانوں کے بازار میں بیٹھنا جائز نہیں تم لوگوں کو سود اور ناجائز چیزیں کھلاتے ہو؟ اور ابو طالب مکی کی قوت القلوب میں

لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں گھوما کرتے اور بعض تیار کو (احکام نہ جاننے کی وجہ سے جیسا کہ پہلے گزرا) کوڑے بھی لگاتے اور فرماتے کہ ہمارے بازار میں صرف احکام بیع جاننے والے ہی خرید و فروخت کریں۔ ورنہ خواہ مخواہ سود کھا ہی لیں گے۔

اور ”کنز العمال“ میں مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ہمارے بازاروں میں صرف وہی آدمی خرید و فروخت کیا کرے جو دینی مسائل جانتا ہو۔

اور ”تنبیہ المغترین“ میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ حکام کو فرماتے تو وہ تاجروں اور بازاری لوگوں کو حضرت امام کے سامنے پیش کرتے۔ امام صاحب ان سے سوالات کرتے۔ اگر کوئی ایسا شخص ان میں سے پاتے جو احکام معاملات کی سوچھ بوجھ نہ رکھتا ہو، اور حلال و حرام میں تمیز نہ کرنے والا ہو تو اس کو بازار سے نکلوا دیتے اور اس کو فرماتے کہ (پہلے) خرید و فروخت سے متعلق مسائل کو سیکھو پھر بازار میں بیٹھو کیونکہ اگر مسائل سے ناواقف ہو گا تو سود کھائے گا۔

علامہ زر قانیؒ نے شرح مختصری امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ تاجروں کی شادت کسی معاملہ میں اس وقت تک مقبول و جائز نہیں جب تک وہ اپنے متعلقہ خرید و فروخت کے مسائل کو نہ سیکھ لیں۔

اور فتاویٰ تاتار خانیہ میں فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا ہے کہ کسی کو تجارت میں مشغول ہونا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ بیع و شراء کے احکام کو نہ جان لے کہ کیا جائز ہے اور کیا نہیں۔

اور فتاویٰ بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ کسی کو تجارت میں مشغول ہونا اس وقت تک جائز نہیں جب تک بیوع سے متعلق مسائل کو زبانی یاد نہ کر لے۔

پہلے زمانہ میں تاجر جب سفر کرتے تھے (اور خود مسائل سے ناواقف ہوتے تھے) تو اپنے ساتھ کسی فقیہ کو بھی رکھا کرتے تھے تاکہ اس سے مسائل پوچھتے رہیں۔ الخ۔

حضرت امام محمدؒ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تقویٰ کے بارے میں ایک کتاب لکھ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے بیوع کے سلسلہ میں ایک کتاب لکھ دی ہے ان مسائل کا خیال کر کے جب کوئی شخص خرید و فروخت کرے گا اور ناجائز سے بچے گا تو متقی ہو گا اس کا کسب حلال ہو گا اور عمل اچھا ہو گا۔

(بلوغ الاصل ۸۲)

حضرت تھانویؒ نے ان معاملات میں ایک رسالہ ”صفائی معاملات“ کے نام سے لکھا ہے اس میں تجارت کی بہت جزئیات الگ الگ لکھی ہیں اس کو مطالعہ میں رکھنا بہت مفید ہے۔

تیسری فصل: دینی لحاظ سے نگرانی کے لئے ضروری اقدامات و افرادی قوت

اول تو ضروری ہے کہ تاجر اور تجارتی ادارے میں کام کرنے والے افراد خود تجارت کے متعلق ضروری مسائل اور فقہ المعاملات سے باخبر ہوں بلکہ حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ آپ تجارت و معاملات کے تمام قسم کے شرعی مسائل کو علماء سے معلوم کریں حتیٰ کہ آپ کو خود ان مسائل پر اتنا عبور حاصل ہو جائے کہ خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ، دوسروں کو بتانے اور ان کی رہنمائی کرنے والے بھی بن سکیں، اس کے علاوہ دین آپ کے کاروبار میں عملاً کیسے نافذ ہو جائے اور ادارے میں ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکوموں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق سرانجام پذیر ہو، اس کے لئے جیسے دیگر تجارتی مہمات کی درست ترتیب کو یقینی بنانے کیلئے نگرانی کا عمل قائم کیا جاتا ہے ایسے ہی سارے ادارے کے کام کی دینی لحاظ سے نگرانی کرنے کیلئے آپ کے پاس کم از کم ایک یا اگر ضرورت زیادہ کی ہو تو متعدد علماء و مفتیان کرام کی ایک مکمل جماعت ہو، جو ادارے کے تمام شعبوں کی شرعی نقطہ نظر سے نگاہ رکھیں کہ کہیں کسی شعبہ میں جان بوجھ کر یا ان جانے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم تو نہیں ٹوٹ رہا ہے اور ادارے میں سنت کے خلاف کوئی کام تو نہیں ہو رہا اور اگر ایسا ہو تو وہ ان کام کرنے والوں کو اس کے متبادل طریقہ کو اختیار کرنے میں رہنمائی و مدد و معاونت کریں یہی وہ طریقہ ہے کہ جس کو مسلمان تاجر اختیار کیا کرتے تھے جیسا کہ پچھلی فصل میں گذر چکا ہے کہ "پہلے زمانہ میں تجارت جب سفر کرتے تو کسی فقیہ کو بھی اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس سے مسائل پوچھتے رہیں" چونکہ مقام پر علماء و فقہاء کرام میسر ہوتے رہتے ہیں اس لئے مقام کی نسبت سفر میں شرعی و فقہی رہنمائی کو حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا، اس لئے تاجر حضرات اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تجارت میں زندہ کرنے کو یقینی بنانے کیلئے سفر میں اپنے ساتھ ایک فقیہ لے جایا کرتے تھے، اسی طرح چونکہ آج کل فیکٹریاں اور کارخانے، مارکیٹیں و بازار علمی درس گاہوں اور علمائے کرام کی مجالس سے دور ہوتی ہیں اور کام کے دوران علمائے کرام و مفتیان عظام کی سرپرستی کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہو پاتا، لہذا تجارت و صنعت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کرنے کو یقینی بنانے کیلئے ضروری فقہی نگرانی کیلئے علماء جماعت کو ادارے کے اندر قائم کر کے ان کی سرپرستی حاصل کرنا ادارے کیلئے مناسب اور ضروری ہو گا۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ علمائے کرام آپ کے پاس کام کیسے کریں گے کیونکہ وہ تو اس سے زیادہ عظیم کام یعنی قرآن و حدیث کے علوم کے پڑھنے، پڑھانے میں لگے ہوئے ہونگے، وہ اسے چھوڑ کر آپ کے پاس کام کیسے کریں گے، نیز دین کے کام کا جو وہ آپ کے پاس کریں گے اس کا معاوضہ لینا ان کی نظر میں گھٹیا بات ہوگی، اس کا حل یہ ہے کہ آپ ان کی خدمت میں درخواست کریں کہ وہ آپ کے ادارے میں دین کے زندہ کرنے کی ذمہ داری سنبھالیں، تو وہ اس کیلئے انشاء اللہ تیار ہو جائیں گے اور آپ ان سے کہیں کہ میں انشاء اللہ آپ کے معاش کے مسئلہ کے حل میں آپ کی خدمت کروں گا تاکہ آپ بے فکر ہو کر

دین کو زندہ کرنے کے کام میں لگیں، تو انشاء اللہ اس شکل میں وہ آپ کے ساتھ آپ کے ادارے میں دین کے زندہ کرنے کے کام کی نگرانی کیلئے تیار ہو جائیں گے۔

کام کے دوران نگرانی کی ضرورت اور اس کا فائدہ

کام کے دوران علمائے کرام کی نگرانی و سرپرستی ضروری اس لئے ہے کہ کام کے کئے جاتے وقت اس کا درست بنالینا بنسبت پہلے غلط طریقے سے کرنے کے بعد اسے درست کرنے کی کوشش و سعی کرنے سے بہتر اور یقینی طریقہ ہے، اس کے برخلاف ایک بار کام کے غلط ہو جانے کے اسے درست کرنا انتہائی مشکل بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن نیز اخراجات کے بڑھانے کا موجب ہوتا ہے، یہی وہ طریقہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی راہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ نکلتے اور ان کی غلط اور صحیح میں رہنمائی فرماتے اور ساتھ ساتھ انہیں دین کے امور سکھاتے اور مدینہ منورہ میں ان کے زندگی کے امور کی نگرانی فرماتے، بازار میں خود تشریف لے جاتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تجارت کرتے ہوئے نگرانی اور جہاں ضرورت ہوتی وہاں ان کی دینی لحاظ سے سرپرستی فرماتے۔

[Comment [M11]: یہاں آپ علیہ

السلام کے بازار میں صحابہ کرام کی نگرانی کے واقعات ڈالنے ہیں۔

چنانچہ کئی احادیث ایسی ہیں جن کا شان و رود بازار ہیں یعنی ان احادیث میں موجود باتوں کو آپ علیہ السلام نے بازار میں بیان فرمایا، ایسے واقعات تفصیل پہلے گزر گئے ہیں مثلاً آپ علیہ السلام بازار تشریف لے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے اناج کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا اور جب اس میں اوپر کے اناج کو خشک اور ڈھیر کے اندر کے اناج کو گیلیا پایا تو آپ علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے، اسی طرح ایک بار آپ علیہ السلام نے بازار میں تجارت کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یا معشر التجار کہہ کر متوجہ فرمایا سب نے اپنے سر اوپر اٹھائے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تاجر ہی فاجر ہو جاتے ہیں، سوائے ان کے جو تقویٰ اختیار کریں اور سچ بولیں اور نیکی کریں، یہ اور اسی قبیل کی بے شمار احادیث اس بات کی دال ہیں کہ بہترین تعلیم و نگرانی وہ ہے جو کام کے دوران ہی کی جائے اور اسی کو مسلمان تاجر و صنعت کار کو اختیار کرنا مناسب ہو گا، جس کے مندرجہ ذیل فوائد ہوتے ہیں:-

۱. کام کا یقینی طور پر درست طریقے سے سرانجام پانا

۲. کم خرچ نگرانی

۳. غلط طریقے سے کام ہو چکنے کے بعد اسے درست کرنے پر دہری محنت سے بچاؤ

۴. کام کے وقوع پذیر ہو چکنے کے بعد بعض صورتوں میں درست کرنا ممکن نہیں ہوتا اور کام غلط ہی رہ جاتا ہے

چنانچہ مناسب یہی ہے کہ کام کو اس کے کرنے کے دوران ہی درست طریقے سے واقع ہونے کو یقینی بنالیا جائے تاہم اس تمام کوشش و اہتمام کے باوجود کوئی غلطی رہ جائے تو شریعت مطہرہ نے غلطی کو درست کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں اور

فقہائے کرام رحمہم اللہ نے ہر کام کو درست کرنے کے الگ الگ طریقوں کی پوری وضاحت کر دی ہے، جو علماء کی جماعت آپ کی موقع بموقع رہنمائی کرتی رہا کرے گی۔

(چند علماء و فقہاء کی جماعت)

فقہ المعاملات میں ماہر علمائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے علم دین کی روشنی میں معاملات کو درست کرنے کی بڑی سمجھ اور دانش مندی عطا فرمائی ہوتی ہے جو کہ عام لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ ذیل میں چند ایسے واقعات گوش گزار کرنا مناسب ہو گا:

حضرت مولانا عنایت الہی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کا معمول یہ تھا کہ مدرسہ کے چندہ میں جو زیورات آتے ان کو کسی دوسرے ہاتھ نہیں فروخت کراتے تھے، بلکہ خود بہ نفس نفیس گھر آتے جاتے وقت فروخت کیا کرتے تھے اور ہیرا نام ایک بہت بڑا اصراف تھا اسی سے معاملہ ہمیشہ کیا کرتے تھے اور وہ بھی مہتمم صاحب کا اتنا معتقد ہو گیا تھا کہ بہت رعایت مہتمم صاحب کی کیا کرتے تھے جب طلائے زیور فروخت کرتے تو اول اس صراف سے چاندی کے روپے قرض لیا کرتے اور اس سے خرید و فروخت کر کے پھر اس کے روپے واپس کر کے چلے آتے وہ بہت غور سے دیکھا کرتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے جب چاندی کے زیور کی خرید و فروخت ہوتی تو اس سے پہلے اشرفیاں قرض لیتے اور اس سے معاملہ کرنے کے بعد پھر واپس کر دیتے وہ پوچھتا مولانا صاحب! اس ہیر پھیر میں کیا فائدہ ہوا۔ بات تو ایک ہی رہی تو مہتمم صاحب اس کو سمجھایا کرتے کہ ہمارے مذہب میں چاندی سونے کی فروخت میں خاص طریقہ ہے اور اسے سمجھاتے وہ صراف بھی بیچ صرف کے مسئلہ میں اتنا ماہر ہو گیا تھا کہ عام لوگوں کو تو پہلے ہی مسئلہ بتا دیا کرتا تھا، مگر جب مولوی قسم کا کوئی آدمی اس کے یہاں پہنچتا۔ اول تو وہ صراف عام طریقہ سے بیچ دیتا اور جب وہ مولانا صاحب اٹھتے تو وہ صراف کہتا مولانا صاحب ذرا تشریف رکھئے یہ جس طرح خرید رہے یہ آپ کے مذہب میں ناجائز ہے اکثر مولوی تو یہ لفظ سن کر چکراتے اور بعض جو شیلے اس سے کہتے کہ ہمارے مذہب سے ہم واقف ہیں یا تو بہت بوڑھا تھا وہ کہتا مولانا صاحب پہلے آپ تشریف رکھئے خفانہ ہوئے میری بات سینئے پھر اسے سمجھاتا کہ آپ کے مذہب میں اس طرح جائز ہے تو وہ بھی سوچ میں پڑ جاتے اور شرما جاتے اس لئے کہ اصل مسئلہ میں وہ مولانا صاحب جاہل ہوتے تھے اور وہ مشرک مسئلہ کا واقف ہوتا تھا۔

مفتی کے اعتبار سے بات تو ایک ہی رہتی۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کھجوروں کی طرح سے ذرا سے تغیر سے وہ ناجائز معاملہ جائز بن جاتا۔ الخ

تجارت میں دھوکہ سے محفوظ رہنے کیلئے نبوی نگرانی و معاونت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ان کی تجارت میں نگرانی اور تجارتی مشکلات میں مدد و معاونت فرمایا کرتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک دعابتا کر تجارت میں دھوکہ کھانے سے بچنے کیلئے ان کی مدد و رہنمائی کی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ معروف حدیث ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ وہ بیچ میں دھوکہ کھا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ "اذا بايعت فقل لا خلاصة" کہ جب تم نے بیچ کیا کرو! تو "لا خلاصة" کہہ دیا کرو۔

تفصیل یہ آئی ہے کہ یہ بیچارے سیدھے سادھے تھے ان کو تجارت وغیرہ کا کچھ تجربہ نہیں تھا، بھولے بھالے آدمی تھے لیکن ساتھ ہی خرید و فروخت کا بہت شوق تھا۔ گھر والوں نے بہتیرا کہا کہ بھی جب تمہیں تجربہ نہیں ہے تو کیوں خرید و فروخت کرتے ہو، خرید و فروخت نہ کیا کرو، کہنے لگے کہ "لا اصبر عن البيع" کہ میں بیچ سے صبر نہیں کر سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ اور ان کے گھر والے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دھوکہ لگتا ہے تو خرید و فروخت کی کیا ضرورت ہے، کہنے لگے جی، میں صبر نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا پھر یہ کیا کرو "اذا بايعت فقل لا خلاصة" جو کچھ لینا دینا ہو تو ہاتھ در ہاتھ کر لو ادھار نہ کرو۔ کیونکہ ایک تو ادھار میں اکثر دھوکہ لگتا ہے اور دوسرا یہ کہہ دیا کرو کہ "لا خلاصة"۔

ایک دوسری جگہ حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، آپ نے کہا کہ ایک صحابی کوئی چیز خریدتے وقت دھوکا کھا جایا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تو خرید کرے تو یہ کہہ دے "لا خلاصة" کہ کوئی دھوکا نہ ہو۔ پس وہ اسی طرح کہا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الخصومات، حدیث نمبر ۲۴۱۴)

تو جب علمائے کرام کی نگرانی میں تجارتی امور سرانجام دیئے جائیں گے تو ان کی برکت سے تجارت میں دین بھی زندہ ہو گا اور وہ طریقے بھی معلوم ہونگے جن کی برکت سے تجارت آسان جائے گی اور معاملات درست بھی ہو جائیں گے نیز یہ کہ اسلام نے تجارت کی ترقی و بہتری کیلئے جو طریقے بتائے ہوئے ہیں ان سے استفادہ بھی ہو کر تجارت میں ترقی کا موجب ہو گا۔

جیسے پہلے ذکر ہو چکا کہ سب سے پہلے تو خود اسلامی تجارت اور تجارت سے متعلق دین سیکھنا ضروری ہے لہذا جو تاجر و صنعت حضرات خود اسلامی تجارت تجارتی دین اور فقہ المعاملات سیکھنا چاہیں تو ان کے سامنے علم دین کی اہمیت و فضائل اور اس کے آداب کا آنا ضروری ہے اس لئے آئندہ باب میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب نمبر بارہ

تجارت و ذرائع معاش کے انتظامات

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

◀ پہلی فصل: انتظامات:-

◀ دوسری فصل: منتظم کی صفات:-

پہلی فصل: انتظامات

تعریف

شرعی اصول و ضوابط کی پابندی کے ساتھ اللہ جل شانہ کی مدد اور رضا کو شامل حال کرتے ہوئے کاموں کو ایسے طریقے سے مرتب اور منتظم کر کے سرانجام دینا کہ قلیل وقت میں بقدر ضرورت میسر وسائل کو استعمال کر کے بہتر انداز میں مطلوبہ اہداف حاصل ہو جائیں۔

اسلامی انتظامات کی بنیاد

اسلام نے اپنی آفاقی تعلیمات میں ایسی رہنمائی مہیا کی ہے جس میں دنیا کے وسائل و اسباب کی بجائے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے مستفید ہونے کو اصل قرار دیا گیا ہے، جن لوگوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے خزانوں سے مستفید ہونے کا طریقہ آجائے تو وہ لوگ دنیا کے وسائل، اسباب کی قلت کے باوجود دیگر قوموں سے بہتر نتائج حاصل کر لیتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے انتظامات میں یہ بات بہت واضح نظر آتی ہے کہ، وہ اپنے انتظامات میں وسائل و اسباب کی تنگ و دو کے بجائے ان وسائل و اسباب کے خالق و مالک سے تعلق جوڑ کر اس کی قدرت سے براہ راست استفادہ کرنے والے بن گئے تھے۔ اور انہوں نے وسائل و اسباب کی قلت یا عدم دستیابی کے باوجود اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مدد و نصرت سے وہ کام سرانجام دیے جن کا آجکل کے مادی وسائل اور جدید ساز و سامان سے لیس معاشرے میں تصور کرنا بھی محال ہے۔

اسلامی ترتیب پر انتظامات کا خلاصہ

- ۱۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات عالی پر بھروسہ
- ۲۔ اس موقع سے متعلقہ اعمال کو اختیار کرنا
- ۳۔ اپنی ذات سے دوسروں کو نفع پہنچانے کا جذبہ
- ۴۔ حسن تدبیر کو اختیار کرنا

دوسری فصل: منتظم کی صفات

کسی بھی ادارے کے صحیح ترتیب پر چلنے اور قائم رہنے میں بہت کچھ انحصار اس کی انتظامیہ اور منتظمین کی استعداد قابلیت اور صفات پر ہوتا ہے، حدیث میں ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: الناس علی دین ملوکھم کہ لوگ اپنے حاکموں کے دین پر ہوا کرتے ہیں، اس لئے اسلام نے منتظم کی صفات پر بہت زور دیا ہے، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میں فرمایا کہ اس امر خلافت کا بوجھ وہی اٹھا سکتا ہے جو:

- ✓ تم میں زیادہ طاقت والا ہو۔
 - ✓ اور اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو پانے والا ہو۔
 - ✓ سختی کے موقع پر خوب سخت اور نرمی کے موقع پر خوب نرم ہو۔
 - ✓ اور شوری والے اہل رائے کی رائے کو خوب جانتا ہو۔
 - ✓ لایعنی میں مشغول نہ ہوتا ہو۔
 - ✓ جو بات ابھی پیش نہیں آئی ہو اس کی وجہ سے غمگین و پریشان نہ ہوتا ہو۔
 - ✓ علم سیکھنے سے شرماتا نہ ہو۔
 - ✓ اچانک پیش آ جانے والے کام سے گھبراتا نہ ہو۔
 - ✓ مال کے سنبھالنے میں خوب مضبوط ہو۔
 - ✓ اور غصہ میں آکر کسی زیادتی کر کے مال میں خیانت بالکل نہ کرے
 - ✓ اور آئندہ پیش آنے والے امور کے لئے تیاری رکھے
 - ✓ اور احتیاط اور چوکنا پن اور اطاعت خداوندی سے بروقت آراستہ ہو۔
- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس امر خلافت کی صلاحیت صرف وہی آدمی رکھتا ہے جو:

- مضبوط ہو لیکن سخت اور درشت نہ ہو۔
- نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو۔
- سخی ہو لیکن فضول خرچ نہ ہو۔
- احتیاط سے خرچ کرنے والا ہو لیکن کنجوس نہ ہو۔

یہ بیان کردہ صفات اگرچہ امر خلافت کے ذمہ دار سے تعلق رکھتی ہیں لیکن کسی شعبہ کا ذمہ دار متعین کرتے وقت اگر کسی میں یہ صفات پائی جائیں تو وہ دوسروں کی بنسبت اس ذمہ داری کا زیادہ اہل ہو گا۔

منتظم و ذمہ دار کی صفات کا قرآن کریم میں تذکرہ

جب حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بکریوں کے انتظام کی ذمہ داری دینا چاہتے تھے تو حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحب زادی نے یہ کہہ کر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات کی طرف اشارہ کیا:

{إِنَّ كَيْدَ مَنْ اشْتَاكَ جَزَتْ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ} (القصص: ۲۶) ترجمہ: "کیونکہ بہتر ملازم جو آپ رکھیں وہ ہے، (جو) توانا اور امانت دار (ہو)" میں دو باتیں بنیادی ہیں:

- **قوت:** متعلقہ کام میں ماہر ہوں اور اس کی ہر لحاظ سے ان میں سمجھ بھی ہو، وہ کام میں ہر لحاظ سے ماہر ہو، اسے کام پورا سلیقہ اور کام کی مکمل استعداد اس میں ہو۔
- **امانت:** ان میں امانت کی صفت بھی اعلیٰ درجے کی ہو، کہ وہ وقت، کام، فکر، توجہ، ذمہ داری، اطاعت و فرمانبرداری سب میں اس کی امانت نظر آرہی ہو۔

۱. قوت:

کسی کام کو سرانجام دینے کیلئے اس کام سے متعلقہ قوت و مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، قوت سے مراد قوت ظاہری یعنی جسمانی قوت اور باطنی قوت یعنی مہارت دونوں ضروری ہیں، تاکہ اس کے ذریعے اس کام کو احسن طریقے سے سرانجام دیا جاسکے۔

۲. امانت

امانت کا مصداق ہونے کے لئے تین امور کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہیں:

۱. حسن سلوک و کردار:

ذمہ دار کالوگوں اور ساتھیوں و ماتحتوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک و عمومی حسن کردار جو اسلامی تعلیمات اور اس کے قیمتی اصولوں اور حسن اخلاق سے مزین اور شرع اسلامی کے مطابق ہو، جس سے یہ ذمہ دار لوگوں کی طرف سے اچھے نام سے یاد کیا جائے گا، اسی وجہ سے ہمارے تمام سابقین، متاخرین و معاصرین اسلاف و علمائے امت جنہوں نے امت کی خیر و حق کی طرف رہنمائی کی ایسے تھے کہ جن کے درست کردار و حسن سلوک کی ہر کسی نے تعریف کی اور انہوں نے یہ رہنمائی، سید المرسلین و امام النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی رب ذوالجلال نے جن کی، تعریف کرتے ہوئے فرمایا {وَأَنَّكَ لَکَلِّ خَلْقٍ عَظِيمٍ} (القلعہ: ۴) ترجمہ: "اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں"، اور اسی طرح یوسف صلی اللہ علیہ وسلم نے

اہل مصر کی قیادت و ذمہ داری ادا کی اور ان کے خزانوں کے مالک بنے تو وہ بھی اسی حسن سلوک و حسن کردار سے ہی بنے جس کو قرآن نے یوں ذکر کیا ہے: {قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا} (یوسف: ۵۵) ترجمہ: "یوسف صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں، اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔"

۲. قول و فعل میں مطابقت:

اگر آپ کو اپنے کام پر پورا اعتماد نہیں ہو گا تو آپ کے متعلقین اور ساتھی پریقین نہیں ہونگے، اور جب ذمہ دار کندھے پر پڑے بوجھ کو خود نہیں اٹھانا چاہے گا تو اس کے ماتحت ساتھی کیسے اس کام کو زور و شور سے کریں گے، اور وہ جب ان سے کوئی کام کروانا چاہے گا اور خود وہ اس کام کو یقین و اعتماد کے فقدان کی وجہ نہیں کر پا رہا ہو گا، تو وہ دوسروں کو اس کام پر ابھارنے کی صورت میں اپنے قول و فعل میں اختلاف کا مرتکب ہو گا، حالانکہ کسی بھی امر کو اپنے ساتھوں و ماتحتوں سے کروانے کیلئے ضروری ہے کہ ذمہ دار خود اس کام کو کرنے کے لئے سب سے زیادہ قربانی بھی دے رہا ہو، جب ہی اس کے ساتھی اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر، یک جان و دو قالب بن کر، کام کو سرانجام دیں گے، اور اسی وجہ سے قرآن کریم قول و فعل میں اختلاف پر تنبیہ فرماتے ہوئے مؤمنین کو ارشاد فرماتا ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ} (الصف: ۳۲) ترجمہ: "مؤمنو تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے، خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

۳. احساس ذمہ داری:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی ذمہ داری دے کر بھیجا اور فرمایا:

{وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ} (سورة المائدہ: ۶۷)

ترجمہ: "اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ

کیا) اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا بیشک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس کی گواہی حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح دی کہ اے اللہ کے رسول آپ نے امانت کے پہنچانے کا حق ادا کر دیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اللھم فاشھد اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دجلہ کے کنارے کوئی کتابھی بھوکا مر گیا تو اس کا جواب عمر کو دینا پڑے گا۔

[Comment 12]: حوالہ ڈالنا ہے۔

(حوالہ)

ذمہ داری کو پورے طریقے سے ادا کرنے کیلئے اور اپنے تمام افعال کے نتائج کا ادراک و احساس کرنا اور اپنے فیصلوں کی ذمہ داری کا متحمل ہونا ضروری ہے، جب ساتھی و ماتحت لوگ کو یہ اطمینان ہو گا کہ ان کا ذمہ دار انہیں پہلی مشکل گھاٹی، یا ناکامی کی صورت میں ان کا ساتھ چھوڑ نہیں دے گا، تو وہ زیادہ مطمئن ہو کر اس کے پیچھے چلیں گے اور اس کی اتباع کریں گے، اس سے ساتھیوں و ماتحتوں کے دلوں اس پر زیادہ اعتماد قائم ہو گا۔

حضرت بشر بن عاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسے مسلمانوں کے کسی امر کا ذمہ دار بنایا گیا اسے قیامت دن لا کر جہنم کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح ادا کیا ہو گا تو وہ نجات پالے گا اور اگر اس نے ذمہ داری صحیح طرح ادا نہ کی ہو گی تو پل اسے لے کر ٹوٹ پڑے گا اور وہ ستر برس تک جہنم میں گرتا چلا جائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج: ۸، ص: ۲۹۹)

۴. عدل و انصاف

حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ دو آدمیوں کا بھی ہر گز امیر نہ بننا پھر فرمایا جب کوئی آدمی امیر بنتا ہے اور لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں اور یہ امیر ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہیں لیتا ہے تو پھر ایسے امیر سے اللہ بدلہ لیتا ہے۔

(حوالہ؟)

منتظمین میں مزید صفات

■ اللہ کے احکامات کی ترویج

حضرت رافع کہتے ہیں میں ایک سال (اپنے گھر) ٹھہرا رہا۔ پھر حضرت ابو بکر خلیفہ بن گئے میں سواری پر سوار ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے ان سے کہا میں رافع ہوں اور میں فلاں جگہ آپ کا رہبر تھا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا ہاں میں نے تم کو پہچان لیا۔ میں نے کہا آپ نے مجھے تو دو آدمیوں کا بھی امیر بننے سے منع کیا تھا اور اب خود آپ ساری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امیر بن گئے ہیں انہوں نے فرمایا ہاں لیکن یاد رکھو۔ جو آدمی ان مسلمانوں میں اللہ کی کتاب والے حکم نہیں چلائے گا اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۸۴)

■ عامۃ الناس سے میل جول

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو (کسی علاقہ کا) گورنر بناتے اور اس علاقہ سے ان کے پاس وفد آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے (اس گورنر کے بارے میں) پوچھتے کہ تمہارا امیر کیسا ہے؟ کیا وہ غلاموں کی عیادت کرتا ہے؟ کیا وہ جنازے کے ساتھ جاتا ہے؟ اس کا دروازہ کیسا ہے؟ کیا وہ نرم ہے؟ اگر وہ کہتے کہ اس کا دروازہ نرم ہے (ہر ایک کو اندر جانے کی اجازت ہے) اور غلاموں کی عیادت کرتا ہے تب تو اسے گورنر بنے دیتے ورنہ آدمی بھیج کر اس کو گورنری سے ہٹا دیتے۔

(حوالہ؟)

حمص کے گورنر حضرت عبداللہ بن قریظ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے ایک بالا خانہ بنوا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی بھیج کر اس کو آگ لگوادی اور ان کو اپنے پاس بلوا کر سرزنش کی اور فرمایا بس اس (مختصر سی زندگی) کے لئے تم نے وہ بالا خانہ بنایا تھا جس کی وجہ سے تم مسکین، بیوہ اور یتیم انسانوں (کی پہنچ) سے اوپر ہو گئے تھے۔ جاؤ اپنے کام پر واپس جاؤ اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۱۱۳)

■ سادگی، مشقت پسندی اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت

حضرت عاصم بن ابی نجد کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب اپنے گورنروں کو (مختلف علاقوں میں گورنر بنا کر) بھیجا کرتے تو ان پر یہ شرطیں لگاتے کہ: تم لوگ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوا کرو گے۔

(۳۳۲)

۲ اور چھنے ہوئے آٹے کی چپاتی نہیں کھایا کرو گے۔

۲ اور باریک کپڑا نہیں پہنا کرو گے۔

۲ اور حاجت مندوں پر اپنے دوازے بند نہیں کیا کرو گے۔

اگر تم نے ان میں سے کوئی کام کر لیا تو تم سزا کے حق دار بن جاؤ گے۔ پھر رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھوڑی دور چلتے جب واپس آنے لگتے تو ان سے فرماتے میں نے تم کو مسلمانوں کے خون (بہانے) پر اور ان کی کھال (ادھیڑنے) پر اور انہیں بے آبرو کرنے پر اور ان کے مال (چھیننے) پر مسلط نہیں کیا ہے بلکہ میں تمہیں (اس علاقہ میں) اس لئے بھیج رہا ہوں تاکہ تم وہاں کے مسلمانوں میں نماز قائم کرو اور ان میں ان کا مال غنیمت تقسیم کرو اور ان میں انصاف کے فیصلے کرو۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۱۰۹)

■ ماتحتوں کا ہاتھ بٹانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے کام کو کرواتے ہوئے خود ان کے ساتھ کاموں میں برابر شریک رہتے، لڑائیوں میں ساتھ لڑتے، کھانے کے بندوبست میں خود لکڑیاں چننے میں لگ جاتے اور گھر میں اہل خانہ کے ساتھ کاموں میں ہاتھ بٹاتے۔ جیسا کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں اور غزوہ خندق میں آپ خندق کے کھودنے میں برابر شریک تھے آپ نے آج کل تجارتی انتظامات میں یہ طرز اختیار کیا جاتا ہے کہ منتظم خود ماتحتوں کے ساتھ کام نہیں کرتا یہ اسلام کی رو سے پسندیدہ نہیں ہے۔

■ مقصد کا واضح ہونا اور اس کے حاصل ہونے کا مکمل یقین

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دین کے پھیلنے کے نقشہ پر پختہ اعتماد کو ملاحظہ فرمائیے، صورت حال یہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ میں شدید عذاب و تکالیف سے دوچار کیا جا رہا ہے، اسلام ابھی کمزور ہے، اور خطرات نے ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے، یہ ساری صورت حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کام پر ایمان کی مضبوطی اور اسے سب پر پوری طرح واضح کرنے سے نہ روک رہی ہے اور نہ کسی قسم کے تردد میں ڈال رہی ہے۔

■ اپنے ساتھیوں کو اپنی فکر میں شامل رکھنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر میں جس قافلے کا پیچھا کرنے کے لیے نکلے تھے ہو تو ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے بالمقابل ان سے سامان حرب زیادہ تعداد میں تین گنا بڑی فوج آگئی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال اپنے صحابہ کے سامنے رکھ کر فرمایا "اشيروا علی ایہا الناس" کہ اے لوگو! "مجھے مشورہ دو"، تو لشکر میں شریک ساتھیوں نے مشورے دیئے اور بہترین مشورے اور رائے کا اظہار کیا۔

■ ساتھیوں کے ساتھ نرمی اور خوش دلی

ہمیں اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی حسن قیادت کی رہنمائی لینی چاہئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: { فَمِمَّا رَحِمَهُمُ مِنَ اللَّهِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْجزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ } (سورہ آل عمران: ۱۵۹) ترجمہ: "اے نبی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہی آپ ان سے نرمی کرتے ہیں اور اگر بد زبان اور غلیظ القلب ہوتے تو یہ ہر وقت آپ کے حکم پر چلنے والے صحابہ کرام آپ کیارد گرد سے بھاگ جاتے۔"

درست اور صحیح ترتیب پر قائم ادارے کو کسی بھی چھوٹے یا بڑے کام کو کرنے کیلئے حکمت کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ یہ ادارہ انسانوں سے معاملات سرانجام دے رہا ہوتا ہے نہ کہ مشینوں و آلات سے، بعض دفعہ چھوٹی سی بات سننے والے کے دل پر زبردست اثر مرتب کر کے اسے آگے بڑھا دیتی ہے اور کبھی چھوٹا سا کلمہ اس کے دل میں ایسا اثر ڈالتا ہے کہ وہ گڑھے میں جا گرتا ہے، ((لوگوں کی قیادت و رہنمائی اور ان کو لے کر چلنے کا فن)) اور لوگ مختلف قسم کے ہوتے ہیں کوئی شخص کتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہو وہ انسانوں کی حکمت کے ساتھ ہی قیادت کر کے ان سے کام لے سکتا ہے۔

■ اپنے ساتھیوں کی غمی خوشی میں شریک ہونا اور ان کا خیال رکھنا۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم صحابہ کرام کی خوشیوں و غمیوں میں ان کے ساتھ ہوتے تھے اور کتنے بھی مشکل حالات ہوں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے ان کا دن سارا ان کے لئے ہوتا اور دن کے وقت کو اپنے لئے استعمال نہیں کرتے تھے، ان میں سے جو موجود نہ ہو اس کا پوچھتے اور ان کے یتیموں کا خیال رکھتے اور ان کے کمزور کی اعانت اور زخمیوں کی دوا اور جسے چوٹ لگے تو اسکی بیمار پرسی کرتے، انکی تعداد کے بڑھ جانے کی معذوری کو بیچ میں نہ آنے دیتے، ان کی

تو تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چوالیس ہزار سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی، اتنی بڑی تعداد ہو جانے کے باوجود سب بھی محسوس کرتے تھے کہ وہ وہی آپ کے دل کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور درج ذیل واقعہ سے جس کی تائید ہوتی ہے:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ ایک غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے، آپ اپنی عادت شریفہ کے مطابق آگے چل رہے تھے پھر کچھ پیچھے ہونے لگے اور صحابہ کو فرمایا تم لوگ اپنی رفتار سے چلتے رہو یہاں تک کہ آپ پیچھے جہاں حضرت جابر بن عبد اللہ کی ضعیف و کمزور سواری تھی وہاں تشریف لے آئے اور ان سے بات فرمانے لگے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس واقعے کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی سواری پر ایک غزوہ میں تھا تو اونٹ سست روی سے چل رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو ہانکا تو وہ اتنا تیز ہو گیا کہ لشکر کے آگے آگیا، آپ نے فرمایا کہ "ارے جابر تمہارا اونٹ بڑا تیز رفتار ہو گیا ہے" تو میں نے کہا کہ آپ کی برکت سے ایسا ہوا ہے، آپ نے فرمایا جابر تم اسے مجھے بیچ نہیں دیتے تاکہ اس سے اچھی سواری لے لو اور تم آگے چلا کرنا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی بڑی ضرورت تھی پھر بھی میں نے شرم کے مارے اسے آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا، جب ہمارا غزوہ مکمل ہو گیا اور ہم واپسی کے قریب ہو گئے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی واپسی کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ میں نے حال ہی میں شادی کی ہے، آپ نے فرمایا کہ کنواری سے کی ہے یا کہ بیوہ سے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بیوہ سے کی ہے، عبد اللہ بن عمر زخمی ہو گئے تھے اور انہوں نے کنواری باندھیاں چھوڑی تھیں تو مناسب نہ لگا کہ ان جیسی ہی کنواری بیوی لے آؤں چنانچہ سوچا ایسی بیوہ بیوی لاؤں جو انہیں تعلیم و ادب سکھائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی "

"اور فرمایا کہ رات تک گھر پہنچ جانا، جب گھر پہنچا تو ماموں کو اونٹ کی فروخت کے متعلق بتایا تو وہ انہوں نے ملامت کیا، جب رسول اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں اونٹ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اونٹ کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی مجھے ہی دیدیا اور لوگوں کے ساتھ غنیمت میں حصہ بھی پورا پورا حصہ دیا۔"

(مشکوٰۃ)

■ خود ذمہ داری کا خواہاں نہ ہونا

ذمہ دار میں یہ صفت ہونا ضروری ہے کہ وہ اس ذمہ داری کا خواہاں نہ ہو، اسلام نے ایسے شخص کو جو ذمہ داری کا طالب ہو، ذمہ داری کیلئے نااہل قرار دیا ہے، اسی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا لانستعمل علی عملنا هذا من اراده "ہم کسی کو جو خود ذمہ دار بننا چاہے، اپنے کام کا ذمہ دار نہیں بنا سکتے" (التبصر لابن فرحون جلد ۱ ص ۱۱) فتح الباری میں یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میری قوم کے دو آدمی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا "یا رسول اللہ! مجھے کسی جگہ کی امارت عطا فرمائیے" دوسرے نے بھی یہ کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا لانؤتی هذا من مسئلة ولا من حرص عليه ترجمہ: "ہم اس معاملے کو کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا سوال کرے یا اس کے دل میں اس کی حرص ہو"

(فتح الباری، جلد ۱۶ ص ۲۴۴، عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۹ ص ۴۹۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کوئی منصب کو طلب کرتا ہے، وہ اس کا اہل نہیں ہو سکتا، چنانچہ اسی سلسلہ میں ابن فرحون نے ایک روایت نقل کی ہے، کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو کسی وفد میں دیکھا تو اس کی ہیئت کذائی آپ کو بہت پسند آئی، پھر یک بیک اس نے قاضی بنائے جانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے اس سے فرمایا:

ان هذا الامر لا يقوى عليه من يحبه ترجمہ: "اس کام کو جو شخص از خود چاہتا ہے، وہ اس پر دسترس نہیں رکھ سکتا۔"

■ بردباری

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کے نزدیک امام کی بردباری اور نرمی سے زیادہ محبوب اور لوگوں کے لئے زیادہ فائدہ مند کوئی چیز نہیں ہے اور امام کے جہالت والے رویہ سے زیادہ مبعوض اللہ کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ (حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۱۰۱)

■ عفو و درگزر

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے ساتھ پیش آنے والے معاملات میں جو آدمی عفو و درگزر سے کام لے گا اسے عافیت ملے گی اور جو اپنی ذات کے بارے میں لوگوں سے انصاف کرے گا اسے اپنے کام میں کامیابی ملے گی اور اطاعت میں ذلت برداشت کرنا گناہوں میں ظاہری عزت ملنے سے نیکی کے زیادہ قریب ہے۔ (حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۱۰۲)

■ صفات پیدا کرنے اور ان کے بڑھتے رہنے کی مسلسل محنت

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو محنت و کوشش پر بنایا ہے کہ ہر وہ چیز جو مفید ہو اس کو وجود میں لانے اور اسے انسانوں میں قائم رکھنے کیلئے محنت و کوشش کرنی پڑتی ہے اگر محنت کی جائے تو وہ وجود آتی ہے اور بغیر محنت کے وجود میں نہیں آتی، اسی طرح مفید چیز کو انسانوں میں قائم رکھنے کیلئے بھی محنت شرط ہے، اگر اس کے لئے مسلسل کوشش

و محنت جاری رکھی جائے گی تو وہ قائم رہے گی ورنہ وہ انسانوں سے معدوم ہو جائے گی، اور اسی طرح دوسرا اصول یہ ہے کہ انسان کی کوشش و محنت کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے، اس کو اس کوشش و محنت کا پھل ضرور دیتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے {وَأَنْتَ لَنْ تَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ إِلَّا مَا سَعَىٰ وَأَنْتَ سَعِيْدٌ يُرَىٰ} (النجم: ۳۹-۴۰) ترجمہ "اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا" اور دوسری جگہ ارشاد باری عزاسمہ ہے کہ {أَمْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّىٰ} ((النجم: ۲۴)) ترجمہ: "کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے؟" یعنی صرف آرزو کرنے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے محنت و کوشش کرنی ہوگی، لہذا انسانوں میں اچھی صفات کی بھی یہی حالت ہے کہ اگر ان کے حاصل کرنے اور وجود میں لانے کی کوشش و محنت کی جائے تو وہ انسانوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور قائم رہنے کی مسلسل محنت کرنے سے وہ قائم بھی رہتی ہیں اور جیسے اس طرف سے غفلت و تساہل برتا جائے وہ انسانوں کی زندگیوں سے آہستہ آہستہ ناپید ہو جاتی ہیں۔ لہذا ساتھیوں میں اچھی صفات وجود میں آئیں اور پھر وہ ان میں قائم رہیں اس کے لئے مسلسل محنت و کوشش کرتے رہنے سے یہ نعمت اللہ تعالیٰ دیدیں گے۔

منتظمین و ذمہ داروں کی متفرق صفات:

- ساتھیوں کا خادم بن کر رہے۔
- ان پر حکم نہ چلائے، بلکہ ترغیب دے کر ساتھیوں سے کام لے۔
- ذمہ دار ہر ساتھی کا مزاج معلوم ہو، یعنی مردم شناسی کے فن کو جانتا ہو اور ہر ساتھی سے اس کے مزاج اور استعداد کے مطابق کام لے۔
- سب ساتھیوں کو ان ساتھی ہونے کے اعتبار سے برابر سمجھے، اور ان میں تفریق نہ رکھے تاہم بعض ساتھیوں کے مرتبے و مقام کی رعایت کرنا ضروری ہے۔
- سب سے کمزور اور ضعیف ساتھی کی رائے کو بھی اہمیت دے۔
- کسی میں کمی ہو اول تو عمومی انداز سے سمجھانے کی کوشش کرے، اور اگر ضروری ہو تو بھی سب کے سامنے اسے تنبیہ کرنے کی بجائے الگ بلا کر اس کو سمجھائے۔
- جو بھی کام ہوں اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر چلے، ساتھیوں کو چھوڑ کر اکیلے کرنے کی کوشش نہ کرے۔

- حکمت اور شفقت کے ساتھ سب کو چلائے، کسی ساتھی کے ساتھ سختی اور حکومت کے لہجے سے پیش نہ آئے۔
- نہ بہت سخت ہو، اور نہ ہی بہت نرم، میانہ روی کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کرے۔
- ساتھیوں کو آگے بڑھائے اور نئے ساتھیوں کی تربیت کی پوری فکر کرے۔
- اپنے ساتھیوں کے آرام و راحت کا خیال کرے۔
- مشورہ سے کام کرے۔
- مناسب انداز میں لایعنی چیزوں سے اپنے ساتھیوں کو روکتا رہے۔
- مناسب طریقے ساتھیوں پر کام تقسیم کرے۔
- اگر ساتھیوں میں کچھ کشیدگی ہو جائے تو جلد سے جلد صلح کرادے۔
- اپنے ساتھیوں کو بار بار فکر آخرت اور خوف خدا کی تلقین کرتا رہے اور ان کے دلوں میں یہ بات پیدا کر دے کہ ہم دوسروں کی اصلاح کی بجائے اپنی اصلاح و تربیت کی فکر کرنی ہے۔
- سادہ اور مجاہدانہ زندگی۔
- ذاتی تقاضوں کو اجتماعی تقاضوں پر قربان کرنا۔
- عجب و تکبر سے بچنا۔
- محاسبہ نفس اور فکر آخرت۔
- اپنے ساتھیوں کے لئے دعائیں کرتا رہے

انتظامیہ کی ذمہ داریاں

کسی بھی ادارے کے منتظمین کے ذمہ اپنے ادارے سے متعلق درج ذیل بنیادی امور کا اہتمام کرنا ضروری ہے

۱. منصوبہ بندی

اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ماضی و حاضر کے تجربوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے، باہمی مشورہ کے ساتھ اہداف کا تعین کرنا اور ان کو حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی مدد لینے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی پابندی کرنے کے ساتھ اسباب شرعیہ کے ذریعے تدابیر کا لائحہ عمل طے کرنا۔

۲. تنظیم سازی

متعلقہ شعبہ کیلئے جماعت بنانا ذمہ داریوں کا تعین کرنا، ذمہ داریاں سپرد کرنا، باہمی رابطے اور ہم آہنگی کا ماحول پیدا کرنا۔

۳. ذمہ داری و رہنمائی

متعلقہ ادارے یا شعبے کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ذمہ دار افراد کا عملے کو ترغیب کے ذریعہ جذبہ بنا کر مطلوبہ اہداف کے حصول کیلئے ان سے کام لینے کی اہلیت اور قابلیت۔

۴. احوال لینا اور محاسبہ کرنا

اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے افراد اور شعبوں کی کارگزاری لینا اور موقع بہ موقع رہنمائی اس طرح کرنا کہ مطلوبہ اہداف حاصل کرنے میں معاونت ہو، نیز یہ کہ ان متعلقہ شعبوں میں شریعت کے احکامات سے تجاوز نہ ہو رہا ہو۔

مندرجہ بالا امور کی تفصیل آئندہ ابواب میں مذکور ہے۔

باب نمبر تیرہ

انتظامی امور میں منصوبہ بندی کا اسلامی طرز

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- ◀ پہلی فصل: اسلامی منصوبہ بندی کی تعریف و بنیاد:-
- ◀ دوسری فصل: منصوبہ بندی کا طریقہ کار:-
- ◀ تیسری فصل: مشورہ:-
- ◀ چوتھی فصل: فیصلہ سازی:-
- ◀ پانچویں فصل: استخارہ:-

پہلی فصل: اسلامی منصوبہ بندی کی تعریف و بنیاد

منصوبہ بندی کی تعریف

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر توکل اور بھروسہ کر کے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں گزشتہ کے تجربوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے، باہمی مشورہ کے ساتھ اہداف کا تعین کرنا پھر ان اصداف کے حصول کیلئے تدابیر اختیار کرنے کا لائحہ عمل طے کرنا، منصوبہ بندی کہلاتا ہے۔

منصوبہ بندی کی اہمیت

ہر دور میں ہر ضروری، اہم اور بڑے کام کو سرانجام دینے کے لیے منصوبہ بندی (پلیننگ) اور تخطيط کی جواہمیت ہے وہ کسی ذی فہم شخص کی نگاہ سے اوچھل نہیں۔ بغیر منصوبہ بندی کے صحیح سمت اور صحیح رخ پر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ سمجھدار اور نگاہ بین افراد اور اقوام جن کاموں کو سرانجام دینا چاہتے ہیں انکے نقشے اور منصوبے وہ برسوں قبل ہی بنا چکے ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں (تمام طبعی اور شرعی امور) کے منصوبے مختلف اسباب و علل کے روپ میں بناتا ہے۔

[وَحَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُءُوهُ ثُمَّ يَرُدُّهٖ إِلَىٰ عِندِ رَبِّهِ ۚ إِنَّ يَوْمَئِذٍ هُمَّ يُخْلَعُونَ] (فرقان: ۲)

ترجمہ: "اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک ضابطہ (منصوبہ) بنایا"

[وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ] (رعد: ۸)

ترجمہ: "اور ہر چیز اس کے ہاں ایک خاص انداز سے ہے"

[وَأَن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ] (حجر: ۲۱)

ترجمہ: "اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں مگر ہم اس کو ایک معین مقدار ہی میں اتارتے ہیں"

[ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ] (انعام: ۹۶، یٰسین: ۳۸، حم سجدہ: ۲۱)

ترجمہ: "یہ ہے اندازہ (منصوبہ) ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کا"

یہ زیادہ تر فطری، طبعی ضوابط کا بیان تھا اور شرعی امور کے بارے میں ارشاد ہے

[وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ] (احزاب: ۳۸)

ترجمہ: "اور اللہ کا معاملہ پہلے سے تجویز کیا ہوا ہے۔"

[إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ] (نمل: ۵۰، ۴۹)

ترجمہ: "ہم نے یقیناً ہر چیز کو ایک خاص انداز سے پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم تو صرف ایک (بات) ہے جیسے آنکھ کا جھپکا۔"

مذکورہ بالا آیات کریمہ کے ملاحظہ سے یہ بے غبار حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام پورے منصوبوں اور اسکیموں کے تحت ظہور پزیر ہوتے ہیں اور کائنات مادی و شرعی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بغیر منصوبے کے بے ترتیبی سے واقع نہیں ہوتا۔

قرآن حکیم میں اس قسم کی منصوبہ بندیوں کا تذکرہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ امت مسلمہ بھی اپنے تمام کاموں اور اپنے تمام قومی و ملی اور اجتماعی مسائل کو حل کرنے کے لیے بہت پہلے ہی سے منصوبے بنائے اور بغیر منصوبے کے اپنا کوئی بھی اجتماعی یا انفرادی کام نہ کرے۔ منصوبہ بندی اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کرنا گویا کہ ایک بے مقصد زندگی گزارنا ہے قرآن حکیم کے اسباق و بصائر کو نظر انداز کر کے بے مقصد زندگی گزارنے والی ملت کبھی کامیابی کی منزل سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ ہر بڑے کاروبار، منصوبے، ادارے، محکمے یا حکومت و ملک میں ایک شعبہ ایسا ہونا ضروری ہے جس کا کام ہی منصوبہ بندی اور مستقبل کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف افراد، شعبوں اور محکموں کے لیے کام پیدا کرنا اور ان کاموں کو آپس میں مربوط کرتے ہوئے منزل مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش اور سعی کرنا ہو۔

(ماخوذ از المباحث الاسلامیہ، جون ۲۰۱۰ ص ۲۷۳)

منصوبہ بندی اور توکل علی اللہ

اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہونے سے انسان کو قدرت الہیہ سے جو مدد ملتی ہے اس سے بڑے بڑے منصوبے آسان ہو جاتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جیسے حضرت یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کی منصوبہ بندی کا قرآن کریم میں ذکر ہے، جو کام حکومت مصر نہیں کر پار ہی تھی وہ کام حضرت یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت الہیہ پر مبنی نبوی منصوبہ بندی نے کم وسائل سے کر دکھایا

{قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأْبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُخْصِنُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَارُ الثَّاسُ وَفِيهِ يَعْصَرُونَ ۝ } (یوسف ۴۷، ۴۹)

ترجمہ: ی "یوسف صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے، تو جو غلہ کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے، باقی کو خوشوں ہی میں رہنے دینا، پھر اس کے بعد خشک سالی

کے سات سال آئیں گے، کہ جو غلہ تم نے جمع کر رکھا ہوگا، وہ اس سب کو کھا جائیں گے، صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا، جو تم احتیاط سے رکھ چھوڑو گے، پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا، کہ خوب مینہ برسے گا، اور لوگ اس میں رس نچوڑیں گے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد و نصرت و رہنمائی حاصل تھی، جس سے انہیں آنے والے سالوں کے حالات کا پیشگی ادراک ہوا اور پھر اس کے لئے انہوں نے منصوبہ بندی کی۔

اسلامی تعلیمات میں منصوبہ بندی کیلئے رہنمائی کی گئی ہے:

ارشاد خداوندی ہے۔

{وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُوهُمْ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ} (سورة الانفال: ۶۰)

ترجمہ: "اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے بہت بیٹھی رہے گی۔ اور تم جو کچھ راہ اللہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں آتا ہے کہ "لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عِتَادٌ" ہر کام کیلئے آپ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا" (یعنی ہر کام کیلئے پہلے سے منصوبہ بندی فرماتے تھے)۔

(حفاصل نبوی شرح شمائل ترمذی ص ۳۸۰ مطبوعہ مکتب البشری)

منصوبہ بندی کی بنیاد درست ہونے کے بعد اسلام کی طرف سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ قوت عمل ہے،

{وَأَنْتَ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى} (سورة النجم: ۳۹)

ترجمہ "اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔"

{اَمْ لَیْسَابِہَا تَمَیِّزٌ} (سورۃ النجم: ۲۴)

ترجمہ "کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے۔"

اس حقیقی اصول کے مطابق مسلمان کو اسلام نے لگن، محنت، جدوجہد کی تعلیم دی ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، اور سبب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہی حکم دیا ہے، اس دنیا میں کوئی کام سبب کو اختیار کئے بغیر، صرف تمنا و خواہش کر لینے سے ممکن نہیں ہو سکتا، لہذا صرف منصوبہ بندی کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ اس کے لئے محنت و کوشش اور ضروری سبب اختیار کرنا ہو گا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو (جس نے اپنی اونٹنی مسجد کے دروازے پر باندھے بغیر چھوڑ کر توکل کرنے کی کوشش کی) فرمایا "اعقلہا و توکل"، کہ اونٹنی کو باندھو پھر توکل کرو، یعنی پہلے کسی کام کو کرنے کا پورا سبب اختیار کرو اس کے بعد اللہ پر توکل کرو تو معلوم ہوا کہ سبب اختیار کرنا توکل اور قضا و قدر کے منافی نہیں ہے۔

دوسری فصل: منصوبہ بندی کا طریقہ کار

حالات معلوم کرنا اور کام کی سطح کا ادراک کرنا

چونکہ ادارے کے اہداف چاہے شعبوں کی سطح کے ہوں یا کل ادارے کی بنیاد پر ہوں اہداف کے تعین کا مسئلہ ہو یا اس بات کو دیکھنا کہ اہداف کہاں تک حاصل ہوئے ہیں کہ انہیں ان سب چیزوں کی بنیاد مشورہ ہے۔ مشورہ جتنا اپنی روح کے ساتھ زندہ ہو گا اتنا ہی اصراف کے یقینی میں اور ان کے حاصل کرنے میں معاونت ہوگی۔ اب مشورہ بہتر سے بہتر ہو۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ مشورہ میں شریک تجارتی ادارے کے مالکان و کارکنان کے سامنے کلی اور جزوی اندرونی اور بیرونی ہر طرح کے حالات ہوں کیونکہ جب تک حقائق سامنے نہیں ہونگے اور حالات پر پوری نگاہ نہیں ہوگی۔ صحیح بات اور صحیح فیصلے تک پہنچنا مشکل ہو گا لہذا منصوبہ بندی میں پہلا کام یہ ہے کہ حالات کی اچھی طرح تحقیق کر لی جائے۔

حالات کی تحقیق میں مندرجہ ذیل چیزوں کو لے سکتے ہیں:

۱. گاہکوں کے بارے میں:- چونکہ گاہک ہی ہماری چیزوں اور خدمات کا محور ہوتے ہیں ان کی ضروریات کو مسلسل دیکھتے رہنا چاہیے ادارے کو مندرجہ ذیل اقسام کے گاہکوں سے واسطہ پڑنا ہے۔ گھریلو صارف، تجارتی صارف پیداواری صارف، حکومتی صارف، عالمی صارف، اب ان میں سے جس قسم کے صارف کو ہم لوگوں نے خدمات کا محور بنانا ہے ان کی ساری ضروریات کو دیکھتے رہنا ہوگا۔
۲. بیچنے والوں کے بارے میں:- یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہمیں ضروری اشیاء فراہم کرتے ہیں ان سے متعلقہ پیش آمدہ مسائل پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے۔
۳. ہمارے جیسا کاروبار کرنے والے دوسرے ادارے:- بازار میں وہ ادارے جو ہمارے جیسی اشیاء بناتے ہیں ان اداروں کی تمام سرگرمیوں کا تجزیہ بھی کرتے رہنا چاہیے ان اداروں کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے ان کی خوبیاں ہمارے سامنے آئیں گی جس سے ہمیں رہنمائی مل سکتی ہے۔
۴. معاشی حالات:- چونکہ معاشی حالات لوگوں کی قوت خرید پر اثر انداز ہوتے ہیں لہذا اس پر بھی نگاہ ہو۔
۵. معاشرتی عناصر:- ہر معاشرے کا اپنا الگ انداز اور طریقہ زندگی ہوتا ہے لہذا اس کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے تاکہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں ان کا لحاظ رکھا جائے۔
۶. سیاسی اور قانونی حالات:- جہاں بھی کاروبار کرنے کا ارادہ ہو وہاں کے سیاسی حالات، حکومت کے قانون اور ضابطے وغیرہ بھی مشورہ میں شریک مالکان و کارکنان کے سامنے ہونے چاہیں۔

۷۔ تکنیکی مہارت:- آج کل کا دور بڑا متحرک دور ہے۔ آئے دن نئی نئی چیزیں ایجاد ہو رہی ہیں ان سے ماحول بڑا تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے لہذا ادارے اس کی مصنوعات پر یہ تبدیلیاں اثر انداز ہوتی ہیں اہل مشورہ کی ان پر نگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

۸۔ جغرافیائی ماحول سے متعلقہ حالات:- انسانی آبادی کئی اجزاء پر مشتمل ہے۔ جسے غریب، امیر بچے، بوڑھے، عورت مرد کنوارے شادی شدہ مختلف علاقوں والے لہذا ان سب کی ضروریات کو سمجھنا اور ان کا ادراک رکھنا بھی ضروری ہے۔

۹۔ فروخت کے واسطے:- ان میں پرچون فروش، تھوک فروش وغیرہ اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے والے شامل ہیں ان پر نگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔

۱۰۔ ادارہ:- گرد و پیش کے حالات کا اندازہ لگانے سے پہلے اپنے ادارے کے حالات کو بھی اچھی طرح جاننا ضروری ہے۔ اپنی اور اپنے ادارے کی خوبیوں اور خامیوں کو جاننا۔ خوبیوں کو بڑھانے اور خامیوں کو دور کرنے کی فکر بہت ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی معاشرے کے ماحول میں آپکے ادارے کی اشیاء کیلئے کیا مواقع ہیں اور کیا رکاوٹیں ہیں نیز ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے ہمارے اندر کیا خوبیاں ہیں؟ اور رکاوٹوں سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ ان چیزوں کو جاننا اہل مشورہ کیلئے ضروری ہے۔

اہداف کا تعین کرنا

جب صحیح حکمت عملی اور کام کی ترتیب بھی بن جائے تو اس میں اس کام کو سرانجام دینے کیلئے اس کے اہداف متعین کیے جائیں، کہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کیا ہدف ہونگے اور کیا کام کرنے پڑیں گے؟ اس کے بعد ان اہداف میں ترجیحات کو طے کیا جائے کہ کونسا کام پہلے اور کونسا کام بعد میں سرانجام دینا ہے؟ اس کے بعد اہداف پایہ تکمیل تک پہنچانے کا دورانیہ اور وقت بھی متعین کیا جائے کہ فلاں ہدف فلاں وقت تک پورا کرنا اور فلاں کام فلاں وقت تک پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔

اپنے کاروبار کے اہداف کا تعین کریں

کاروبار کے اہداف کا تعین کرنا کسی بھی کاروبار کی کامیابی کے لئے بہت اہم ہے، کیونکہ اگر ان کے کاروبار کا کوئی مقصد نہیں ہو گا تو وہ منتشر خیالی کا شکار ہو جائیں گے۔ آپ کے اہداف آپ کے اعمال کی بنیاد بنتے ہیں، یہ اہداف آپ کو کچھ چیزوں

کے حصول کے بارے میں بتاتے ہیں اور آپ اپنی کاروباری کامیابیاں ناپنے کے لئے ان اہداف کو پیمانے کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

اہداف کا تعین کرنے کے طریقہ کار سے ہی یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے اہداف حاصل کرنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اکثر لوگ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ اہداف کا تعین کیا جانا چاہیے لیکن ۵ فیصد سے بھی کم لوگ اپنے اہداف کو تحریری شکل میں لاتے ہیں یا ان اہداف کے حصول کے لیے لائحہ عمل رکھتے ہیں۔ اہداف تحریر نہ کرنے کی سب سے اہم وجہ ڈر اور خوف ہے۔ لوگ اپنے اہداف کا غر پر لکھنا نہیں چاہتے (جو کہ اہداف کا تعین کرنے میں اہم مرحلہ ہے) کیونکہ وہ ان اہداف کو پورا کرنے کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتے۔ اگر آپ کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے تو یہ بات یاد رکھیں کہ اہداف تحریر کرنے کے بعد کسی وقت بھی تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔ اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ جتنی دفعہ آپ اہداف کا تعین کریں گے اتنا ہی یہ عمل آپ کے لیے آسان ہو جائے گا۔ جب آپ اہداف کا تعین کرنے کے بعد انہیں حاصل کر لیں گے تو پھر اہداف کا تعین اور انہیں حاصل کرنے کی طاقت آپ کو اس بات پر مجبور کر دے گی کہ آپ مزید اہداف متعین کریں۔ اگر آپ اہداف متعین کرنے سے ڈرتے ہیں تو پھر مندرجہ ذیل تجاویز آپ کی مدد کریں گی۔

۱. تھوڑے عرصے کے اور لمبے عرصے کے اہداف طے کریں

آپ ہر ہفتے، ہر سہ ماہی، ہر سال حتیٰ کہ ۳ سال یا ۵ سال کے لیے اہداف کا تعین کر سکتے ہیں۔ تھوڑے عرصے کے اہداف متعین کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ پہلے اپنے لمبے عرصے کے اہداف متعین کریں۔ مثلاً آپ کسی خاص عرصے میں کوئی مخصوص رقم کمانا چاہتے ہیں؟ یا آپ کچھ گاہک بنانا چاہتے ہیں؟ اگر اس طرح کی کوئی چیز بھی فوری طور پر آپ کے دماغ میں نہیں آتی تو پھر چند لمحوں تک یہ سوچیں کہ آپ کون سے پیشہ ورانہ اہداف حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ جب آپ نے لمبے عرصے کے اہداف متعین کر لیے ہیں تو پھر آپ مختصر مدت کے اہداف کا تعین کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس سال دس لاکھ روپے کی فروخت کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے کئے جانے والے اقدامات کی فہرست بنانی چاہئے۔ اگر آپ کو اپنی فہرست بنانے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو پھر آپ اپنے دوستوں یا ہم پیشہ لوگوں سے مدد لیں۔ جب آپ کی فہرست مکمل ہو جائے تو پھر ان چھوٹے اقدامات کو اہداف کے طور پر تقسیم کر دیں۔

۲. اپنے اہداف کو واضح اور ایک حتمی تاریخ کے حساب سے قابل پیمائش بنائیں

اپنی فروخت بڑھانا "ایک اچھا مقصد ہے لیکن یہ اتنی غیر واضح بات ہے کہ اس سے آپ کو ایسا کوئی پیمانہ نہیں ملتا جس سے آپ اپنی کامیابی کی پیمائش کر سکیں۔ اپنے اہداف کو واضح اور مخصوص بنائیں۔ سارے اہداف مخصوص ہونے

چاہئیں مثلاً نئے گاہک بنانا، قابل پیمائش ہونے چاہئیں مثلاً تین نئے گاہک بنانا اور ان اہداف کا کوئی دورانیہ ہونا چاہئے مثلاً نو مہر تک تین گاہک بنانا۔

۳. ناقابل حصول اہداف متعین کر کے اپنا نقصان نہ کریں

اگرچہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی بنیاد پر اپنے اصداف کے پورا ہونے کا یقین رکھتا اور متمنی ہوتا ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ آپ کے اہداف قابل حصول ہونے چاہئیں۔

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا

لَا تَفْعَلُونَ} (سورۃ الصف : ۲)

ترجمہ: "مؤمنو! تم ایسی بات کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے، اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرنے پاؤ" کے مصداق اگر آپ کے اہداف بہت اونچے ہیں تو پھر آپ شکست کھا جائیں گے۔

۴. سست نہ بنیں اور اگر اہداف آسان ہیں تو ان کی تعداد بڑھالیں

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عرش سے لے کر زمین کی گہرائی تک رزق کا دروازہ کھلا ہے، اللہ پاک ہر بندے کو اس کی محنت اور سعی و ہمت کے بقدر روزی سے نوازا جاتا ہے۔

(حدیث نمبر ۴۷۷۷ بمعہ فائدہ تاجرو جنت کیسے جاؤ گے ص ۵۲)

فائدہ: غفلت سے سستی سے گھر بیٹھے رہنے سے رزق نہیں ملتا، اللہ پاک نے قرآن میں اسے تلاش کرنے اور اسباب پکڑنے کا حکم دیا ہے، اللہ پاک کے اس قانون اور ضابطہ پر حضرات و نبیاء نے بھی عمل کیا ہے۔

مسلمان محنتی ہوتا ہے وہ آسان پسند زندگی کا دلدادہ نہیں ہوتا، لہذا آپ بھی محنتی بنیں، کچھ سرمایہ کار اس طرح کے اہداف متعین کر لیتے ہیں جو کہ بہت آسانی سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اگر آپ بھی اس طرح کے آسان اہداف متعین کر رہے ہیں تو پھر مقابلہ آزمائی کرنے کے لئے طریقے تلاش کریں۔ اگر آپ عام طور پر ہر تین ماہ بعد ایک نیا گاہک بناتے ہیں تو پھر آپ دو یا تین گاہک بنانے کا ہدف رکھیں۔

۵. صرف اپنے کاروبار سے متعلقہ اہداف کا تعین کریں

اہداف سے آپ کو کوئی خاص مقاصد حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ایسے اہداف سے اجتناب برتیں جن سے آپ مصروف تو ہو رہے ہیں لیکن وہ آپ کے کاروبار کی کامیابی کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر آپ کو اپنے اہداف کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے تو پھر آپ انہیں حاصل کرنے کے لئے ضروری کوشش بھی نہیں کریں گے۔

۶. صابر اور مستقل مزاج بن جائیں

اگر آپ کا اہداف متعین کرنے کا نظام کام کرتا ہو نظر نہیں آ رہا اور آپ اپنے لکھے ہوئے اہداف حاصل نہیں کر پارہے تو ہمت نہ ہاریں۔ اپنے اہداف متعین کرنے کی سرگرمی کئی مہینوں تک جاری رکھیں اور پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کی اہداف متعین کرنے کی صلاحیت بڑھ رہی ہے۔

۷. اپنے اہداف پر مسلسل نظر ثانی کرتے رہیں

اپنے ہفتہ وار یا مختصر دورائے کے اہداف اپنے سامنے رکھیں، اپنی میز پر یا اپنے کمپیوٹر کے ساتھ۔ تاکہ آپ کو یہ پتہ ہو کہ آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے سالانہ اہداف کا ماہانہ بنیاد پر جائزہ لیں تاکہ آپ راہ راست پر موجود رہیں۔ اگر آپ کی کاروباری سرگرمیاں تبدیل ہوتی ہیں تو پھر اپنے اہداف بھی تبدیل کر لیں۔ اپنے اہداف متعین کرنے میں لچک ایک اچھی چیز ہے۔

۸. اہداف کو حاصل کرنے کا طریقہ کار و حکمت عملی وضع کرنا

جب صحیح صورت حال کا ادراک ہو جائے اور صحیح حالات سامنے آجائیں تو اب آپ کے ادارے کے ساتھی مل کر بیٹھیں اور غور کریں کہ تجارت کے ذریعے انسانوں کی خدمت و مفاد عامہ کو کس طرح سے انجام دیا جائے اور جو خدمت پہلے سرانجام دی جا رہی تھی اسے کیسے بڑھایا جائے؟ جب ساتھی مل کر بیٹھیں گے اور کام کی سطح کو بڑھانے کیلئے غور و فکر کریں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کام کو وجود عطا فرمائیں گے اور کام کی سطح بڑھے گی، چند مسلمان کسی کام کو وجود دینے کیلئے جب فکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں "ان کی فکر کی برکت سے اس کام کو وجود دیتے ہیں۔"

مشورہ سے کام کی ترتیب اور کام کرنے کی حکمت عملی وضع کی جائے، کہ کس ترتیب سے کام کرنا اور کام کی سطح کو آگے بڑھانا مناسب ہو گا؟ یعنی وہ ترتیب اختیار کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوں اور کام کا نتیجہ بھی اچھا اور جلد برآمد ہو، اس حکمت عملی میں کام کے تمام پہلو اچھے اور برے سب سامنے رکھے جائیں، اور ان پر غور کیا جائے اور اس کے نقصان و فائدوں پر اچھی طرح غور کر لیا جائے۔

جب اہداف کی ترتیب بھی قائم ہو جائے تو اللہ کا نام لے کر کام کو شروع کر دیا جائے اور مشورہ سے جو ترتیب و حکمت عملی اور اہداف اور ان کی ترتیب و ترجیحات متعین ہو گئی ہیں ان کے وجود میں ساتھی لگ جائیں، سب سے پہلے اللہ سے دعا مانگیں، پھر جو وسائل مہیا ہوں ان کو استعمال کرتے ہوئے کام کو اس یقین کے ساتھ کرنا شروع کریں کہ میرے کرنے سے نہیں ہو گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہو گا تو انشاء اللہ تبارک و تعالیٰ ان کاموں کو عملاً وجود عطا فرمادیں گے۔

تیسری فصل: مشورہ

کام کی سطح کو آگے بڑھانے کے لئے ساتھیوں کو فکر مند کرنا

ہماری تجارت کا مقصد "خیر الناس من ینفع الناس" کے ارشاد نبوی کی رو سے دوسرے انسانوں کو ان کی ضروریات زندگی بہم پہنچا کر ان کی خدمت کرنا ہے، اور ایسے افراد تک سامان مہیا کر کے ان کی ضروریات کے پورا کرنے میں مدد دینا ہے، جن کے پاس اپنی ان ضروریات کو خود اپنے طور پر پورا کرنے کی صلاحیت نہیں یا ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے، چنانچہ اس کام کو کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ساتھیوں کو فکر مند کیا جائے کیوں کہ سب ساتھیوں کا فکر مند ہونا بہت ہی ضروری ہوتا ہے، اپنے تجارتی ادارے کے اگر ادارے کا ایک بھی ساتھی فکر مند نہیں ہوگا، تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شامل حال نہیں ہوگی، "ید اللہ مع الجماعة" اللہ کا جماعت پر ہاتھ ہوتا ہے "یعنی جماعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہوتی ہے، اور جماعت کہلانے کا حقدار وہ مجموعہ افراد ہوتا ہے جن کا فکر ایک ہو لہذا فکر مند کرنے کیلئے فضائل سنا کر ترغیب دی جائے اور فکر مند ہونے کے فوائد بتائے جائیں۔

بے فکری کام کو شدید نقصان دیتی ہے، ادارے کے عام سے عام کارکن و ملازم کو بھی فکر مند کیا جائے اور اسے کام سے لگاؤ اور فکر مند ہونے کی ترغیب دے کر فکر میں شامل کیا جائے۔

اپنے ساتھیوں کو تو فکر مند کرنا ہی ہے، اس کے علاوہ ان لوگوں کو بھی فکر میں شریک کیا جائے جن سے صورت حال معلوم کرنی ہے، تاکہ وہ صحیح صورتحال کا ادراک کر کے ادارے کو کام کی سطح و حقیقی صورت حال سے باخبر کریں۔

فیصلہ سازی میں مشورہ سے مدد

مختلف کاموں کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشورہ کی نعمت سے نوازا ہے، جس کے بہت ہی فائدے ہیں، جس ادارے میں مشورہ کو زندہ کیا جائے، اس کے فیصلے زیادہ درست ہوتے ہیں، جس سے اس ادارے کی کارکردگی بھی بہت بہتر ہو جاتی ہے، خود اللہ تعالیٰ نے ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کی جماعت بنا رکھی ہے۔ جو احکامات الہیہ کی تنفیذ کیلئے باہم مشورہ کرتے ہیں۔

اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا:

{ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَائِكَةِ إِلَّا عَالِيٌّ إِذْ يَخْتَصِمُونَ } (سورہ ص: ۶۹)

ترجمہ: "مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا۔"

ف: ملاء اعلیٰ (اوپر کی مجلس) ملاء کہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جن کے توسط سے تدابیر الہیہ اور تصرفات و نیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یعنی ملاء اعلیٰ میں نظام عالم کے فناء و بقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قبل و قال ہوتی ہے مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔

(تفسیر عثمانی ص ۵۹۴)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے دینے کا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

{ وَشَاوْهُمْ فِي الْأَمْرِ } (سورہ آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: "اور اپنے کاموں میں ان سے مشورت لیا کرو۔"

توجب ایسے امور جلیلہ کو سرانجام دینے کیلئے مشورہ کی افادیت سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا گیا جس میں وحی کی معاونت ہوتی ہے تو وہ امور جن کو سرانجام دینے میں انسان سے کوتاہ نظری اور عقل کے ناقص ہونے کی وجہ سے فیصلہ سازی میں غلطی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں وہاں تو مشورہ کی ضرورت اور اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے: وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ فرما کر مسلمانوں کو اپنے امور مشورہ سے سرانجام دینے کا حکم دیا ہے، اسلامی فیصلہ سازی کیلئے شوری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی متعین فیصلے تک پہنچنے کے لئے اہل حل و عقد افراد کی رایوں کا تبادلہ کیا جائے، جس کے نتیجے میں مختلف رائے اور تجاویز سامنے آتی ہیں، اور پھر کسی اچھے نتیجے تک پہنچنے کیلئے ان پر غور ہوتا ہے اور ذمہ دار آخر میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر فیصلہ کرتا ہے، اور اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد و نصرت بھی شامل ہوتی ہے، اور بشری ضعف کے تقاضوں کی وجہ سے اگر فیصلہ سازی میں کوئی غلطی ہو بھی جائے تو مشورہ کی برکت سے اس کے نقصان سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ آج امت مسلمہ نے ہر شعبہ غیروں کے انتظامی طرز کو اختیار کرتے ہوئے مشورہ کی ضرورت کو نظر انداز کر دیا ہے، اور انتظامات میں خود غرضی و مفاد پرستی کو شامل کر کے امت کی اجتماعیت کو نقصان پہنچایا ہے، جس سے بہت سی پریشانیوں اور مسائل نے جنم لیا ہے، اور امت کا آپس میں اتحاد و اتفاق بھی نہیں رہا۔ اعتصام بحبل اللہ پارہ پارہ ہو گیا ہے، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں مشورہ کو زندہ کیا جائے اس سے تمام شعبوں کے مسائل کے حل میں بھی مدد ملے گی اور ہماری اجتماعیت و وحدت قائم ہو سکے گی۔

مشورہ کے لغوی معنی

زبان عرب میں چند الفاظ کا استعمال اس بارہ میں ہوتا ہے:

مشورہ) شوریٰ رائے دینا

مشاورہ) باہم رائے زنی کرنا

استشارہ) رائے طلب کرنا

ان سب الفاظ کا ماخذ ایک ہے "شور" جو درج ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) مکھیوں کی چھتے میں سے شہد نکالنا۔

(۲) حسن صورت اور عمدہ واچھی ہیئت وضع۔

(۳) ۳ خریدار کا قابل فروخت گھوڑوں کو آگے پیچھے، نیچے اوپر سے اچھی طرح دیکھنا اور ایک ایک عضو کو ٹٹولنا۔

یعنی مذکورہ بالا الفاظ "جو مشورہ کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔" میں شیرینی، حسن اور انتخاب کے معنی ہر جگہ موجود ہیں۔

(اسلام میں مشورہ کی اہمیت ص ۷)

اصطلاحی معنی

لفظ شوریٰ، مشورہ، مشاورت کے اصطلاحی معنی ہیں "کسی قابل غور معاملہ میں لوگوں کی رائیں حاصل کرنا"

(معارف القرآن ج ۲۲ ص ۲۱۸)

چند مختلف ضعیف و قوی، منج اور غیر منج آراء اور مخلصانہ و غیر مخلصانہ اقوال سے ایک عمدہ صحیح و منج رائے حاصل ہو جائے اور وہ صحیح رائے خرابیوں اور تباہیوں سے محفوظ رہنے اور مقاصد میں کامیابی و فلاح کا ذریعہ بن جائے۔ اس غرض کا لحاظ اوپر ذکر کردہ لغوی معنی میں پورا پورا ملحوظ ہے۔

مشورہ کی غرض و غایت

مشورہ کی غرض و غایت انسان کو مہلک اور برباد کرنے والی غلطیوں سے محفوظ رکھنا، معاملات کی اصلاح کرنا اور نظام عالم کو ایسی ترتیب پر قائم رکھنا ہے جو مختلف القوی، متفاوت العقول کے باہم اجتماع کے مناسب ہو۔

مشورے کی غرض و غایت کو جاننے کیلئے چند نکات کو زیر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ نوع انسانی کے تمام افراد باعتبار عقل کے مساوی نہیں ہیں۔

ب۔ دانشمند سے دانشمند بھی بلا تجربہ ناقص اور اس کی رائے غیر قابل قبول ہوتی ہے۔

ت۔ ہر انسان، بادشاہ سے لیکر ادنیٰ رعیت اور عالم سے لیکر جاہل کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو دوسروں کی احتیاج نہ ہو۔

ث۔ معاشرتی زندگی کا دار و مدار باہمی امداد و معاونت پر ہے۔

ج۔ اہم امور میں تنہا کسی فرد کی رائے کافی نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کی رائے لینا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ ناکامی، پشیمان سے محفوظ رہ سکے۔

ح۔ جن دانشمند احباب سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ آخر تک اس کی کامیابی کیلئے کوشاں اور دعا گو رہتے ہیں۔

خلاصہ ان تمام معروضات کا یہ ہے کہ متمدن دنیا میں انسان کے اپنے تمام معاملات کی اسلوبی و بہبودی کا مدار رائے صحیح پر ہے۔ راستے میں امداد و استمداد کا مسئلہ سب سے اہم اور واجب العمل ہو گا گویا اساس تمدن مشورہ پر ہے اور عالم کی صلاحیت، اس کی آبادی، اس کی رونق و شادابی کا مدار تبادلہ آراء و خیالات پر ہے۔

(السام میں مشورہ کی اہمیت ص ۱۱۱۱ تا ۲۲۴ بالا اختصار)

مشورہ کا مقصد

مشورہ کا مقصد یہ ہے کہ کسی معاملے کے تمام پہلو واضح ہو کر ایک عمدہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔

مشورہ کے بارے میں قرآن کریم نے دو جگہ صریح حکم دیا ہے:-

{ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ } (سورة الشورى: ۳۸)

ترجمہ: "اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔ اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

مذکورہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لینے کا حکم اور پھر مشورہ کے بعد طریق عمل کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس آیت میں مومنین کی مدح کے موقع پر ان کے اوصاف خاصہ کو شمار کرتے ہوئے مشاورت باہمی کو بھی بیان فرمایا جس سے خود اسکی عظمت و شان معلوم ہوتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ اہم امور جن میں شریعت نے کوئی خاص حکم متعین نہیں کر دیا ان کو طے کرنے میں یہ باہمی مشورہ سے کام لیتے ہیں۔ ان مہمات امور میں امور مملکت، حکومت بھی داخل ہیں اور عام معاملات مہمہ مثلاً کاروبار کے امور بھی۔ یہ ایمان والوں کی خاص صفت میں سے ہے کہ وہ اپنے معاملات کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں، مستقل ہو کر خود رائے بن کر نہیں کرتے۔ چنانچہ اس آیت سے بدیہیام ہے کہ مشورہ ایک ضروری اور موجب اصلاح علم امر ہے۔ اس سے کس کو انحراف و استفاد کی اجازت نہیں ہوتی۔

مشورہ کا حکم اور اسکے فضائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ } إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنَّ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ } (سورۃ آل عمران: ۱۵۹، ۱۶۰)

ترجمہ: "اور اپنے کاموں میں ان سے مشورت لیا کرو۔ اور جب (کسی کام کا) عزم مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔"

{ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ } (سورۃ الشوری: ۳۸)

ترجمہ: "اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ماخا ب من استخار وماندم من استشار کہ جس نے استخارہ کیا

وہ کبھی رسوا نہیں ہوگا اور جس نے مشورہ کیا وہ کبھی نادم نہیں ہوگا۔

[Comment Z13]: حوالہ حدیث؟

ایک حدیث میں ہے کہ جب تمہاری سربراہ عورت ہو اور تمہارے امور بغیر مشورہ کے ہوتے ہوں، پھر تمہارے لئے

زمین کے اندر رہنا باہر کی نسبت زیادہ بہتر ہے اور جب مرد تمہارے سربراہ ہوں اور تمہارے امور مشورہ سے طے ہوتے ہوں

تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

(معارف القرآن ج: ۲، ص: ۲۱۹)

مشورہ کی اہمیت

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دانشمند لوگوں سے طلب رشد و مشورہ کرو تم کو سیدھی راہ کی ہدایت ہو گی۔ ان کی نافرمانی و خلاف مت کرو ورنہ نادم ہو گے۔

(خطیب فی رواۃ مالک)

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب آیت ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ {ال عمران: ۱۵۹} نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا۔ سمجھ لو کہ خدا اور خدا کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں۔ رسول مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے مشورہ کو میری امہ کیلئے رحمت بنایا ہے۔ میری امت میں سے جو مشورہ کرتا رہے گا۔ رشد و ہدایت اس کے ساتھ رہیں گے اور جو اس کو چھوڑ دے گا۔ کج روی اس کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔

(آداب الدین والدين ص ۱۲۰)

[Comment Z14]: حوالہ

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشورہ نہ امت سے محفوظ رہنے کا قلعہ ہے اور لوگوں کی ملامت سے امن ہے۔

[Comment Z15]: حوالہ

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کوئی کام کرنا چاہے اور اس نے اس بارہ میں کسی مسلمان سے مشورہ کر لیا تو خدا تعالیٰ اس کو سب سے بہتر بات کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

[Comment Z16]: حوالہ

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بعد اعلیٰ درجہ کی معقول بات لوگوں سے محبت اور میل جول کے ساتھ رہنا ہے کوئی خود رائے شخص محض اپنی رائے پر بھروسہ کر کے کبھی دوسروں سے بے پرواہ نہیں ہوا۔ اور نہ مشورہ کے بعد کام کرنے والے کو ہلاکت میں پھنسنے کی نوبت آئی۔ اپنے عقول کو مذاکرہ سے تجربہ کار بناؤ اور اپنے معاملات میں باہمی مشاورۃ سے امداد لو۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد جو کوئی ایسا امر پیش آئے جس میں نہ قرآن نازل ہو نہ آپ سے سنا تو اس میں کیا کیا جائے۔ فرمایا میری امت کے دیندار لوگوں کو جمع کر کے اس امر کو مشورہ میں ڈال دو۔ تنہا کسی ایک کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں، اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے

طے ہو ا کریں، تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے، اور جب تمہارے حکام بدترین افراد ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہو گا۔

(معارف القرآن ج ۲۲ صفحہ ۹۱۲۲)

مشورہ کے فوائد

- اپنے ادارے اور تجارت کے تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ کا پورا دین، اور اللہ تعالیٰ کے احکامات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔
- مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ساتھیوں میں فکر پیدا ہو جاتی ہیں۔
- مشورہ کا مقصد اور فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ سب کی رائے سامنے آ جاتی ہے، اور ذمہ دار کیلئے بہترین اور درست فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔
- مشورہ سے ادارے کے تمام افراد کے دل جڑتے، اور کسی کام کو سرانجام دینے کیلئے ان میں شوق اور ولولہ کا پیدا ہوتا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔
- مشورہ سے امور طے کرنے سے انسان بعد کی ندامت سے بھی بچ جاتا ہے۔
- ایک مجموعہ یا جماعت کے مشورہ سے طے کردہ امور میں ایک فرد کے طے کردہ امور کی نسبت غلطی کے امکانات کم ہوتے ہیں۔
- مشورے میں دوسرے کی بہتر رائے سامنے آنے کے بعد اپنے اختیار کر لینے اور اپنی رائے کو چھوڑ دینے سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔

مشورہ کے اصول و آداب

- ادارے کے کارکنان کے ذمہ دار کے ذمہ ہوتا ہے کہ وہ خود یا کسی ساتھی سے مشورہ سے قبل، مشورہ کا مقصد، فضائل اور اسکے آداب بیان کرے۔
- ساتھیوں کو فکر مند کرے اور ان کے سامنے امور مشورہ ایک ایک کر کے یا سب کے سب بیان کرے نیز ان امور کی صورت حال اور اہمیت بھی واضح کرے۔
- دائیں طرف سے شروع کرتے ہوئے ہر ایک ساتھی کی رائے لے۔

- اگرچہ ذمہ دار کو یہ اختیار بھی ہے کہ وہ کچھ سے رائے لے، سب سے نہ لے۔
- اسی طرح ذمہ دار وقت اور موقع کی مناسبت سے یہ بھی کر سکتا ہے کہ کسی کی رائے لئے بغیر ہی فیصلہ کر دے۔
- جس ساتھی سے رائے نہ لی جائے وہ اپنی سبکی محسوس نہ کرے اور پریشان نہ ہو، بلکہ خوش ہو کہ اس کے نفس کے شر سے کارکنانِ ادارہ کی حفاظت ہو گئی، اور جس ساتھی سے رائے لی جائے تو وہ اپنے آپ پر فخر نہ کرے کہ اسے قابل رائے سمجھا گیا۔
- مشورہ امانت ہوتا ہے، ہر ساتھی پوری ذمہ داری کے ساتھ جس امر کا مشورہ لیا جا رہا ہو، اس کے متعلق ہی رائے دے۔
- ذمہ دار ہر ایک ساتھی کی رائے غور سے سنے اور اس کو اہمیت دے۔
- کسی ساتھی کی رائے کی تردید یا اس کی تنقیص اور اس پر تنقید اور اس کا دوسروں کی رائے سے تقابل نہ کیا جائے۔
- ہر ساتھی پوری فکر مندی کے ساتھ اپنی مستقل رائے کا اظہار کرے، دوسرے ساتھی کی رائے پر اکتفاء نہ کرے۔
- ذاتی ضروریات یا خواہشات کی بجائے، ادارہ کی ضرورت اور تقاضوں کو مد نظر رکھ کر رائے دی جائے۔
- کسی ساتھی کی رائے کو کم سمجھنا یا اس پر اعتراض کرنا مناسب نہیں ہے۔
- اسی طرح اپنی رائے کو دوسروں کی رائے سے بہتر قرار دینا بھی مناسب نہیں ہے۔
- ذمہ دار مشورہ سے قبل کسی سے مشورہ کر کے یا اپنی طرف سے کسی امر کے متعلق اپنے ذہن میں پہلے سے فیصلہ کر کے نہ بیٹھے، بلکہ اس امر کے متعلق غیر جانب دار ہو کر بیٹھے۔
- ذمہ دار سب ساتھیوں کی رائے لینے کے بعد اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، اور جو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈالیں، اس کے مطابق طے کر دے۔ ذمہ دار کو اختیار ہے کہ وہ فیصلہ سب کی رائے کے مطابق کرے یا کچھ کی رائے کے مطابق کرے، یا کسی کی رائے کے مطابق بھی نہ کرے، اپنی سمجھ سے سب سے مختلف فیصلہ صادر کر دے۔
- اگر ساتھیوں کی رائے میں زیادہ اختلاف ہو، یا اس کا فیصلہ ان کی رائے کے مطابق نہ ہو، تو ذمہ دار ساتھی جو بات طے کرنا چاہتا ہے اس کی افادیت کی ترغیب دے کر سب ساتھیوں کو اس پر مجتمع کر کے پھر فیصلہ دے۔ تاکہ سب کے دل مجتمع ہو کر اس کے وجود دینے میں خوش دلی سے لگ جائیں اور کسی کی دل آزاری و حوصلہ شکنی نہ ہو۔

- فیصلہ ہو جانے کے بعد سب ساتھی یک جان اور یک فکر ہو کر طے شدہ فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے پوری یکسوئی اور لگن سے، اس کو وجود دینے میں لگ جائیں چاہے فیصلہ ان کی رائے کے مطابق ہو یا رائے کے خلاف ہو۔
- مشورہ میں امور طے ہو جانے کے بعد اس پر تبصرہ کرنا یا اس میں کوئی کمی یا کوتاہی بیان کرنا مناسب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کمی کو مشورہ کی برکت دور فرما دے گا اور برکت ڈال دے گا۔
- مشورہ میں طے شدہ امور کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مشورہ میں حکمت عملی بھی طے کر لی جائے، پھر اس حکمت عملی کے مطابق وجود دینے کی کوشش کی جائے۔
- طے شدہ امور کو عملی شکل دینے وقت کوئی نقصان یا خرابی نظر آئے تو اسے ذمہ دار یا اس کے متعلق رائے دینے والے ساتھی کی رائے کی خرابی قرار دینے کی بجائے، اس کو اپنی نافذ کرنے کی کمزوری اور بے فکری کی طرف منسوب کیا جائے۔
- ہر شعبہ کے متعلق امور کا مشورہ کرنے کے لئے اسی شعبہ سے متعلقہ لوگوں کو مشورہ میں شریک کیا جائے، ہر شخص کا ہر نوعیت کے مشورہ میں شریک کرنا مناسب نہیں ہو کر تا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طرز عمل سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مشورہ کے ارکان

مشورہ کے تین رکن ہیں:-

ا	مشورہ طلب امور
ب	مشیر یعنی مشورہ دینے والا
ت	مستشیر یعنی محتاج و طالب مشورہ

آ مشورہ طلب امور

مشورہ کرنے کا حکم ایسے معاملات میں ہے جن کی دونوں جانب میں نفع اور نقصان کا احتمال ہو اور شریعت میں یا عقل انسانی و عادت انسان میں کوئی ایک جانب متعین نہ ہو یا کسی ایک جانب کا نفع یا نقصان واضح نہ ہو۔

مشورے کا استثناء اور مختلف امور میں درجہ

یوں تو مشورہ انتہائی ضروری و خیر و برکت کا باعث ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی چھوٹا بڑا کام خواہ امور شرعیہ میں سے ہو یا امور طبعیہ سے بلا مشورہ کیا ہی نہ جائے بلکہ کچھ معاملات اس سے مستثنیٰ بھی ہیں جن میں مشورے کی حاجت نہیں ہوتی یا جن میں مشورہ کرنا بجائے رحمت ہونے کے موجب ضرر ہو جاتا ہے۔ درج ذیل امور سے اسکی وضاحت ہوتی ہے:

۱۔ بسا اوقات ایک انسان کو اہم معاملات پیش آجاتے ہیں اور اسے اپنے تجربہ اور فہم سے اسکا حل معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ہر صاحب عقل اسے معاملہ کا یہی حل تجویز کریگا تو ایسے معاملات میں مشورہ ضروری نہیں۔

۲۔ ایسے امور شرعیہ جن کا طریقہ اور حکم واضح ہے لائق مشورہ نہیں مثلاً یہ کہ فرض نماز کے بارے میں مشورہ کرنا کہ پڑھی جائے یا نہ؟

۳۔ معاملات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ بعض کے منافع اور خطرات زیادہ اور بعض کے کم ہوتے ہیں معاملات کی نوعیت کے اعتبار سے بعض جگہ مشورہ کرنا ضروری اور بعض جگہ مستحب ہوگا۔

(ملخص از اسلام میں مشورہ کی اہمیت ص ۷۹)

ب مشیر کے آداب و فرائض

کسی بھی معاملہ میں اپنے کاروباری اور تجارتی اداروں کے ملازمین میں سے مشورہ کیلئے جن افراد کو منتخب کرنا ہو تو ان میں درج ذیل صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔

- سمجھ بوجھ کا حامل ہو اور اس متعلقہ شعبہ کا ماہر و تجربہ کار ہو۔
- بااخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ دینی رجحان رکھتا ہو اور اخلاقی برائیوں مثلاً جھوٹ، فریب، خیانت وغیرہ سے پاک ہو۔
- مشورہ طب امور سے اس کی اپنی ذاتی اغراض وابستہ نہ ہوں ورنہ ناوانستہ طور پر بھی ایسی رائے دے سکتا ہے جس سے ادارے کو نقصان کا احتمال ہو۔
- ان افراد کا آپس میں تنافس اور حسد سے خالی ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ایک دوسرے کی رائے کی تسلیم کرنا مشکل ہو گا۔
- مشورہ دینے کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جسکے اندر اسکی اہلیت بھی موجود ہو۔ اس مقصد کیلئے مشیر میں اوپر ذکر کردہ شرائط و اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ اسلئے مشیر کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے درجہ اور قابلیت کو سمجھے۔ اگر اس میں اوصاف نہیں ہیں جن کا وجود مشیر کیلئے لازم ہے تو اسکو چاہئے کہ اس بار امانت کے عمل سے فوراً انکار کر دے۔
- مشیر کا فرض ہے کہ اپنی ممکنہ کوشش تنقیح رائے و توضیح طریق میں صرف کرے اور جو رائے اسکے نزدیک انطباق و اصوب معلوم ہو اسکو اخلاص نیت، صفائی طینت کے ساتھ مشیر کے سامنے ظاہر کرے اور ممکن سے ممکن طریقہ سے اسکی ہمدردی اور دلسوزی کو اپنا فرض سمجھے۔ کیونکہ جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ وسلم ہے (المستشار مؤتمن) جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین بنایا گیا۔
- مشیر کو مشورہ میں خیانت حرام ہے۔ مشیر پر ہر مستشیر کی خیر خواہی واجب ہے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر۔
- جب کسی شخص کی عقل و تجربہ کو تسلیم کر لیا جاتا ہے اور لوگ عموماً اسکی اصابت رائے کے قائل ہو کر اس پر اطمینان کرنے لگتے ہیں تو حسب تقاضاء فطرت انسانی، اکثر و بیشتر ایسے افراد میں ایک قسم کا عجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو یہ شخص غور و فکر کئے بغیر اور بلا سوچے سمجھے رائے دینے کو کافی خیال کر لیتا ہے۔ دوسرے تمام دنیا کی آراء کو اپنے مقابلہ میں بیچ اور ناقابل التفات سمجھتا اور خیال کر لیتا ہے۔ اور دوسروں کو نادان اور ناتجربہ کار جانتا ہے۔ جب کسی مشیر کی یہ حالت ہو جائے تو فرض ہے کہ ایسے شخص سے نہ تو مشورہ کیا جائے اور نہ اسکو قابل اعتماد سمجھا جائے۔ اگر کسی مشیر کو اپنے متعلق یہ گمان ہے تو لازم ہے کہ اس مرض کا ازالہ کر کے مشورہ دے۔

- مشورہ دینے میں سبقت نہ کرے۔ یعنی جب تک اس سے مشورہ طلب نہ کیا جائے خود اقدام کر کے مشورہ نہ دے۔ اس صورت میں چند نقصان ہیں۔ اسکی رائے بے وقعت معلوم ہوگی۔ یا خیال کیا جائے گا کہ اسکی کوئی ذاتی غرض ہے۔
- البتہ اگر مشیر یہ سمجھے کہ کوئی شخص غلط راہ چلنے سے ہلاکت میں مبتلا ہوا چاہتا ہے اور اسکو یقین ہے کہ اگر میں نے سکوت کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائیگا تو اس وقت اسکو خود بڑھ کر اظہار رائے کرنا اور صحیح راستہ بتانا ضروری ہو جاتا ہے خواہ وہ اسکو بے وقعت سمجھے اور اسکی رائے کو نظر انداز کرے یا اس پر عمل کرے۔
- مشیر کو یہ بھی مناسب ہے کہ جب ایک جماعت مشورہ کیلئے جمع ہو تو یہ شخص اپنی رائے کے اظہار میں پیش قدمی نہ کرے۔ بلکہ اول اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور عقلاء کو موقع دے۔ تاکہ دوسروں کی رائے سن کر اس کو بھی بہتر رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ معاملہ کے پہلو گفتگو کے بعد واضح ہوتے ہیں اور آدمی علم کے بعد گفتگو کرے اس سے بہتر ہے کہ ظن و تخمین معلومات پر اظہار رائے کر دے جسکا انجام سوائے ندامت و خجالت یا رائے کمزور و تعلیل عمل ہونے کے کچھ نہیں ہے۔
- مشیر کو چاہئے کہ ایسے شخص کو مشورہ دینے سے بچے جس کی نسبت اس کو یقین ہے کہ کسی مشورہ کو نہیں مانتا۔ اس کی غرض محض امتحان ہوتی ہے ایسے شخص کو مشورہ دینا ہرگز مفید نہیں ہے۔ اور اپنے لئے موجب ندامت و خجالت ہے۔ ابن ہبرہ نے جو نصائح اپنی اولاد کو کیں اس میں یہ بھی ہے۔

ت مستشیر یعنی طالب مشورہ کے فرائض و آداب

تجارتی اداروں کے مالکان / ذمہ داران جب کسی معاملہ میں دوسروں سے مشورہ لینا چاہیں تو خود انہیں درج ذیل آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

- مشورہ کیلئے ایسے افراد کو منتخب کے جو مشورہ دینے کے لائق و اہل ہوں جن میں وہ شرائط و اوصاف موجود ہوں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔
- مستشیر کی غرض مشورہ سے رائے لینا چاہئے نہ کہ مشورہ دینے والے کا امتحان
- مشیر مشورہ میں اگرچہ مستشیر کی منشا اور خواہش کے خلاف رائے دے، ٹھنڈے دل سے سننا چاہئے، عقل و ثبات سے کام لے، رائے دینے والے پر اعتماد رکھے۔

- جس معاملہ میں مشورہ طلب کیا جاتا ہے اسکو کھول کر اور واضح کر کے بیان کرے تاکہ مشیر کو اسکی تمام جوانب پر نظر کر کے رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ معاملہ کو مبہم اور مجمل نہ رکھے۔
- مستشیر کو چاہئے کہ مشیروں کی رائے اور انکے دلائل غور سے سنے اور سمجھے۔ اس سے اسکو آئندہ کیلئے بھی راہنمائی حاصل ہوگی۔
- مشورہ میں بحث و مباحثہ کے بعد جب کوئی رائے قائم ہو جائے اور اس پر عمل کرنے کے بعد ثابت ہو کہ یہ رائے غلط اور مضر تھی تو لازم ہے کہ ہرگز مشیروں پر طعن و تشنیع نہ کرے۔ کہ نتیجہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایسی صورتوں میں مشیروں پر طعن و تشنیع کی جائے گی تو وہ آئندہ کبھی مشورہ نہ دیں گے بلکہ یہ کہہ کر الگ ہو جائیں گے کہ جو مناسب سمجھو اس پر عمل کرو۔
- مشیر کی گمنامی اور کم وقعتی کو اسکے مشورہ کو رد کرنے کا سبب نہ سمجھنا چاہئے۔
- طے شدہ امور و ر منقح رائے پر عمل کرنے میں لیت و لعل کو دخل دے کر اجراء و نفاذ میں دیر نہ کرے۔ مشورہ کی برکات سے تب ہی مستفید ہو سکتا ہے جبکہ عزم راسخ و ہمت قوی سے اسکا اجراء و نفاذ بھی کرے۔

مشورے کی صورتیں اور انکے آداب

مشورے کی کل دو ہی صورتیں ہیں:

۱. کسی فرد سے مشورہ کرنا

کسی ایک شخص قابل اعتماد کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کر کے رائے طلب کی جائے۔ یہ طریقہ عموماً شخصی اور انفرادی معاملات کیلئے مفید اور مستحسن ہوتا ہے۔ اس صورت میں صرف اتنی بات کافی ہے کہ مشیر اپنے رائے و فہم کے مطابق ہمدردی اور دلسوزی سے اپنی رائے ظاہر کر دے۔ البتہ اس سلسلہ میں مشیر اور مستشیر کے متعلق ذکر کردہ اوصاف و آداب کا لحاظ رکھنا بہت اہم اور ضروری ہے۔

ب. معاملہ فہم اور سمجھدار افراد کی جماعت سے مشورہ کرنا

اگر معاملہ شخصی نہیں بلکہ اجتماعی ہے، اس کا تعلق عام مخلوق سے ہے تو ایسی حالت میں جماعت سے مشورہ کرنا ضروری اور اہم ہو گا تنہا ایک شخص کی رائے پر عمل کرنے سے فرض مشورہ کا حقہ 'ادانہ ہو گا۔ اس میں اندیشہ مضرت عام اور اتلاف حقوق کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی روایت بھی اسی طرف مشیر ہے۔ اس صورت میں جبکہ مشورہ کی ایک جماعت سے تبادلہ آراء و خیالات کیا جائے اور ایک امر بغرض مشورہ جماعت کے سامنے پیش کیا جائے تو چند امر قابل بحث و تفتیش ہیں:

- ✓ رائیوں کے اظہار کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟
- ✓ در صورت اختلاف آراء، احباب مشورہ کا فرض کیا ہے؟
- ✓ کیا اس جماعت میں مشورہ سے ایک مجلس میں جمع کر کے مشورہ کرنا بہتر ہے یا ہر ایک سے جداگانہ رائے لی جائے؟

(اول) رائیوں کے اظہار کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟

رائے دینے کا طریقہ

جب کوئی معاملہ کسی جماعت عقلاء کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو ان میں سے ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے کہ اپنی رائے آزادانہ، بلا رو رعایت اور بلا خوف لومۃ لا ئم ظاہر کرے۔ آزادی سے رائے نہ دینا ایک طرح کی خیانت ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ میری رائے کسی کی منشا کے خلاف ہونے کی صورت میں انگشت نمائی ہو سکتی ہے یا یہ کہ میری رائے کسی کا ضعف ظاہر ہونے میں لوگ مجھے حقیر اور میری رائے کو ناقابل اعتماد سمجھیں گے یا مجھ پر سے اعتماد اٹھ جائیگا یا میرے بارے میں عقلمند و تجربہ ہونے کا خیال دلوں سے جاتا رہے گا۔

کبھی اظہار رائے سے یہ امر بھی مانع ہوتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں چھوٹے بڑے طبقہ کے افراد جمع ہوتے ہیں مثلاً استاد شاگرد، پرانے نئے، پیر مرید، باپ بیٹا، علیٰ ہذا عقل و تجربہ و عمر وغیرہ کے اعتبار سے طبقات و مدارج کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص قابل اعتماد سمجھ کر اس مجلس کا امین بنایا گیا ہے تو اسکے ذمہ ضروری ہے کہ آداب مجلس و اہل مجلس کو ملحوظ رکھ کر پوری طرح اظہار رائے کر دے ورنہ وہ خائن و بددیانت سمجھا جائیگا۔

دوسروں کی رائے سننے کا طریقہ

جس طرح مشورہ میں اپنی رائے کا اظہار آزادی کے ساتھ ضروری ہے اسی طرح دوسروں کی رائے اور ان کے دلائل کو بغور سننا بھی ہر ساتھی کے ذمہ لازم ہے کیونکہ:

- اول تو یہ امر آداب مجلس میں داخل ہے کہ جب کوئی دوسرا کلام کرے تو یہ شخص ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات سنے۔
- دوسرے جب وہ اوروں کی رایوں کی طرف توجہ و التفات نہ کریگا تو اس کا اپنا عجب لوگوں پر ظاہر ہو گا۔ دوسرے بات کرنے والوں کا نشاط جاتا رہے گا جس سے وہ آزادی سے اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکیں گے اور نتیجتاً مشورہ ناقص ہو گا جس کا بوجھ اس شخص پر پڑے گا۔
- تیسرے یہ کہ ہر ساتھی کی رائے میں بہت سے فوائد ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کی بات توجہ سے سننے سے معاملہ کے منافع اور پوشیدہ پہلو بھی عیاں ہو جاتے ہیں اور رموز و دقائق بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

(دوم) اختلاف آراء کی صورت میں اہل مشورہ کا کیا فرض ہے؟

اگر مشورہ میں شرکاء مجلس کی رائے باہم مختلف ہو تو کسی ایک کو اپنی رائے پر اصرار کا حق نہیں ہے۔ ان کا فرض ہے کہ ہر ایک کی رائے کی دلیل و حجت کو توجہ سے سنیں اور اپنے دل میں غور کریں تاکہ کسی مفید رائے تک پہنچا جاسکے اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ اختلاف رائے سے کوئی صحیح نتیجہ نکال سکیں۔ اگر ایسا نہ ہو گا بلکہ اسکے برعکس ہر شخص اپنی ہی رائے کو قابل اعتماد اور حرف آخر سمجھے گا اور دوسروں کو حقیر جانے گا تو اس میں منازعت و مجادلت کی نوبت آئے گی اور انجام اس کا باہمی مخالفت، بغض و عداوت کے سوا کچھ نہ ہو گا اور یہ مجلس بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جائیگی۔

اختلاف رائے پسندیدہ ہے کیونکہ معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بغیر اختلاف رائے روشنی نہیں پڑتی مگر اسی وقت جبکہ ہر شخص اپنے خلاف رائے کو ٹھنڈے دل سے سنے اور غور کرے اور اگر اسکے نزدیک دوسری رائے صحیح ہے تو اسکو تسلیم کرنے میں خود اس کی کوئی اخلاقی کمزوری مانع نہ آئے اور غلط ہے تو تہذیب و متانت کے ساتھ اسکے ضعف اور غیر مفید ہونے کو ظاہر کرے۔

(سوم) اہل شوریٰ سے ایک ہی مجلس میں جمع کر کے مشورہ کرنا بہتر ہے یا ہر ایک سے جدا جدا رائے لے؟

در اصل ہر ایک صورت میں بعض منافع خاص ہیں اور بعض مضرتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

• جدا جدا رائے لینا

نفع:

- ✓ ہر شخص کو خوب سوچ سمجھ کر رائے قائم کرنے کا موقع ملتا ہے اور طبیعت کو یکسو کر کے معاملے کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر ڈال کر بات کی تہہ کو پہنچ سکتا ہے۔
- ✓ وہ بلا کسی قسم کی رعایت یا رعب مجلس بلحاظ اہل مجلس کے اپنی رائے بے تکلف ظاہر کر سکتا ہے۔

نقصان:

- ✓ اجتماعی طور پر مشورہ کرنے سے بحث و مباحثہ سے جتنے پہلو واضح ہو سکتے ہیں وہ اس صورت میں نہیں ہو سکتے۔
- ✓ مختلف آراء میں سے صحیح نتیجہ نکالنا صرف شخص واحد یعنی مستشیر ہی کا کام ہو گا جو تنہا ہر گز اس ذمہ داری کا متحمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔

• جمع کر کے مشورہ کرنا۔

نفع:

- ✓ اس صورت میں معاملے کے تمام پہلو واضح ہو جاتے ہیں، مضرو مفید جوانب کی خوب تنقیح ہو جاتی ہے۔
- ✓ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے مدد و نصرت شامل ہو جاتی ہے۔

نقصان:

- ✓ جب کئی احباب جمع ہوں تو ان میں سے بہت سے سوچ بچار کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے بلکہ بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔
- ✓ مجمع کی وجہ سے ہر شخص کی طبیعت میں یکسوئی نہیں رہتی اور خیالات پریشان و منتشر رہتے ہیں۔
- ✓ بسا اوقات آپس میں تحاسد، تفاخر، مشاجرہ، محاصمہ کا احتمال غالب رہتا ہے۔

✓ بعض افراد مجلس یا اہل مجلس کے رعب کی وجہ سے رائے زنی میں آزاد نہیں رہتے۔

دونوں صورتوں کا حاصل:

دونوں صورتوں کو منافع اور نقصانات کو سامنے رکھ کر ان کا خلاصہ اور فیصلہ حق و صواب درج ذیل حاصل ہوتا ہے:-

آراء کی تعین و تشخیص کی صورت میں انکے صحیح و غلط کو جاننے اور پرکھنے کیلئے اور آپس کی گفت و شنید کے ذریعے اور مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی مکمل آگہی کیلئے تو انعقاد مجلس شوریٰ بہتر اور ذریعہ فوز و فلاح ہے اور نفس تعین رائے اور تنفیج طریقہ حل معاملہ کیلئے خلوت میں غور و فکر ہونا نفع واولیٰ ہے

یعنی مشورے کی دونوں صورتیں ایک دوسرے کیلئے معین و معاون اور لازم و ملزوم ہیں، ایک حالت دوسری سے مستغنی کرنے والی نہیں ہے۔

فرد افراد رائے لینے کے مختلف طریقے

اس پر عمل کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں:-

- ہر ایک شخص سے تحریری رائے لے لی جائے اور مشورہ میں پیش کر دیا جائے۔
- ہر ایک سے زبانی رائے لے لی جائے اور مشورہ میں بیان کر دیا جائے۔
- ہر شخص مشورے میں خود ہی اپنی اپنی رائے بیان کر دے اور اس پر غور و فکر اور بحث کر لی جائے۔

مشورہ کو دہرانے اور بار بار کرنے کی ضرورت

انسان فطرتاً تدریجی ترقی کرتا ہے، کوئی کمال اسکو دفعتاً حاصل نہیں ہوتا۔ اسلئے مشورہ میں صحیح رائے تک پہنچنے تک بھی بتدریج ہوتا ہے۔ اسلئے جب تنہا کسی سے رائے لی گئی یا جماعت کے سامنے پیش ہو کر کوئی امر منقح کر لیا گیا تو عمل کرنے میں اتنی تاخیر کرنے کی گنجائش ہے جس سے اصل معاملہ کو نقصان نہ پہنچے، اہل الرائے کو آراء پر کامل غور کرنے کا موقع مل جائے اور وہ رائے پختہ ہو جائے۔ البتہ اس میں اس قدر تاخیر بھی سخت مہلک ہے کہ معاملات کا وقت ہی فوت ہو جائے اور تدبیر کا

وقت نکل جائے۔ [قَدْ اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ] (آل عمران: ۱۵۹) کیونکہ اول وہلہ رائے پر عمل کرنے میں تو نقصان کا صرف احتمال ہے اور اس صورت میں یقین ہے۔

مجلس میں بیٹھنے کے چند آداب

- (۱) جب اجلاس ہو رہا ہو اور کوئی گفتگو ہو رہی ہو تو سلام نہیں کرنا چاہئے، بعض ساتھی بیچ میں السلام علیکم کہہ کر لٹھ سامار دیتے ہیں، جس سے گفتگو کا سارا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور تمام مجمع پریشان ہو جاتا ہے۔
- (۲) ہمیشہ یاد رکھیں مطالعہ کرتے ہوئے آدمی کے پاس کبھی نہیں بیٹھنا چاہئے۔
- (۳) کام کی مشغولی کے وقت میں سلام اور چھینک کا جواب دینا واجب نہیں۔
- (۴) جس موقع پر سلام کرنے سے قلب مشوش ہو جائے، اس موقع پر سلام نہ کریں۔
- (۵) مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو تکلیف مت کہ اس سے دل بنتا ہے اور دل پر بوجھ معلوم ہوتا ہے بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہو کر بھی مت بیٹھیں۔
- (۶) جب جگہ میں وسعت ہو تو کسی کی طرف پشت کر کے نہ بیٹھنا چاہئے، جگہ نہ ہو تو مجبوری ہے۔ مسلمان کا احترام اتنا ہے کہ بجز امامت کی ضرورت کے اس کی طرف پشت نہیں کرنا چاہئے حتیٰ کہ جو اذکار نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں، ان میں بھی پشت نہیں کرنا چاہئے۔ گونا گویا کعبہ کی طرف پشت ہو جائے۔
- (۷) کسی کے پاس بیٹھنا ہو تو اس قدر مل کر نہ بیٹھیں کہ اس کا دل گھبرائے اور نہ اس قدر فاصلہ سے بیٹھیں کہ بات چیت کرنے میں تکلیف ہو۔
- (۸) مجلس یا کام کی جگہ میں کسی کی طرف پاؤں مت پھیلاؤ، اس لئے کہ یہ خلاف ادب ہے۔
- (۹) اجلاس وغیرہ میں بہتر تو یہ ہے کہ ہر ساتھی کی جگہ مخصوص ہو اور اسی جگہ پر بیٹھے لیکن اگر کوئی کسی وجہ سے تاخیر سے پہنچے اور مخصوص جگہ پر نہیں پہنچ سکے تو بیٹھنے والوں میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے۔ مجمع کو چیرتے اور کودتے پھلانگتے آگے جانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ایسا کرنے سے پہلے آنے والوں اور بیٹھنے والوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور ایسا کرنے والوں میں بھی اپنی بڑائی کا احساس اور غرور پیدا ہوتا ہے۔

(۱۰) مجلس میں پہلے سے موجود کسی بیٹھے ہوئے آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی کوشش کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ انتہائی بری عادت ہے۔ اس سے دوسروں کے دل میں نفرت اور کدورت بھی پیدا ہوتی ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے اور اہمیت جتانے کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

(۱۱) مجلس یا بیٹھنے کی جگہ میں اگر ساتھی گھیرا ڈالے بیٹھے ہوں تو ان کے بیچ میں نہ بیٹھیں، یہ سخت قسم کی بد تمیزی اور مسخرہ پن ہے۔ نبی اکرمؐ نے ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

(۱۲) اجلاس میں سے اگر کوئی اٹھ کر چلا جائے تو اس کی جگہ پر قبضہ نہ کریں، اس کی جگہ محفوظ رکھیں۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اب واپس نہیں آئیگا تو پھر بے تکلف اس جگہ بیٹھ سکتے ہیں۔ جس کا واپسی کا ارادہ ہے اس ساتھی کو بھی چاہئے کہ کوئی چیز رومال وغیرہ وہاں چھوڑ دے، جس سے معلوم ہو کہ اس کا واپسی کا ارادہ ہے۔

(۱۳) اگر اجلاس میں دو ساتھی ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے ہوں تو ان سے اجازت لئے بغیر ان کو الگ الگ نہ کریں کیونکہ آپس کی بے تکلفی یا محبت یا کسی اور مصلحت سے قریب بیٹھے ہوں گے اور ان کو الگ کرنے سے ان کے دل کو تکلیف ہوگی۔

(۱۴) مجلس میں دو شرکاء آپس میں چپکے چپکے باتیں نہ کریں۔ اس سے دوسروں کو یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے ہمیں اپنی راز کی باتوں میں شریک کرنے کے قابل نہ سمجھا اور یہ بدگمانی بھی ہوتی ہے کہ شاید ہمارے بارے میں کوئی بات کہہ رہے ہوں۔

(۱۵) اجلاس میں جو گفتگو ہو رہی ہو، اس میں حصہ لیں۔ اجلاس میں بیٹھ کر اس کی گفتگو میں شریک نہ ہونا اور ماتھے پر شکنیں ڈالے بیٹھے رہنا، غرور کی علامت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جس گفتگو میں مصروف ہوتے نبیؐ بھی اس گفتگو میں شریک رہتے۔ اسی طرح مجلس میں غمگین اور مضطرب ہو کر نہ بیٹھیں، مسکراتے چہرے کے ساتھ ہشاش بشاش ہو کر بیٹھیں۔ ساتھیوں میں ملے جلے رہیں اس لئے کہ مؤمن کی تطہیب قلب عبادت ہے اور اس میں اپنی اور ساتھیوں کی تطہیب قلب ہے۔ لیکن شرع کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

(۱۶) جمائی کو حتی الامکان روکیں، اگر نہ رکے تو منہ ڈھانک لینا چاہئے۔

(۱۷) جو کچھ کہنا ہو تو مجلس کے ذمہ دار سے اجازت لے کر کہیں اور گفتگو یا سوال و جواب میں ایسا انداز اختیار نہ کریں کہ آپ ہی مجلس کے ذمہ دار معلوم ہونے لگیں یہ خود نمائی اور بے ادبی ہے۔

(۱۸) ایک وقت میں ایک ہی ساتھی کو بولنا چاہئے اور باقیوں کو اس کی بات غور سے سننا چاہئے۔ اپنی بات کہنے کے لئے ایسی بے تابی نہیں ہونی چاہئے کہ سب بیک وقت بولنے لگیں اور اجلاس میں ہڑبونگ ہونے لگے۔

(۱۹) اجلاس میں جو باتیں راز کی ہوں ان کو جگہ جگہ بیان نہ کرنا چاہئے۔ مجلس کا یہ حق ہے کہ اس کے رازوں کی حفاظت کی جائے۔

(۲۰) اجلاس میں جس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہو، جب تک اس کے بارے میں کچھ طے نہ ہو جائے دوسرا موضوع نہ چھیڑیں اور نہ دوسرے کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کریں اگر کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ آپ کے لئے فوراً بولنا ضروری ہو تو بولنے والے سے پہلے اجازت لے لیں۔

(۲۱) مجلس کے اختتام پر مسنون دعا پڑھی جائے:

[سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ]

(الصف: ۱۸۳، ۱۸۱، ۱۸۰)

ترجمہ: "اللہ پاک ہے اور اس کیلئے سب تعریف ہے، اے اللہ! میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں تیری ہی تعریف کے ساتھ، میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی نہیں میں تجھی سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(حسن حصین ص ۲۷۷)

ساتھیوں سے گفتگو کرنے کے آداب

(۱) ہمیشہ سچ بولنا چاہئے، سچ بولنے میں کبھی جھجک محسوس نہ کی جائے، چاہے بظاہر کیسا ہی عظیم نقصان ہو۔ کیونکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے: (الصدق ینجی والکذب یرہک) "سچ نجات دلاتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔"

(۲) ضرورت کے وقت بات کی جائے اور جب بھی بات کریں تو کام کی بات کریں، ہر وقت بولنا اور بے ضرورت باتیں کرنا وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے اور یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر بات کا جواب دینا ہے۔ آدمی جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اللہ کا فرشتہ اسے فوراً نوٹ کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ} (ق: ۱۸)

"کوئی بات اس کی زبان پر آتی ہی ہے کہ ایک نگراں (اس کو محفوظ کرنے کے لئے) مستعد رہتا ہے"

(۳) جب بات کریں تو نرمی کے ساتھ کریں، مسکراتے ہوئے میٹھے لہجے میں کریں ہمیشہ درمیانی آواز میں بولا جائے نہ اتنا آہستہ بولا جائے کہ مخاطب سن ہی نہ سکے اور نہ اتنا چیخ کر بات کی جائے کہ مخاطب پر رعب جمائے کا خطرہ ہونے لگے۔ قرآن شریف میں ہے:

{وَاعْصِصْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ} (لقمان: ۱۹)

"اپنی آواز آہستہ کرو سب سے زیادہ کریہہ اور ناگوار آواز گدھے کی آواز ہے۔"

(۴) کبھی کسی بری بات سے زبان گندی نہ کی جائے، دوسروں کی برائی نہ سے بچنا چاہئے، چغلی نہ کھائیں، شکایتیں نہ کریں، دوسروں کی نقلیں نہ اتاریں، جھوٹا وعدہ نہ کریں۔ کسی کی ہنسی نہ اڑائیں۔ اپنی بڑائی نہ جتائیں، اپنی تعریف نہ کریں، کٹ جتنی نہ کریں، منہ دیکھی بات بھی نہ کریں، فقرے نہ کہیں، کسی پر طنز نہ کریں، کسی کو ذلت کے نام سے نہ پکاریں، بات بات پر قسم نہ کھائیں۔

(۵) ہمیشہ انصاف کی بات کی جانی چاہئے، چاہے اس میں اپنا یا اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ} (الانعام: ۱۵۲)

ترجمہ: "اور جب زبان سے کچھ کہو تو انصاف کی بات کہو چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہو"

(۶) ساتھیوں سے نرمی، معقولیت اور دل جوئی کی بات کی جائے، کھری، بے لوج اور تکلیف دہ بات سے بچا جائے۔

- (۷) اگر کوئی ساتھی جاہلانہ باتوں میں الجھنا چاہے تو مناسب انداز میں سلام کر کے وہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے۔ فضول باتیں کرنے والے اور بکواس میں مبتلا رہنے والے لوگ امت کے بدترین لوگ ہیں۔
- (۸) کبھی خوشامد اور چالپوسی کی باتیں نہیں کرنی چاہئے۔ اپنی عزت کا ہمیشہ خیال رکھا جائے اور کبھی اپنے مرتبے سے گری ہوئی بات نہ کی جائے۔
- (۹) دوسا ساتھی بات کر رہے ہوں تو اجازت لئے بغیر دخل دینا مناسب نہیں اور کسی کی کبھی بات کاٹ کر بولنے کی کوشش کرنا بھی مناسب نہیں، بولنا ضروری ہی ہو تو اجازت لے کر بولا جائے۔
- (۱۰) ٹھہر ٹھہر کر سلیقہ اور وقار کے ساتھ گفتگو کرنی چاہئے، جلدی اور تیزی نہ کی جائے، نہ ہر وقت ہنسی مذاق کیا جائے، اس سے آدمی کی وقعت جاتی رہتی ہے اور ساتھیوں میں بغض پیدا ہوتا ہے۔
- (۱۱) کوئی کچھ پوچھے تو پہلے غور سے اس کا سوال سن لینا چاہئے اور خوب سوچ کر جواب دینا چاہئے، بغیر سوچے سمجھے فوراً جواب دینا بڑی نادانی ہے۔ اگر کوئی دوسرے سے سوال کر رہا ہو تو خود بڑھ بڑھ کر جواب دینا بھی مناسب نہیں ہوتا۔
- (۱۲) کوئی ساتھی کچھ بتا رہا ہو تو پہلے ہی یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ہمیں معلوم ہے، ہو سکتا ہے اس کے بتانے سے کوئی نئی بات سمجھ میں آجائے یا کسی خاص بات کا دل پر کوئی خاص اثر ہو جائے۔ اس لئے کہ بات کے ساتھ ساتھ بات کرنے والے کا اخلاص اور نیکی بھی اثر کرتی ہے۔
- (۱۳) جس سے بھی بات کریں تو اس کی عمر، مرتبہ، اور اس سے اپنے تعلق کا لحاظ رکھتے ہوئے بات کریں۔ چھوٹوں سے گفتگو کریں تو اپنے مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے شفقت اور بڑے پن کی گفتگو کریں۔
- (۱۴) گفتگو کرتے وقت کسی کی طرف اشارہ نہ کریں کہ دوسرے کو بدگمانی ہو اور خواہ مخواہ اس کے دل میں شک بیٹھے۔ دوسروں کی باتیں چھپ کر سننے سے بھی پرہیز کرنا مناسب ہوتا ہے۔
- (۱۵) دوسروں کی زیادہ سنیں اور خود کم سے کم بات کریں اور جو بات راز کی ہو، وہ کسی سے بھی بیان نہ کی جائے، اپنا راز دوسرے کو بتا کر اس سے حفاظت کی امید رکھنا سراسر نادانی ہے۔

(۱۶) اگر اپنا کہنا بیان کرنا ہو تو یوں کہیں کہ میں نے عرض کیا تھا اور بڑے کا کہنا بیان کرنا ہو تو یوں کہیں آپ نے فرمایا تھا۔

(۱۷) سوال کے جواب میں تاخیر نہ کریں، جلدی سے جو دل میں ہو کہہ دیں لیکن اس پورے اطمینان کے بعد کہ آپ کا جواب کسی بے تکی یا فضول بات پر مبنی نہیں اور جواب دینے میں باتیں نہ بنائیں۔

(۱۸) سوال و جواب میں مطابقت ہونا چاہئے نہ جواب بڑھے نہ جواب میں سوال کے الفاظ آویں۔ بجز ان الفاظ کے جن سے وضاحت ضروری ہے۔

(مشورہ کے بارے میں مندرجہ بالا مضمون ان کتابوں سے لیا گیا ہے: ۱۔ معارف القرآن، ۲۔ اسلام میں مشورہ کی اہمیت، ۳۔ شوریٰ کی شرعی حیثیت)

چوتھی فصل: فیصلہ سازی

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے ہمیں ایک کاروبار یا تجارتی ادارے کو چلانے کیلئے مشورہ کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوا نیز مشورہ دینے اور لینے کے آداب و اصول سامنے آئے۔ کسی بھی مجلس مشورہ میں خواہ وہ دینی امور کے بارے میں منعقد ہوئی ہو یا تجارت و کاروبار جیسے امور کے متعلق ہو، مجلس مشورہ کے ذمہ دار کیلئے اس وقت فیصلہ کرنا بہت آسان ہوتا ہے جب تمام شرکاء مشورہ کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں یعنی جس رائے پر سب متفق ہو جائیں مشورہ کا امید یا ذمہ دار اسی رائے کو حتمی فیصلہ قرار دے دے اور پھر تمام متعلقہ افراد اس فیصلہ کی تنفیذ کیلئے سرگرم ہو جائیں، اہل مشورہ کے اس اتفاق رائے کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہر فرد اسے اپنی رائے سمجھتے ہوئے تنفیذ میں پوری تن دہی اور دل جمعی کے ساتھ لگے گا، تمام شرکاء مشورہ کے جوڑ کا باعث ہو گا، لہذا افضل اور اعلیٰ درجہ تو یہی ہے کہ تمام مشورہ بھی متفقہ رائے سے کوئی حتمی فیصلہ وجود میں آئے، لیکن مشورہ میں آراء کا اختلاف کوئی ایسی بعید چیز بھی نہیں، تجربہ، طبائع، مزاج اور سوچ کے مختلف ہونے کی وجہ سے آراء میں اختلاف ہو ہی جایا کرتا ہے، ایسے مواقع پر کسی رائے کو قبول کرنے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے میں دو چیزیں بنیاد بن سکتی ہیں۔

(۱) قوت دلیل (۲) کثرت رائے

قوت دلیل سے مراد یہ ہے کہ شرکاء مشورہ میں سے بعض کی رائے دلائل کے اعتبار سے وزنی معلوم ہوتی ہو اور کثرت رائے کی صورت یہ ہوگی کہ شرکاء مشورہ میں اکثریت ایک رائے رکھتی ہو، اگرچہ ایسے مواقع پر مجلس مشورہ کا ذمہ دار دونوں صورتوں میں سے کسی ایک جانب کو بھی ترجیح دے کر اس کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، مثلاً یہ کہ کسی ایک ساتھی کی رائے دوسرے شرکاء کی رائے سے مختلف ہے، لیکن زیر غور مسئلہ میں دلائل کے اعتبار سے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے، تو مشورہ کا ذمہ دار اکثریت کی رائے کو چھوڑ کر اس ایک رائے کے موافق فیصلہ صادر کر دے، یا یہ کہ اکثریت کی رائے کو قبول کرتے ہوئے فیصلہ صادر کرے، لیکن بہر صورت مشورہ کے ذمہ دار کو چاہئے کہ جن قلیل یا کثیر شرکاء مشورہ کی رائے کے خلاف فیصلہ کیا جا رہا ہے ان کی خاطر و مدارات اور دل جوئی کی کوشش بھی ضرور کرے، تاکہ اختلاف رائے اختلاف ذات تک نہ پہنچا دے، اس بارے میں تیسری صورت بھی قابل عمل ہو سکتی ہے، بلکہ پہلی دونوں صورتوں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ شرکاء مشورہ کی مختلف آراء کے سامنے آنے کے بعد مجلس مشورہ کا ذمہ دار جس رائے کے مطابق عمل کرنے کو مناسب خیال کرتا ہے، باقی شرکاء مشورہ کے سامنے اس کی افادیت اور منافع بخش پہلو بیان کرے اور ترغیب کا انداز اختیار

کرتے ہوئے سب کو ایک رائے پر جمع کرنے کی کوشش کرے، بلکہ اگر معاملہ خاص اہمیت کا حامل ہے تو شرکاء مشورہ کو مزید غور و خوض کرنے کا موقع دے کر معاملہ کو اگلی مجلس کے لئے مؤخر بھی کیا جاسکتا ہے، عموماً دیکھا گیا ہے کہ اس ترتیب کو اختیار کرنے پر اہل مشورہ ایک رائے پر متفق ہو جاتے ہیں اور ذمہ دار کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طرز عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، مثلاً خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنے اور مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کے وقت دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ہم رائے بنانا۔

پانچویں فصل: استخارہ

درپیش امور کی فیصلہ سازی میں رہنمائی اور خیر و برکت کے حصول کے لئے نبوی تعلیمات سے مشورہ کے ساتھ استخارہ کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے، اور استخارہ اور مشورہ میں کوئی تضاد یا منافات نہیں ہے، عام طور پر اجتماعی امور میں فیصلہ سازی کے لئے مشورہ ہی متعین صورت ہے، البتہ انفرادی نوعیت کے امور میں مشورہ اور استخارہ دونوں ہی قابل عمل ہیں، لیکن مشورہ کو استخارہ پر فوقیت حاصل ہے، جہاں مشورہ نہ ہو سکے وہاں استخارہ کر لیا جائے، بسا اوقات مشیر بھی مستشیر کو استخارہ کرنے کی رائے دے سکتا ہے۔

فیصلہ سازی میں استخارہ سے مدد

استخارہ کا مطلب ہے کسی معاملے میں خیر اور بھلائی کا طلب کرنا، یعنی روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے اپنے ہر جائز کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اللہ سے اس کام میں خیر، بھلائی اور رہنمائی طلب کرنا، استخارہ کے عمل کو یہ سمجھنا کہ اس سے کوئی خبر مل جاتی ہے تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جس کی وجہ سے کئی غلط فہمیوں نے جنم لیا جن کا تفصیل سے تذکرہ آگے آ رہا ہے، استخارہ ایک مسنون عمل ہے، جس کا طریقہ اور دعائیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں منقول ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر کام سے پہلے اہمیت کے ساتھ استخارے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

استخارہ حدیث نبوی کی روشنی میں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام کاموں میں استخارہ اتنی اہمیت سے سکھاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

(ترمذی)

استخارہ نہ کرنا محرومی اور بد نصیبی ہے

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ سے استخارہ کا چھوڑ دینا اور نہ کرنا انسان کے لیے بد بختی اور بد نصیبی میں شمار ہوتا ہے۔

(مجمع الاسانید)

انسان کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے اور بد نصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے، اور انسان کی خوش نصیبی اس میں ہے کہ اس کے بارے میں کیے گئے اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہے اور بد بختی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کرے۔

(مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے استخارہ کیا وہ ناکام و نامراد نہ ہو گا اور جس نے مشورہ کیا اسے نادم نہ ہونا پڑے گا۔

(طبرانی)

یعنی جو آدمی اپنے معاملات میں استخارہ کرتا ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہو گا اور جو شخص اپنے کاموں میں مشورہ کرتا ہو اس کو کبھی شرمندگی یا پچھتاوے کا سامنا نہ کرنا پڑے گا کہ میں نے یہ کام کیوں کیا؟ یا میں نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اس لیے کہ جو کام کیا وہ مشورہ کے بعد کیا اور اگر نہیں کیا تو مشورہ کے بعد نہیں کیا، اس وجہ سے وہ شرمندہ نہیں ہو گا۔

اس حدیث میں جو یہ فرمایا کہ استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہو گا، مطلب اس کا یہ کہ انجام کے اعتبار سے استخارہ کرنے والے کو ضرور کامیابی ہوگی، چاہے کسی موقع پر اس کے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ جو کام ہو وہ اچھا نہیں ہوا، لیکن اس خیال کے آنے کے باوجود کامیابی اسی شخص کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا رہے، اسی طرح جو شخص مشورہ کر کے کام کرے گا وہ کبھی پچھتائے گا نہیں، اس لیے کہ خدا نخواستہ اگر وہ کام خراب بھی ہو گیا تو اس کے دل میں اس بات کی تسلی ہوگی کہ میں نے یہ کام اپنی خود رائی اور اپنے بل بوتے پر نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دوستوں اور بڑوں سے مشورہ کے بعد کیا تھا، اب آگے اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے کہ وہ جیسا چاہیں فیصلہ فرمادیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کا مشورہ دیا ہے کہ جب بھی کسی کام میں کشمکش ہو تو دو کام کر لیا کرو، ایک استخارہ اور دوسرے استشارة یعنی مشورہ۔

استخارہ کا مقصد

"استخارۃ مسنونہ کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ذمے جو کام تھا وہ اس نے کر لیا اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کے حوالہ کر دیا، گویا استخارہ کرنے سے بندہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا، ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان کسی تجربہ کار عاقل اور شریف شخص سے مشورہ کرنے جاتا ہے تو وہ شخص صحیح مشورہ ہی دیتا ہے اور اپنی مقدر کے مطابق اس کی اعانت بھی کرتا ہے، گویا استخارہ کیا ہے؟ حق تعالیٰ سے مشورہ لینا ہے، اپنی درخواست استخارہ کی شکل میں پیش کر دی، حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم و کریم ہے؟ اس کا کرم بے نظیر ہے، علم کامل ہے اور قدرت بے عدیل ہے، اب جو صورت انسان کے حق میں مفید

ہوگی، حق تعالیٰ اس کی توفیق دے گا، اس کی رہنمائی فرمائے گا، پھر نہ سوچنے کی ضرورت، نہ خواب میں نظر آنے کی حاجت، جو اس کے حق میں خیر ہو گا وہی ہو گا، چاہے اس کے علم میں اس کی بھلائی آئے یا نہ آئے، اطمینان و سکون فی الحال حاصل ہو یا نہ ہو، ہو گا وہی جو خیر ہو گا، یہ ہے استخارہ مسنونہ کا مطلوب! اسی لئے تمام امت کے لئے تاقیامت یہ دستور العمل چھوڑا گیا ہے۔"

(دور حاضر کے فتنے اور ان کا علاج)

استخارہ کا مسنون اور صحیح طریقہ

سنت کے مطابق استخارہ کا سیدھا سادہ اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں کسی بھی وقت (بشرطیکہ وہ نفل کی ادائیگی کا مکروہ وقت نہ ہو) دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھیں، نیت یہ کرے کہ میرے سامنے یہ معاملہ یا مسئلہ ہے، اس میں جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو، اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمادیں۔

سلام پھیر کر نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہیں، یہ بڑی عجیب دعا ہے، اللہ جل شانہ کے نبی ہی یہ دعائیں دے سکتے ہیں اور کسی کے بس کی بات نہیں، کوئی گوشہ زندگی کا اس دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا نہیں، اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگالیتا تو بھی ایسی دعا کہی نہ کر سکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اگر کسی کو دعایا نہ ہو تو کوئی بات نہیں کتاب سے دیکھ کر یہ دعائیں لے، اگر عربی میں دعائیں گننے میں دقت ہو رہی ہو تو ساتھ ساتھ اردو میں بھی یہ دعائیں لے، بس! دعا کے جتنے الفاظ ہیں، وہی اس سے مطلوب و مقصود ہیں، وہ الفاظ یہ ہیں:

استخارہ کی مسنون دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخْرِیْكَ بِعِلْمِكَ ، وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ ، وَ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ ، فَانِّکَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ ، وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ ، وَ اَنْتَ عَلَیْهِ الْغُیُوبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هَذَا الْاَمْرُ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَ عَاجِلِیْ وَ اَجَلِیْ ، فَاقْدِرْ لِّیْ ، وَ یَسِّرْ لِّیْ ، ثُمَّ بَارِكْ لِّیْ فِیْهِ وَ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هَذَا الْاَمْرُ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَ عَاجِلِیْ وَ اَجَلِیْ ، فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْهُ ، وَ اقْدِرْ لِّیْ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ □ (بخاری، ترمذی)

[Comment [Z17]: یہاں ترجمہ حسن

حصین سے لینا ہے۔

دعا کرتے وقت جب ”ہذا الامر“ پر پہنچے (جس کے نیچے لکیر بنی ہے) تو اگر عربی جانتا ہے تو اس جگہ اپنی حاجت کا تذکرہ کرے یعنی ”ہذا الامر“ کی جگہ اپنے کام کا نام لے، مثلاً ”ہذا السفر“ یا ”ہذه التجارة“ یا ”هذا البیع“ کہے، اور اگر عربی نہیں جانتا تو ”ہذا الامر“ ہی کہہ کر دل میں اپنے اس کام کے بارے میں سوچے اور دھیان دے جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے۔

استخارہ کی دعا کا مطلب و مفہوم

اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر اور بھلائی طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں، آپ غیب کو جاننے والے ہیں۔

اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں میں علم نہیں رکھتا، یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں، اس کا علم آپ کو ہے، مجھے نہیں، اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور مجھ میں قوت نہیں۔

یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائیں جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے، میرے دین کے لیے بھی بہتر ہے، میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور میرے فوری نفع کے اعتبار سے اور دیر پا فائدے کے اعتبار سے بھی تو اس کو میرے لیے مقدر فرما دیجیے اور اس کو میرے لیے آسان فرما دیجیے اور اس میں میرے لیے برکت پیدا فرما دیجیے۔

اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائیں جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں برا ہے، میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے، فوری نفع اور دیر پا نفع کے اعتبار سے بھی بہتر نہیں ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجیے اور مجھے اس سے پھیر دیجیے اور میرے لیے خیر مقدر فرما دیجیے جہاں بھی ہو، یعنی اگر یہ معاملہ میرے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیجیے اور اس کے بدلے جو کام میرے لیے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجیے، پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجیے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجیے۔

استخارہ کتنی بار کیا جائے؟

حضرت انس ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سات مرتبہ استخارہ کرو، پھر اس کے بعد (اس کا نتیجہ) دیکھو، تمہارے دل میں جو کچھ ڈالا جائے، یعنی استخارے کے نتیجے میں بارگاہ حق کی جانب سے جو چیز القاء کی جائے اسی کو اختیار کرو کہ تمہارے لیے وہی بہتر ہے۔

(مظاہر حق)

بہتر یہ ہے کہ استخارہ تین سے سات دن تک پابندی کے ساتھ متواتر کیا جائے، اگر اس کے بعد بھی تذبذب اور شک باقی رہے تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے، جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے کوئی عملی اقدام نہ کرے، اس موقع

پراگتی بات سمجھنی ضروری ہے کہ استخارہ کرنے کے لیے کوئی مدت متعین نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ایک ماہ تک استخارہ کیا تھا تو ایک ماہ بعد آپ کو شرح صدر ہو گیا تھا اگر شرح صدر نہ ہوتا تو آپ آگے بھی استخارہ جاری رکھتے۔

(رحمة الله الواسعة)

"دعائے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرتا رہے، استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی اور یہ مشورہ کرنا نہیں ہے، کیونکہ مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے، استخارہ سنت عمل ہے، اس کی دعا مشہور ہے، اس کے پڑھ لینے سے سات روز کے اندر اندر قلب میں ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خواب میں کچھ نظر آنا، یا یہ قلبی رجحان حجت شرعیہ نہیں ہیں کہ ضرور ایسا کرنا ہی پڑے گا، بعض لوگوں نے عملیات مقرر کر لیے ہیں دائیں طرف یا بائیں طرف گردن پھیرنا یہ سب غلط ہیں، ہاں دوسروں سے کر لینا گناہ تو نہیں لیکن اس دعا کے الفاظ ہی ایسے ہیں کہ خود کرنا چاہیے۔"

استخارہ کا نتیجہ اور مقبول ہونے کی علامت

استخارہ سے کس طرح رہنمائی ملے گی؟

استخارہ کا صرف اتنا اثر ہوتا ہے کہ جس کام میں تردد اور شک ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں؟ یا یہ کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ تو استخارے کے مسنون عمل سے دو فائدے ہوتے ہیں:

دل کا کسی ایک بات پر مطمئن ہو جانا۔ ۲- اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا۔ تاہم اس میں خواب آنا ضروری نہیں۔

استخارہ میں صرف یکسوئی کا حاصل ہونا استخارہ کے مقبول ہونے کی دلیل ہے، اس کے بعد اس کے مقتضی پر عمل کرے، اگر کئی مرتبہ استخارہ کے بعد بھی یکسوئی اور کسی ایک جانب اطمینان نہ ہو تو استخارہ کے ساتھ ساتھ استشارہ بھی کرے یعنی اس کام میں کسی سے مشورہ بھی لے لیکن استخارہ میں ضروری نہیں کہ یکسوئی ہو اہی کرے۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کر لے، اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے، لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد حاصل ہو گیا، اس لیے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے معلوم بھی نہیں ہوتا، بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرمادیتے ہیں کہ پھر

وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لیے خیر ہوتی ہے، اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو پتہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیتے ہیں۔

بس استخارہ کی حقیقت اتنی سی ہے کہ دور کعت نفل پڑھ کر دعا مانگ لی، پھر آگے جو ہو گا اسی میں خیر ہے، کام ہو گیا تو خیر! نہیں ہوا تو خیر! دل جس طرف متوجہ ہو جائے اور جس کے اسباب پیدا ہو رہے ہوں یقین کر لیں کہ یہی میرے لیے بہتر ہے اور اگر دل کی توجہ ہٹ گئی یا اسباب پیدا نہیں ہوئے یا اسباب موجود تھے مگر استخارہ کے بعد ختم ہو گئے، کام نہیں ہو سکا تو اطمینان رکھے، اللہ پر یقین رکھے کہ اس میں میری بہتری ہوگی، اپنی طبیعت بہت چاہتی ہے مگر اللہ تعالیٰ میرے نفع و نقصان کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، اس طرح سوچنے سے ان شاء اللہ اطمینان ہو جائے گا، اگر دل کا رجحان کسی جانب نہ ہو تو صرف اسباب کے پیش نظر جو فیصلہ بھی کر لے گا اس میں خیر ہوگی، خدا نخواستہ اگر استخارہ کے بعد کوئی نقصان بھی ہو جائے تو یہ عقیدہ رکھے کہ استخارہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے چھوٹے نقصان کے ذریعے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، استخارہ کی دعا میں دین کا ذکر پہلے ہے اور دنیا کا بعد میں، اس لیے کہ مسلمان کا اصل مقصد دین ہے، دنیا تو دور حقیقت دین کے تابع ہے۔

وقت کی کمی اور فوری فیصلے کی صورت میں استخارے کا ایک اور مسنون طریقہ

بسا اوقات انسان کو اتنی جلدی اور فوری فیصلہ کرنا پڑتا ہے، دور کعت پڑھ کر دعا کرنے کا موقع ہی نہیں ہوتا، اس لیے کہ اچانک کوئی کام سامنے آگیا اور فوراً اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہے، اتنا وقت ہے نہیں کہ دور کعت نفل پڑھ کر استخارہ کیا جائے تو ایسے موقع کے لیے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دعائیں تلقین فرمائی ہیں:

۱. اَللّٰهُمَّ حِزْلِيْ وَ اَخْتَرْلِيْ (کنز العمال)

ترجمہ: "اے اللہ! میرے لیے آپ پسند فرما دیجیے کہ مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔"

۲. اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَ سَدِّدْنِيْ (صحیح مسلم)

ترجمہ: "اے اللہ! میری صحیح ہدایت فرمایا اور مجھے سیدھے راستے پر رکھیے۔"

۳. اَللّٰهُمَّ اَلْهَمْنِيْ رُشْدِيْ (ترمذی)

ترجمہ: "اے اللہ! جو صحیح راستہ ہے وہ میرے دل پر القا فرما دیجیے۔"

ان دعاؤں میں سے جو دعا یاد آجائے اس کو اسی وقت پڑھ لے، اور اگر عربی میں دعا یاد نہ آئے تو اردو ہی میں دعا کر لی جائے کہ اے اللہ! مجھے یہ کشمکش پیش آئی ہے، آپ مجھے صحیح راستہ دکھا دیجیے، اگر زبان سے نہ کہہ سکیں تو دل ہی دل میں اللہ

تعالیٰ سے کہہ دیجئے کہ یا اللہ! یہ مشکل اور یہ پریشانی پیش آگئی ہے، آپ صحیح راستے پر ڈال دیجیے جو راستہ آپ کی رضا کے مطابق ہو اور جس میں میرے لیے خیر ہو۔

باب نمبر چودہ اسلامی تنظیم سازی

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- ◀ پہلی فصل: جماعت بنانا:-
- ◀ دوسری فصل: ذمہ دار مقرر کرنے سے متعلق اصول:-
- ◀ تیسری فصل: شعبوں کی تقسیم:-
- ◀ چوتھی فصل: ذمہ داریوں کا تعین اور آگے منتقلی:-
- ◀ پانچویں فصل: شعبوں کے درمیان ہم آہنگی و اجتماعیت:-
- ◀ چھٹی فصل: افرادی قوت کا حصول، تربیت، معاوضہ، حقوق اور ذمہ داریاں:-

پہلی فصل: جماعت بنانا

عام طور پر کسب معاش کے جتنے طریقے رواج پذیر ہیں خواہ وہ تجارت و زراعت ہو یا صنعت و حرفت اکثر میں ایک سے زیادہ افراد کام کرتے ہیں، اگرچہ وہ واحد ملکیتی کاروبار ہوں یا کثیر الملکیتی، کہیں باپ کے ساتھ بیٹے اس کی معاونت کرتے ہیں، کہیں تین چار بھائی و افراد خانہ یا رشتہ دار مل کر کام کر رہے ہوتے ہیں، کہیں مالک اور اس کے چند ایک ملازم مل کر کام کر رہے ہوتے ہیں، یہ سب افراد اگر جماعت کی شکل میں مل جل کر کام کریں تو اللہ کی نصرت بھی زیادہ ہوگی اور کام میں آسانیاں بھی زیادہ ہوں گی، کیونکہ سب کی استعداد مختلف ہوتی ہیں، اس صورت میں وہ سب مل کر اجتماعی کام کے فائدے کیلئے استعمال ہو جاتی ہیں۔ لہذا کاروباری ادارے کو چلانے کیلئے ایسے ساتھیوں پر مشتمل جماعت بنائی جائے جو ایک سوچ و فکر اور جذبہ کی حامل ہو کر آپس میں تعاون کے جذبات کے ساتھ اس کاروبار کے متعلقہ اہداف کو حال کرنے کی جدوجہد کریں اس جماعت میں ایک ذمہ دار بھی ہو جو موقع بہ موقع ساتھیوں کو ترغیب دے کر ان سے کام لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس جماعت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً ایک کاروبار میں کچھ افراد شریک ہیں تو ان کی ایک جماعت ہے جو باہم مشورہ کر کے نظام چلائے۔ کسی کاروباری ادارے کا مالک اپنے ملازمین کے ساتھ یا کسی ادارے کا منتظم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک جماعت ہے جو ان

کے مشورے سے امور کو چلائے اور اگر ایک آدمی اکیلا ہی کاروبار کر رہا ہے تو وہ بھی ایسے چند مخلص احباب یا مخلص فرد کے ساتھ مل کر اپنے کاروباری امور کا مشورہ کر لیا کرے یہ بھی ایک جماعت ہوگی۔

کسی ادارے یا شعبہ کو چلانے کے لئے اس میں کام کرنے والے ساتھیوں میں آپس کا جوڑ، محبت، خلوص، ایک دوسرے کا احترام اور ہم آہنگی وغیرہ، ایسے اسباب ہیں، کہ ان کے ذریعے ادارے اور جماعت کی کارکردگی بہت بڑھ جاتی ہے اور اللہ کی مدد نصرت شامل حال ہو کر تھوڑے سے وسائل اور عرصہ میں زیادہ نتائج حاصل کر لیتی ہے۔

کچھ افراد کے مل کر ادارے کو چلانے کی صورت میں ایک دوسرے کی معاونت ہوتی رہتی ہے، بیماری، سفر اور دیگر مصروفیات کے وقت میں ایک فرد دوسرے کی ذمہ داری کو سنبھال لیتا ہے جبکہ اکیلا کاروبار کرنے کی صورت میں یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

جب کچھ افراد ایک ادارہ مل کر چلا رہے ہوں تو باہم مشورے سے ادارہ کو آگے بڑھانے کی بہتر سے بہتر شکلیں سامنے آتی رہتی ہیں۔

اکیلے کاروبار کرنا

اگر کاروبار چلانے کے لیے مختلف عواض کی بنا پر کاروبار چلانے والی جماعت نہ بنائی جاسکے تو ایک فرد بھی اپنا کاروبار چلا سکتا ہے اور روزمرہ زندگی میں ایسی بہت سی کاروباری شکلیں ملتی ہیں جیسے چھابڑی والا ریڑھی لگانے والا، چھوٹی دوکان یا کھوکھے میں کاروبار چلانے والا۔

مختلف افراد کے مکرر کام کرنے کے برعکس اکیلے کاروبار کرنے میں بھی چند فوائد ہیں مثلاً یہ کہ اکیلا فرد اپنے فیصلوں میں دوسروں کا محتاج نہیں۔ اخراجات میں کمی ہوتی ہے۔ کاروبار کا کل نفع اکیلے مالک کی ملکیت میں آجاتا ہے وغیرہ

تجارت میں جماعت کی صورتیں

تجارت میں کام کرنے کے لحاظ سے جماعت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں مثلاً:

- شرکت میں کاروبار کرنے والے تمام شرکاء ایک جماعت ہے۔

- اسی طرح ایک شخص اپنے بیٹوں یا بھائیوں کے ساتھ مل کر تجارت کرے وہ بھی ایک جماعت ہے۔
- مجلس مدیران (بورڈ آف ڈائریکٹرز) وغیرہ بھی ایک جماعت ہے۔
- کوئی شخص ذاتی کاروبار اپنے ملازمین کے ساتھ مل کرے تو وہ سب بھی ایک جماعت ہیں۔
- اسی طرح بڑے اداروں کے مرکزی و ذیلی شعبوں میں کام کرنے والے ساتھی بھی ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔
- اسی طرح اکیلا کاروبار کرنے والا مثلاً ریڑھی بان کوچوان یا اکیلا دکان دار وغیرہ یہ سب اپنے مخلصین دوست، احباب، اعزہ و اقارب، اہل خانہ کے مشورہ سے کاروبار کر کے جماعت کی برکت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اسلام نے ان سب کو جماعت کی شکل میں کام کرنے کے بہت ہی عظیم طریقے تعلیم کئے ہیں۔

جماعت کی ہیئت ترکیبی

جیسے نماز میں ایک امام اور باقی مقتدی ہوتے ہیں ایسے ہی جماعت میں ایک امیر و ذمہ دار کا ہونا ضروری ہے، البتہ ساتھیوں کے علم تجربہ اور فنی مہارت کے لحاظ سے ان کے درجوں میں آپس میں تفاوت ہو سکتا ہے۔

دوسری فصل: ذمہ دار مقرر کرنے سے متعلق اصول

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر مقرر کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے معاملات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک ایک ایسا امیر موجود نہ ہو جس کے حکم کی سب اطاعت کریں اور سب اس کی رہنمائی پر عمل کریں، اسی لئے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم تین ہو تب بھی ان میں سے ایک کو امیر بنالو۔

(مصنف عبد الرزاق جلد ۸ ص ۵۸ نیل الاوطار شوکانی جلد ۸ ص ۲۶۵)

کسی تجارتی ادارے کا ذمہ دار مقرر کرنا ہو یا اس ادارے کے متعلقہ مختلف جات کا نگران و ذمہ دار بنانا ہو اس سلسلہ میں کیا اصول و آداب ہیں؟ آئندہ سطور میں اس کی وضاحت کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ذمہ دار ایک ہی ہو

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سفیفہ بن ساعدہ والے دن بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات جائز نہیں ہے کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں۔ کیونکہ جب بھی ایسا ہو گا مسلمانوں کے تمام کاموں اور تمام احکام میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور ان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ان کا آپس میں جھگڑا ہو جائے گا اور پھر سنت چھوٹ جائے گی اور بدعت غالب آجائے گی اور بڑا فتنہ ظاہر ہو گا اور کوئی بھی اسے ٹھیک نہ کر سکے گا۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۱۷)

لہذا کسی ادارے کے مالکان یا کام کرنے والے افراد میں سے ذمہ داری کسی ایک کو سونپی جائیگی (مثلاً ڈائریکٹر، مینیجنگ پارٹنر وغیرہ) تو ادارہ کا نظم و نسق بہتر انداز میں چل سکے گا۔

افضل کو ذمہ دار بنانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ آخری خطبہ سنا جو انہوں نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اگلے دن کی بات ہے اور اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بالکل خاموش تھے اور کوئی بات نہ فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے (خاص) صحابی ہیں اور (ان کی امتیازی صفت اور بڑی فضیلت یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی رات میں مکہ سے چل کر غار ثور میں چھپ گئے تھے تو اس وقت صرف ابو بکر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جس کی وجہ

سے قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق) یہ [ثانی اثبتین] (توبہ: ۱) یعنی دو میں سے دوسرے ہیں اور یہ تمہارے کاموں کے لئے تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ لہذا کھڑے ہو کر ان سے بیعت ہو جاؤ۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو بات بھی کہنا پسند کرتا تھا وہ بات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہہ دی تھی سوائے اس آخری بات کے کہ یہ مجھے پسند نہ تھی۔ کیونکہ اللہ کی قسم! مجھے کسی گناہ کے بغیر قتل کیا جائے اور پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے اور پھر مجھے زندہ کیا جائے یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے میں ایسے لوگوں کا امیر بنوں جن میں حضرت ابو بکر بھی ہوں۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۳۰)

اسلئے کسی شخص کو تجارتی ادارے کو سربراہ یا نگران یا منتظم بناتے وقت بہ اصول ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

کسی کو ذمہ دار مقرر کرنے میں احتیاط

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس بات کو ابھی دیتا ہوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو کسی مسلمان کو ذمہ دار بنائے گا اسے قیامت کے دن لا کر جہنم کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر وہ (اس ذمہ دار بنانے میں) ٹھیک تھا تو (دوزخ سے) نجات پائے گا اور اگر وہ اس میں ٹھیک نہیں تھا تو پل اسے لے کر ٹوٹ پڑے گا اور وہ ستر برس تک جہنم میں گر تاجلا جائے گا اور وہ جہنم کالی اور اندھیری ہے۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۸۱)

لہذا جو افراد یا فرد کسی شخص کو کسی قسم کی ذمہ داری سونپ رہا ہے تو پوری احتیاط سے کام لینا چاہیے اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے رہنمائی بھی طلب کرنی چاہیے۔

اپنی بجائے دوسرے کو ذمہ دار بننے پر ترجیح دینا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفیفہ بنی ساعدہ والے دن فرمایا آپ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو جائیں۔ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا تم مجھ سے زیادہ قوی ہو۔ حضرت عمر نے کہا آپ مجھ سے زیادہ افضل ہیں یہی

بات دونوں حضرات میں دوسری دفعہ ہوئی۔ جب تیسری مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میری ساری قوت آپ کے ساتھ ہوگی اور پھر آپ کو مجھ پر فضیلت بھی حاصل ہے چنانچہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو گئے۔ حضرت ابو بکر کی بیعت کے وقت کچھ لوگ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس (بیعت ہونے) آئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا تم میرے پاس آرہے ہو حالانکہ تم میں وہ صاحب بھی ہیں جن کے بارے میں (قرآن مجید میں) ثَانِيَيْنِ کے الفاظ ہیں (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ)

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۳۳)

گر مالکانِ ادارہ اپنے ملازمین میں سے کسی کو ذمہ داری سونپنا چاہیں یا منتظم کسی ماتحت کو کوئی ذمہ داری دینا چاہیے تو محض تصنع یا بناوٹ کے طور پر نہیں بلکہ حقیقتاً اسے اپنے آپکو اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے قابل بھی سمجھنا چاہیے بلکہ دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھتے ہوئے اپنے اپنے اوپر ترجیح دے۔ اسلام کے اس سنہری اصول پر عمل کی برکت سے اداروں میں ملازمین کے درمیان جو حسد کی فضا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی افسرانِ بالا کی نگاہ میں گرانے کی اور اپنے آپ کو بڑھانے کی جو کوشش ہوتی ہیں وہ خود بخود ہی ختم ہو جائیں گی اور آپس میں ایثار کے مناظر قائم ہوں گے۔

ذمہ دار بننے سے انکار کرنا اور اس کو ناپسند کرنا

حضرت سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر لوگوں میں بیان فرمایا اور ان کے سامنے اپنا عذر پیش کیا اور فرمایا اللہ کی قسم! کسی دن یا کسی رات بھی یعنی زندگی بھر کبھی بھی میرے دل میں امارت کی تمنا پیدا نہیں ہوئی اور نہ اس کی خواہش ہوئی اور نہ میں نے کبھی اللہ سے امارت کو چھپ کر یا علی الاعلان مانگا۔ لیکن مجھے (مسلمانوں میں) فتنہ (پیدا ہو جانے) کا ڈر ہوا (کہ اگر میں امارت قبول نہ کرتا تو مسلمانوں میں جوڑ باقی نہ رہتا بلکہ ان میں توڑ پیدا ہو جاتا) اور میرے لئے امارت میں راحت کا کوئی سامان نہیں ہے اور ایک بہت بڑے امر (یعنی امرِ خلافت) کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی گئی ہے جو میری قوت اور طاقت سے باہر ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ قوت عطا فرمادے (تو پھر ذمہ داری ٹھیک طرح سے ادا ہو سکتی ہے) اور میں دل سے یہ چاہتا ہوں کہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ قوی آدمی ہے وہ آج میری جگہ اس امارت پر آجائے۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۳۴)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر ایک لشکر کا ذمہ دار مقرر فرمایا لیکن پھر کسی وجہ سے انہوں نے فیصلہ تبدیل فرمادیا اور ان کو امارت سے معزول کر دیا۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نمائندے حضرت ابو اروی رضی اللہ عنہ نے آکر ان سے جھنڈا واپس کرنے کے لئے کہا تو حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے وہ جھنڈا نکال کر حضرت ابو اروی کو دیدیا اور کہا کہ تمہارے امیر بنانے سے کوئی مجھے خوشی ہوئی تھی اور نہ اب تمہارے معزول کرنے سے ہمیں کوئی رنج و صدمہ ہوا ہے۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۳۸)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھے کسی جگہ (امیر بنا کر) بھیجا۔ جب میں واپس آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے کہا آہستہ آہستہ میری کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ مجھے اپنے تمام ساتھی اپنے خادم نظر آنے لگے اور اللہ کی قسم! اس کے بعد میں کبھی دو آدمیوں کا بھی امیر نہیں بنوں گا۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو امیر بنانے کے لئے بلایا۔ انہوں نے امارت قبول کرنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم امیر بننے کو برا سمجھتے ہو حالانکہ اسے تو اس شخص نے مانگا تھا جو تم سے بہتر تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا وہ کون؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام تو خود اللہ کے نبی تھے اور اللہ کے نبی کے بیٹے تھے (انہیں ایسا کرنے کا حق تھا) میں تو امیمہ نامی عورت کا بیٹا ابو ہریرہ ہوں اور امیر بننے میں تین اور دو (کل پانچ) باتوں کا ڈر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پانچ ہی کیوں نہیں کہہ دیتے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا (دو باتیں تو یہ ہیں کہ):

۱. میں علم کے بغیر کوئی بات کہہ دوں۔

۲. اور کوئی غلط فیصلہ کر دوں۔

(امیر بن کر مجھ سے یہ غلطیاں ہو سکتی ہیں جس کے نتیجے میں مجھے یہ تین سزائیں امیر المؤمنین کی طرف سے دی جاسکتی ہیں):

۱. میری کمر پر کوڑے مارے جائیں

۲. اور میرا مال چھین لیا جائے

۳. اور مجھے بے آبرو کر دیا جائے۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۸۶)

ذمہ دار بننے پر غمگین ہونا

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ غمگین ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں گھر حاضر ہوئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے تم نے مجھے خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیسے کریں؟ تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ والی و حاکم جب (صحیح طریقے سے) محنت کرتا ہے اور حق تک پہنچ جاتا ہے تو اسے اجر ملتے ہیں اور اگر (صحیح طریقے سے) محنت کرے لیکن حق تک نہ پہنچ سکے تو اسے ایک اجر ملتا ہے (یہ حدیث سن کر) حضرت عمر نے گویا حضرت ابو بکر کا غم ہلکا کر دیا۔

(حیۃ الصحابہ ج دوم ص ۸۱)

ان حضرات کا ذمہ دار بننے پر غمگین ہونا اس وجہ سے تھا کہ قیامت کے روز ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال کی جاوے گا۔

حضرت بشر بن عاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسے مسلمانوں کے کسی امر کا ذمہ دار بنایا گیا اسے قیامت دن لا کر جہنم کے پل پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح ادا کیا ہو گا تو وہ نجات پالے گا اور اگر اس نے ذمہ داری صحیح طرح ادا نہ کی ہو گی تو پل اسے لے کر ٹوٹ پڑے گا اور وہ ستر برس تک جہنم میں گرتا چلا جائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق جلد ۸ ص ۲۹۹)

تیسری فصل: شعبوں کی تقسیم

تقسیم کار اور شعبوں کا قیام

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ خَلَقَ الْإِنْسَانَ صَعِيْقًا } (سورة النساء: ۲۸)

ترجمہ: "انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔"

انسان کی اس خلقتی کمزوری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو بروئے کار لا کر یہ ایک وقت میں ایک کام کو ہی بہتر انداز میں سرانجام دے سکتا۔ نیز تمام افراد انسانی میں یکساں صلاحیتیں اور استعدادیں نہیں ہیں۔

{ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ } (سورة الانعام: ۱۶۵)

ترجمہ: "اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے۔"

یہی وجہ سے کہ ہر انسان تمام شعبہ ہائے زندگی میں کام کرنے کے مناسب نہیں ہوتا اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کے اختلاف ہی کی وجہ سے مختلف انسان مختلف شعبوں سے وابستہ ہیں اور اسی میں بنی نوع انسانی کے معاشرے کے باہمی ربط کا راز مضمر ہے کہ انسان اپنی ضروریات و موانع میں دوسرے کا محتاج نظر آتا ہے اور اس احتیاج کی وجہ سے باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

گہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن عالم کو زیب ہے اختلاف سے

جب یہ بات واضح ہے کہ ہر فرد انسانی ہر شعبہ میں کام کیلئے مناسب نہیں بلکہ اس کی قابلیت و صلاحیت کے لحاظ سے اسے انکی مناسبت والے شعبہ میں لگانا اور استعمال کرنا چاہئے، جس کے لئے مناسب ہو گا کہ ایک کاروباری ادارے کے متعلقہ افراد کیلئے تقسیم کار ہو۔

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جس شخص کو بھی جو عہدہ دیا اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی شخص نہیں مل سکتا تھا۔ فن حرب میں سیدنا عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن خویلد رضی اللہ عنہ نہایت ممتاز تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مقرر فرمایا، لیکن سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ یہ تدبیر و سیاست میں دخل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو نبھانہ سکیں گے۔

(سیرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مؤلفہ حکیم ظفر محمود صفحہ نمبر ۴۵۴)

[Comment M19]: کتاب کے نام کی

مراجعت کرنی ہے

اسی طرح اس زمانے میں چار اشخاص "دہات العرب" کہلاتے تھے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور انہوں نے ان عہدوں کو نہایت خوش اسلوبی سے چلایا۔ پھر ان تینوں کو اپنی حکمت عملی سے خود سر بھی نہ ہونے دیا اور اپنے قابو میں رکھا۔ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں سولہ سالہ نوجوان تھے، اس لئے انہیں کوئی بڑا عہدہ تو نہ دیا گیا لیکن ان کی قابلیت اور استعداد علمی کی وجہ سے سیدنا ابو موسیٰ کو لکھا کہ ان کو ملکی معاملات اور کاروبار حکومت میں اپنا مشیر کار بنائیں۔

علاوہ ازیں جب ایک کاروبار مختصر ہو تو اس صورت میں نہ تو زیادہ افراد درکار ہیں اور نہ اس کاروبار کے لئے شعبہ جات قائم کرنے کی ضرورت ہے لیکن جیسے ہی کاروبار وسیع ہو جائے تو اس میں چند افراد سے انتظامات کو سنبھالنا ممکن نہیں رہتا اور اگر شعبے قائم کر کے اس کے اہل افراد کو کام میں شامل نہ کیا جائے تو اس سے بد نظمی وجود میں آتی اور ادارے کے کاموں میں یکساں انجام پذیر ہونے کا فقدان ہوتا ہے، ہر کام کی نوعیت کے لحاظ سے الگ شعبے بنانا اور کام کی ضرورت کے مطابق ان کاموں کو سرانجام دینے کیلئے اس سے متعلق مہارت یا تجربہ رکھنے والے صالح و اہل افراد کو اس میں لگانا اور ان سے اس شعبے سے متعلقہ امور انجام دلانا ضروری ہو جاتا ہے۔

ضرورت کے مطابق شعبے قائم کرنا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب عالم اسلام اور خلافت کی ضروریات کا ادراک کیا تو آپ نے خلافت میں شعبے قائم کئے،

من جملہ ان کے یہ ہیں:

۱. محاصل (اخراج) وصول کرنے کا شعبہ

۲. عدالت کا نظام

۳. افتاء کا شعبہ

۴. محکمہ فوجباری و پونس

۵. بیت المال یا خزانہ

۶. عاملوں کی تحقیقات کا محکمہ

۷. مردم شماری

۸. اماموں اور موزنوں کا تقرر

۹. خبر رسانی اور جاسوسی وغیرہ

[Comment M20]: فقہاء کرام کی

شعبوں کی تقسیم ڈالنی ہے۔

اور صحابہ کرام کے دور کی چند مثالیں

بھی ڈالنی ہیں۔

کاروباری ادارے کے لئے شعبے

مندرجہ ذیل بنیادوں پر شعبوں کی تقسیم کی جاسکتی ہے:

۱. کام کی بنیاد پر: جیسے شعبہ خرید، فروخت، مالیات، پیداوار وغیرہ

۲. مصنوعات کی بنیاد پر: اگر ایک ادارہ کئی طرح کی چیزیں بنا رہا ہو تو ادارے کے افراد کو چیزوں کی بنیاد پر بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۳. علاقہ کی بنیاد پر: اگر ایک ادارہ کا کام کئی علاقوں پر پھیلا ہوا ہو تو علاقائی بنیادوں پر بھی ادارے کے افراد کو تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۴. گاہکوں کی بنیاد پر: اگر ایک ادارہ مختلف قسم کے گاہکوں کی خدمت کرنے میں لگا ہوا ہے۔ انکی اشیاء مکر کیلئے غیر اکیلے بھی ہیں اُمر اکیلے بھی عورتوں کیلئے بھی مردوں کیلئے بھی تو اصراراً طرح فخرانف قسم کے گاہکوں کی بنیاد پر بھی افراد پر بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۵. پیداواری مراحل کی بنیاد پر: جیسے ایک ادارہ کی پیداوار مختلف مراحل میں سے ہوتی ہوئی مکمل ہونی ہے۔
لہذا ہر شعبے کو مزید مراحل کی بنیاد پر بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
۶. منصوبہ وغیرہ کی بنیاد پر: مختلف منصوبوں کیلئے مختلف افراد طے کرنا اور ان کے ذمہ کام لگانا اس بنیاد پر بھی
افراد کو بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

چوتھی فصل: ذمہ داریوں کا تعین اور آگے منتقلی

ذمہ داریوں کا تعین:

ادارے کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا، ان شعبوں کے ذمہ داری مقرر کرنا ذمہ داروں اور دیگر افراد کے سامنے ان کے مقاصد اور اہداف صاف کھول کھول کر رکھنا کہ ہر ایک کو اپنے اپنے ہدف کا پتہ ہو اور یہ بھی چیز یہی صاف واضح ہونی چاہیے کہ ان اہداف کا حصول اس کی ذات اس کے شعبے اور پورے ادارے کیلئے کتنا اہم ہے۔ چونکہ جب تک آپ کسی کو اس کی ذمہ داری صاف اور واضح طور پر نہیں بنائیں گے اس کام کی پیش رفت کے بارے میں اس سے پوچھ گوچھ نہیں کر سکتے، مثل مشہور ہے کہ دو گھروں کا مہمان اکثر بھوکا رہتا ہے۔ لہذا ہر شعبے کی مزید رہنمائی و سرپرستی کی ذمہ داریاں بلکہ ہر شعبے کے ہر فرد کی ذمہ داریاں جتنی زیادہ واضح اور ان کا ادراک ہو گا اتنا ہی کام بہتر ہو گا، اور ادارے کے مقاصد حاصل ہونگے، ایک بات ذمہ داریوں میں زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ جن افراد کے ذمہ جو ذمہ داریاں لگائی جا رہی ہیں اس بارے میں ان کی اہلیت اور ذاتی دلچسپی اور رائے کو شامل کر لیا جائے تو یہ عمل کام کرنے میں دل چسپی بڑھانے کے لئے مفید و کارآمد ہو گا۔ اس موضوع پر کوئی واقعہ آجائے۔

آجائے۔

ذمہ داری کی منتقلی

اسلام نے ایک ایسا اصول دیا ہے، کہ جس سے کسی منصوبے کے تسلسل اور اس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں بہت مدد ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ ذمہ داری ایسے اہل ساتھیوں کو منتقل کی جائے، جو کام کو بہتر طریقے سے سرانجام دے سکیں اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچائیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کے پھلانے کے منصوبہ کو آنے والی قیامت تک کی نسلوں کو منتقل فرمایا اور حجۃ الوداع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان کو فرمایا کہ:

لوگو! سنو! میرا رب مجھے بلائے گا، اور میرے سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں تک میرا پیغام پہنچا دیا، اور میں ان سے کہوں گا کہ اے میرے رب میں نے پیغام پہنچا دیا، تو سنو تم میں سے جو موجود ہیں وہ غائبین تک میرا پیغام پہنچائیں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منصوبہ تبلیغ دین کو تسلسل دینے کیلئے اس کی ذمہ داری دوسروں پر تو ڈالی ہی تھی بعد میں آنے والوں پر بھی ڈالی اور قیامت تک تمام مسلمانوں کے کندھوں پر ڈال کر اس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کو یقینی فرمادیا۔ اس اصول کو اپنانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اہل افراد کو ذمہ داری منتقل کرنے سے بعض دفعہ ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو ذمہ داری کا بار اٹھانے میں کے پہلے والوں سے زیادہ اہل و قابل ہوتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مبارک کو دوسروں تک پہنچانے کے متعلق فرمایا فرب مبلغ اوعی لہ من سامع ترجمہ: بہت سے وہ لوگ جن کو حدیث پہنچائی جائے، ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث کو مجھ سے سننے والوں سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب اللہ تعالیٰ نے ائمہ حدیث امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی اور دیگر ائمہ حدیث رحمہم اللہ ایسے پیدا فرمائے جنکی لاکھوں احادیث یاد کرنے کی قوت حافظہ اور احادیث پر عبور، کمزور و ضعیف حدیث کو صحیح سے الگ کرنے کی صلاحیت اور احادیث کو جمع کرنے اور انہیں یاد کر کے محفوظ کرنے کی صلاحیت پہلے والوں سے کہیں زیادہ تھی۔

نیز کوئی بھی کام کرنے سے ہی آتا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کام پر ڈالا اور کام سکھایا، کام کیا بھی اور پھر اپنے سامنے کام کروایا بھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا دنیا پر وہ فرما جانے کے بعد صحابہ اسی طرز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت کو کرتے گئے۔

اس اصول کو نہ اپنانے سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ تجارتی اداروں اور کاروبار کو چلانے والے کسی وجہ سے دوسرے ادارہ میں چلے گئے یا دنیا سے رخصت ہو گئے یا کوئی ایسا عارضہ پیش آیا کہ ان کی خدمات ادارہ کیلئے جاری نہ رہ سکیں تو ادارہ کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات وہ کاروبار ہی ٹھپ ہو کر رہ جاتا ہے۔

پانچویں فصل: شعبوں کے درمیان ہم آہنگی و اجتماعیت

افراد و شعبوں کے درمیان ہم آہنگی و باہمی رابطے۔

تیسری فصل کے ذیل میں جو مضمون گزرا اس سے یہ بات سامنے آئی کہ کسی کاروباری ادارے کو چانے والے افراد جب زیادہ ہوں اور کاروبار وسیع ہو تو افراد کے درمیان تقسیم کار بھی ضروری ہے اور شعبوں کا قیام بھی لیکن یہ بات واضح کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ ان مختلف شعبوں میں کام کرنے والے افراد کے درمیان اگرچہ تقسیم کار ہے لیکن یہ تمام افراد ان جزوی شعبہ جات میں کام کرتے ہوئے ادارے کے مجموعی اہداف اور مقاصد کا فکر و لحاظ کرتے ہوئے چل رہے ہوں اور ان مجموعی اہداف و مقاصد سے غافل نہ ہونے پائیں۔ مسلمان معاشرے میں ایک فرد مسلم کی مثال اس طرح دی گئی ہے۔ جیسے بدنی انسانی کا ایک عضو اگر ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا ہی جسم بے چین و بے قرار ہو جاتا ہے یا جیسے ایک جسم انسان کے اعضاء میں سے ہر ایک صرف اپنے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ پورے جسم کے لئے استعمال ہوتا ہے، آنکھ اپنے لئے کم دیکھتی ہے باقی جسم کے لئے زیادہ دیکھتی ہے کان اپنے لئے کم سنتے ہیں باقی جسم کے لئے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ادارے کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے افراد کا حال ہونا چاہیے۔

نیز یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ادارے میں کوئی ایک شعبہ بھی باقی سب شعبوں سے آزاد ہو کر نہیں چل سکتا ہے وہ شعبہ پورے ادارے کا حصہ بن کر چلے گا اور اگر اس کی سرگرمیاں باقی شعبوں کے ساتھ مربوط ہو گئی تو وہ ادارے کے لئے فائدہ مند ہو گا اور ادارے کے مقاصد کو حاصل کرنے میں معاونت ملے گی۔ بعض شعبوں کے درمیان یہ رابطے کی شکل ایک مستقل عمل ہو گا۔ جیسے شعبہ پیداوار اور شعبہ خرید، مثلاً جو چیز بھی بنانی ہے اس کیلئے خام مال اور پرزہ جات وغیرہ کی خرید شعبہ خرید کے ذمہ ہے۔ اب شعبہ فروخت اور تسویق کا تعلق بھی شعبہ پیداوار کے ساتھ ہے۔ کیونکہ شعبہ تسویق کو گاہک کی ضروریات کا زیادہ علم ہے۔ یہ شعبہ ہی شعبہ پیداوار کو گاہک کی ضرورت کے مطابق چیز بنانے کی رہنمائی کریگا۔ اب ان سب شعبوں کو چلانے کیلئے اور ان کے اخراجات اور آمدنیوں کو درج کرنے کیلئے شعبہ مالیات سے رابطہ بھی ضروری ہے۔ ان سب شعبوں کا تعلق اس شعبے سے بھی ضروری ہے، جس کے ذمہ ملازمین رکھنا ان کو ترقیاں دینا اور ملازمین کی چھٹیوں کا ریکارڈ رکھنا وغیرہ ہوتا ہے۔ لہذا پوری کمپنی یا ادارہ آپس میں مربوط ہو کر چلے گا تو ہی ادارے کے مقاصد کا حلقہ حاصل ہو سکیں گے۔ بعض اوقات تو یہ ربط اس لئے بھی ضروری ہو گا کہ ایک شعبہ کی پیداوار دوسرے شعبے کیلئے خام مال کا کام دیگی لہذا پہلے والے کا کام

مکمل ہو گا تو دوسرے کام شروع ہو گا۔ اس لیے ادارہ کے مختلف شعبوں کے درمیان ربط، معلومات کا تبادلہ جتنا منظم اور بہتر ہو گا اتنی اس ادارہ کی کارکردگی بہتر ہوگی بصورت دیگر انفرادی کی فضا ہوگی محنت مشقت کے باوجود مطلوبہ اہداف حاصل نہ ہو سکیں گے۔

رابطے کی شکلیں

ایک ادارے کے افراد کے باہم رابطے کی کئی شکلیں ہیں:

۱۔ ایک شعبہ کے افراد کا آپس میں رابطہ

ا۔ ایک شعبہ کے افراد میں سے اپنے برابر کے درجہ والوں سے رابطہ

ب۔ ایک شعبہ کے افراد میں سے اپنے سے اوپر کے درجہ والوں سے رابطہ

۲۔ تمام شعبوں کا آپس میں رابطہ

آپس کے اس ربط کا ایک بڑا ذریعہ مشورہ ہے جس کے تعلق تفصیل پیچھے گزر چکی نیز اخلاقی اقدار کا پایا جانا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں نبوی تعلیمات سے ایک اہم اصول ملتا ہے، "انزلوا للناس منازلهم" یعنی لوگوں سے ان کے مرتبہ اور حیثیت کے مطابق سلوک کیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مسائل آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روئی کا ایک ٹکڑا مرحمت فرمایا پھر ایک شخص گدرا جس پر پٹھے کپڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اسے بٹھایا اور کھلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا (کہ ایسا کیوں فرمایا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر اتارو۔

(ابوداؤد ص ۶۶۵)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کیلئے تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم کے لوگوں سے فرمایا قوموا لیسیدکم اپنے سردار (کے اعزاز) کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔

لہذا ادارے میں کام کرنے والے تمام افراد کا اس اصول کا لحاظ کرنا آپس کے بہترین ربط کا ذریعہ ہو گا۔

باہمی اتحاد و اتفاق کے اصول

جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں دین اسلام نے مسلمانوں کے آپس میں جوڑ اور اتحاد کو بڑی اہمیت دی ہے، اور امت واحدہ کا خطاب دے کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، اور [وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا] (ال عمران: ۱۰۳) کا حکم دے کر مسلمانوں کو آپس میں جڑنے کی اہمیت بیان فرمائی ہے، جو جماعت اور اس کے ساتھی آپس میں جتنے زیادہ جڑ کر کام کرتے ہیں وہ کمزور ہونے کے باوجود بڑی جماعتوں سے زیادہ کام کر جاتے ہیں۔

تجارت کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والی جماعتوں کے لئے آپس میں جوڑ بہت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ جس جماعت میں جوڑ، آپس میں محبت، ایک دوسرے کیلئے ایثار و قربانی اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبات ہوتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے، اور اس کے کام تیزی سے انجام پذیر اور بار آور ہوتے ہیں۔

ذیل میں دین اسلام کے وہ آداب دیئے جا رہے ہیں، جن کی پابندی کرنے سے کام کرنے والے ساتھیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت اور احترام میں اضافہ ہوتا ہے، اور آپس میں دل جڑتے ہیں، ایک دوسرے کو قوت ملتی ہے، جس سے اس ادارے کے کام میں بھی ترقی ہوتی ہے، ماحول بھی بہترین رہتا ہے اور انسانوں میں صفات میں اضافہ ہوتا ہے:-

آ. ایک دوسرے کو سلام کرنا، بلکہ سلام میں پہل کرنا، عموماً جب ایک مسلمان دوسرے کو ملتا ہے، اسے سلام کرنے سے اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے، جس سے دونوں کی کام کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ب. ساتھی کو بھائی کہہ کر یا اسکے اچھے نام سے اور ادب سے پکارنا۔ کسی ساتھی کو جب اس کے اصلی نام سے پکارا جائے تو اس سے پکارنے والے کا پکارے جانے والے کے دل میں احترام پیدا ہوتا ہے۔

ت. ساتھیوں کی خدمت اور اکرام کرنا اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دینا، حدیث میں ہے "تھادوا تحابوا" ترجمہ: "ہدیہ دو"، ایک دوسرے سے محبت کرو۔ اور آرام و عزت کے کام میں ایک دوسرے کو ترجیح دینا۔

ث. ساتھیوں کی خوبیوں پر نگاہ رکھنا اور ان کے عیوب پر پردہ پوشی کرنا اور عدم موجودگی میں ان کی تعریف کرنا، ان کے بارے میں کینہ، بغض، حسد، تجسس اور غیبت و بہتان سے اپنی حفاظت کرنا۔

ج. ہر ساتھی کو اپنے سے بہتر سمجھنا اور تواضع سے پیش آنا، تکبر و غرور سے بچتے رہنا۔

ح. ساتھیوں کی کمیوں پر ان کو فوراً نہ ٹوکنا اور غصہ، تنقید و ڈانٹ ڈپٹ سے بچنا۔

- خ. سب سے حسن ظن رکھنا اور آپس میں ایک دوسرے کو معاف کرتے رہنا اور بے تکلفی اور لالیعی سے اجتناب پر تنہا۔
- د. مشورہ اور ذمہ دار کی منشا کے مطابق چلنا اور اس کی ترجیحات کے مطابق کام سرانجام دینا۔ اجتماعی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔
- ذ. اور پوری جماعت کے آپس کے جوڑ کے لئے دعائیں کرنا اور سب کو دعاؤں میں یاد رکھنا۔

بیٹھنے میں ساتھیوں کی رعایت رکھی جائے۔ اگر جگہ تنگ ہو تو ذرا سا ہٹ کر اس کے لئے جگہ بنائیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ} (سورہ مجادلہ: ۱۱)

ترجمہ: "جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادگی کرو تو فوراً کشادگی کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (جنت میں) کشادگی کرے گا اور جب (کسی ضرورت سے) کہا جائے اٹھ کھڑے ہو، تو اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا اور درجے بلند کر دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء فی العمل (ساتھیوں) کو بیٹھنے کی جگہ دینے کیلئے جتنا بھی ممکن ہو اہتمام کرنا چاہئے۔

حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ اس کے لئے ذرا کھسکے تاکہ جگہ خالی ہو جائے، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! جگہ وسیع ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب اسکو دیکھے تو اس کیلئے کچھ ہلے اور جنبش کرے۔

کسی اجلاس وغیرہ میں بعد میں آنے والوں کو چاہئے کہ دیکھ لیں حلقہ میں گنجائش ہے یا نہیں اگر گنجائش ہے تو برابر میں بیٹھ جانے میں مضائقہ نہیں ورنہ لوگوں کو پریشان نہ کریں اور ان کے پیچھے بیٹھ جائیں۔ پیچھے بیٹھ جانے سے عار کرنا علامت ہے تکبر کی۔

کسی اجلاس میں یا کام میں کوئی ساتھی موجود نہ ہو تو اس کو ہونے والے کام اور کاروائی کی بعد میں اطلاع کر دینی چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک دوسرا شخص میرا پڑوسی انصاری عوالی مدینہ میں مسجد نبوی سے کچھ فاصلہ پر رہا کرتے تھے اور باری باری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن میں ایک دن وہ، جس دن میں جاتا تو جو سن کر آتا اس سے بیان کر دیتا، جس دن وہ جاتا تو جو سن کر آتا مجھ سے بیان کر دیتا۔

(بخاری)

اسی طرح اگر کسی ساتھی کو دوران اجلاس یا کام کے دوران کچھ سمجھ میں نہ آئے تو جس ساتھی کو کام آتا ہے اسے چاہئے کہ بعد میں اسے سمجھا دے اور اس کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع کرنا مناسب ہے۔ ان شاء اللہ اس سے ہر قسم کا نفع ہو گا اور آپ کے اپنے فن و علم میں برکت ہوگی۔

اگر کوئی ساتھی شرم و حیاء کی وجہ سے سوال نہ کر سکتا ہو تو دوسرے ساتھی کیلئے اس کے لئے بڑے سے پوچھنا بہتر

ہے۔

امیر و ذمہ دار کی عظمت و محبت

ہر ساتھی کو اپنے ذمہ دار سے ایسی ہی محبت ہونی چاہیے جیسے حضرات صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں کتنی عظمت تھی اس بات کا اندازہ ایک جلیل اللہ صحابی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہی ہوتا ہے، جن کا نام خبیب بن عدی تھا، اور جنہیں مشرکین مکہ نے پہلے امن کی پیش کش کی اور پھر ان سے بد عہدی کر کے انہیں قتل کرنے کا فیصلہ کیا، جب قتل کرنے کا وقت ہوا تو لوگوں کو جمع کیا گیا تاکہ وہ اس منظر کو دیکھ لیں اور آئندہ مسلمان ہونے سے عبرت حاصل کریں، تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، نے ان سے پوچھا، اے خبیب میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، تم نے مجھ سے سچ بولنا ہے، کہ کیا تمہیں اس پر راضی ہو گے کہ تمہاری چگہ پر العیاذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے اور تم صحیح سلامت اپنے گھر چلے جاؤ تو انہوں نے فرمایا: کہ ہر گز نہیں ان پر میری جان و روح اور اہل خانہ سب قربان ہو جائیں، انہیں تو ایک کاٹا بھی چھینا میں گوارا نہیں کر سکتا۔ تو ابوسفیان نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا: کسی کو اتنی محبت کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ان سے کرتے ہیں۔

۱. ساتھی ہر کام میں اتنا فکر مند ہو جیسے ذمہ دار یہی ہے۔

۲. ذمہ دار کی دل و جان سے اطاعت کرے۔

۳. بدترین مامور وہ ہے جو ذمہ دار کو مرضی کے فیصلے پر مجبور کرے۔
۴. ہر کام اپنی مرضی سے کرنے کی بجائے، ذمہ دار سے پوچھ پوچھ کر کرے۔
۵. کسی ساتھی میں کوئی کمی ہو تو اس کی اطلاع ذمہ دار کو کرے، یہ غیبت میں شمار نہیں ہوگا۔
۶. ذمہ دار اگر کوئی کام بھول جائے، تو مامور یاد کر سکتا ہے۔
۷. ساتھی چپکے چپکے خاص کر ذمہ دار اور عام طور پر سب ساتھیوں کی خدمت کرے۔
۸. جب کام کی کوئی مخصوص اجازت لی ہے، اسی کو کرے، دوسرے کام میں نہ لگے۔
۹. ذمہ دار کی بات کو خوشی سے مانے بلکہ اس کی منشاء کو سمجھے اور اس کے اشارے پر چلے۔
۱۰. ذمہ دار اگر خود کم تعلیم یافتہ یا علم میں کم بھی ہو تب اس کو اپنے سے اعلیٰ سمجھے۔
۱۱. ہر کام کے لئے خود پیش کر دے اور جو کام ذمے لگے، اس کو بخوبی دل و جان سے سرانجام دے۔
۱۲. مامور اپنے ساتھیوں اور ذمہ دار کے ساتھ سخت نہ ہو۔
۱۳. اپنے ذمہ دار کے لئے دعائیں کرے، اور اللہ سے اس کے لئے مدد و رہنمائی کو طلب کرے۔

چھٹی فصل: افرادی قوت کا حصول، تربیت، معاوضہ، حقوق اور ذمہ داریاں

افرادی قوت

{ انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ } (اسرائیل: ۲۱)

ترجمہ: "دیکھو کس طرح ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔"

{ وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ } (الانعام: ۱۶۵)

ترجمہ: "اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے۔"

{ اَلْهُمْ يَفْسُمُونَ رَحْمَةً رَبِّكَ نَحْنُ فَسَمَّائِيَّتُهُمْ مَّعِيَّتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا

بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَحَرًا } (الزخرف: ۳۲)

ترجمہ: "کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو

دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا، اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے، تاکہ ایک دوسرے

سے خدمت لے"

تقسیم معیشت کی حکمتیں

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام:- (ہم نے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان ان کی معیشت کو)

اس آیت شریفہ میں اللہ پاک نے یہ واضح کر دیا ہے کہ دنیا میں معیشت کا نظام ایسا بنادیا کہ ہر شخص کو اپنی ضرورتوں کہ پورا کرنے میں کسی دوسرے کا محتاج بنادیا۔ اور تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کہ سپرد نہیں کیا کہ جو منصوبہ بندی کہ ذریعے محض کے معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کیسے پورا کیا جائے؟ وسائل پیداوار کو کسی تناسب کے ساتھ کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے، اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے اور ہاتھ میں رکھنے کا مقصد ہر شخص کو دنیا میں کسی دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنادیا جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعے) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔ اور انہیں حکومت کی منصوبہ

بندی کہ حوالے کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ مثال کے طور پر دن کا وقت کام اور رات آرام کسی انسانی منصوبہ بندی کے تحت طے نہیں پائی بلکہ قدرت کہ خود کار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کر دیا۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون کس سے شادی کرے گا طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے تحت خود بخود انجام پاتا ہے۔ اسے طبعی مناسبتوں کے بجائے حکومت کے حوالے کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے۔ اس سے نظام خطر تدرہم برہم ہو سکتا ہے۔

اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے اور وہ جسے بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص خواہ خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لئے سرمایہ منفر سمجھتا ہے۔

اسلام میں معاشی مساوات کی حقیقت :- (اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ معاشی مساوات (اس معنی میں کہ دنیا کہ تمام افراد کی آمدنی بالکل برابر ہو) نہ مطلوب ہے اور نہ ممکن العمل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کائنات کے ہر رکن پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور کچھ حقوق دیے ہیں اور دونوں میں اپنی حکمت سے یہ تناسب رکھا ہے جسکے ذمہ جتنے فرائض ہیں اُس کے اتنے ہی حقوق ہیں۔ انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں اُن کے ذمہ چونکہ فرائض سب سے کم ہیں کہ وہ شرعاً حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے مکلف نہیں ہے اس لئے اُن کے حقوق یعنی سب سے کم ہیں چنانچہ انسان کو ان کے معاملے میں وسیع آزادی عطا کی گئی ہے وہ ان سے چند معمولی سی پابندیوں کیساتھ جس طرح چاہے نفع اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ بعض حیوانات کو وہ کاٹ کھاتا ہے اور بعض پر سواری کرتا ہے۔ مگر اسے ان مخلوق کی حق تلفی نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے اس مخلوق کہ فرائض کم ہیں اس لئے ان کے حقوق بھی بہت کم ہیں۔ پھر کائنات میں سب سے زیادہ فرائض انسان اور جنات پر عائد کئے۔ اور اپنے ہر قول و فعل میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اور انسانوں میں سب سے زیادہ ذمہ داری انبیاء علیہم السلام پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کو حقوق دوسروں سے زائد عطا کئے گئے ہیں۔

نظام معیشت میں بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہی رعایت رکھی ہے کہ ہر شخص کو اتنے معاشی حقوق دیے جائیں جتنی فرائض کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے۔ اور ظاہر ہے فرائض میں یکسانیت کا پیدا ہونا بالکل ناممکن اور ان میں تفاوت ناگزیر ہے۔ اسی لئے انکی معاشی آمدنی میں تفاوت بھی ناگزیر ہے۔ اور اگر سب کی آمدنی یکساں کر دی جائے اور فرائض میں تفاوت رہے تو

اس سے کبھی عدل و انصاف قائم نہیں رہ سکتا اس لیے کہ اس صورت میں بعض لوگوں کی آمدنی ان کے فرائض سے زیادہ اور بعض کی ان کے فرائض سے کم ہو جائیگی جو صریحاً نا انصافی ہے۔ لہذا اشتراکیت اپنی ترقی کی انتہائی دور میں بھی مساوات کا دعویٰ کرتی ہے وہ کسی بھی حال میں نہ تو قابل عمل ہے اور نہ قرین عدل و انصاف ہے۔

لہذا یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ آمدنی میں مکمل مساوات نہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے نہ عملاً کہیں قائم ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے اور نہ یہ اسلام کا مطلوب ہے۔ البتہ اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا ہے وہ قانون، معاشرت اور ادائے حقوق کی مساوات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قدرتی طریقہ کار کے تحت جس شخص کے جتنے حقوق ملے ہو جائیں انہیں حاصل کر نیکی قانونی، تمدنی، اور معاشرتی حق میں سب برابر ہیں۔ اس بات کا کوئی معنی نہیں ایک امیر رہنا حق عزت کساتھ باسانی حاصل کر کے اور غریب کو اپنے حقوق حاصل کر نیکی لئے در بدر کی ٹھو کریں کھانی پڑیں۔

اس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے قطبہ میں ارشاد فرمایا "خدا کی قسم میرے نزدیک ایک کمزور آدمی سے زیادہ کوئی قوی نہیں تا وقتیکہ میں اس کا حق اسے نہ دلوں اور میرے نزدیک ایک قوی آدمی سے زیادہ کوئی کمزور نہیں جب تک کہ میں اس سے (کمزور) حق وصول نہ کر لوں۔"

اس طرح معاشی نقطہ نظر سے اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص کو کمائی کے یکساں مواقع حاصل ہیں اور اسلام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ چند بڑے بڑے دولت مند مال و دولت کے دہانوں پر قابض ہو کر اپنی اجارہ دار ماں قائم کر لیں اور چھوٹے تاجروں کیلئے بازار میں کام کرنا مشکل بنادیں چنانچہ سود، سٹہ، قمار ذخیرہ اندوزی اور اجارہ دارانہ تجارتی معاہدوں کو ممنوع قرار دیکر، نیز زکوٰۃ، عشر، خراج، نفقات، صدقات اور دوسرے واجبات عائد کر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے جس میں ہر انسان اپنی ذاتی صلاحیت، محنت اور سرمایہ کے تناسب سے کمائی کے مناسب مواقع حاصل کر سکتا ہے اور اس سے ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر ہو سکتی ہے، اس کے باوجود آمدنی کا جو تفاوت باقی رہے وہ درحقیقت ناگزیر ہے اور جس طرح انسانوں کے درمیان حسن و جمال، قوت و حکمت، عقل و ذہانت اور آل و اولاد کے تفاوت کے تفاوت کو مٹانا ممکن نہیں اسی طرح اس تفاوت کو بھی نہیں مٹایا جاسکتا۔

(ملخص از معارف القرآن ج ۷ ص ۷۲ تا ۷۳۳)

{وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا} (سورہ

(النساء: ۳۲)

ترجمہ: "اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور اللہ سے اس کا فضل (و کرم) مانگتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔"

خلاصہ: اس آیت میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جو دوسروں کو حاصل ہوں وجہ یہ کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادتاً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے۔ جس کا تقاضا کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں، اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کے سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں محض وہ قدرت کے انعامات ہوتے ہیں، جیسے کسی شخص کا مرد ہونا یا کسی اعلیٰ خاندانِ نبوت میں یا خاندانِ حکومت میں پیدا ہونا یا حسین و خوبصورت پیدا ہونا وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے یا خاندانی سید بن جائے تو یہ اس کی قدرت میں نہیں اور نہ یہ کسی دوا یا علاج یا تدبیر سے ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے، اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھین جائے، تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائیں، اس کا نام حسد ہے جو انسان اخلاق میں انتہائی شرمناک اور مضر خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں اور فسادات، قتل و غارتگری کا سبب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس آیت میں فساد کا دوازدہ بند کر دیا ہے۔ یعنی اللہ پاک نے یہ تقاضائے حکمت و مصلحت جو کمالات و فضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں کسی کو کوئی وصف دے دیا اور کسی کو کوئی، کسی کو کم کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہیے، دوسرے کے فضائل و کمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہیے، کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج و غم اور حسد کے گناہِ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا، جس کو حق تعالیٰ جل شانہ نے مرد بنایا وہ

اس پر شکر ادا کرے جس کو عورت بنا دیا وہ اس پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہو جاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کر سکتی، اور گناہ گار ہو جاتی۔ جس کو اللہ پاک نے خوب صورت پیدا فرمایا ہے وہ اس پر شکر گزار ہو کہ اُس کو ایک نعمت ملی اور جو بد صورت ہے وہ رنجیدہ بھی نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اس میں خیر مقدر ہو گی کہ اگر مجھے حُسن و جمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتا جو شخص نسب کے اعتبار سے سید ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ کا انعام ہے اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور نہ اس کی تمنا کرے۔ کیونکہ یہ چیز کوشش سے حاصل ہو نیوالی نہیں، اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کر دیگی۔ اور بجز رنج و غم کے کچھ حاصل نہ ہو گا بجائے نسب پر افسوس کر نیکی اعمالِ صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

البتہ کسی شخص کے علمی، عملی، اخلاقی فضائل کو دیکھ کر ان کی تمنا اور پھر تمنا پوری کرنے کیلئے سعی و عمل اور جدوجہد کرنا مطلب اور مستحسن ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۹۰)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انسانوں کے درجے اللہ تعالیٰ نے مختلف رکھے اور ایک کو دوسرے پر بلند کر کے ان کے درجات میں فرق پیدا کر دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کے کام آئیں، ایک دوسرے کی مدد کر کے ایک دوسرے کی خدمت لے سکیں یعنی ملازم مالک کی خدمت کر کے اس کی خدمت کرے اور مالک اسے معاوضہ دے کر اس کی خدمت کرے۔

افراد کی قوت کے حصول کی بنیاد

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے عتاب سے بچنے کیلئے ملک شام چلے آئے یہاں ایک مقام پر دیکھا لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو بچیاں بکریاں لیے ایک طرف کھڑی ہیں یہ دونوں بچیاں شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے اور ان بچیوں میں اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو ہٹا دیں یا بذات خود بھاری ڈول نکال لیں شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہو گئی۔ پیغمبروں میں کمزوروں بے کسوں کی مدد کے جذبات تو ہوتے ہی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا انہوں نے گھر جا کر اپنے ابا جان سے قصہ عرض کیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلایا اس موقع پر ان دو بہنوں میں سے ایک نے اپنے ابا جان یعنی حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا:

{قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ} (القصص: ۲۶)

ترجمہ: "ایک لڑکی بولی کہ ابا جان ان کو نوکر رکھ لیجئے، کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے، (جو) توانا اور امانت دار (ہو)"

میں دو باتیں بنیادی ہیں:

• **قوت:** متعلقہ کام میں ماہر ہوں اور اس کی ہر لحاظ سے ان میں سمجھ بھی ہو، وہ کام میں ہر لحاظ سے ماہر ہو، اسے کام پورا سلیقہ اور کام کی مکمل استعداد اس میں ہو۔

• **امانت:** ان میں امانت کی صفت بھی اعلیٰ درجے کی ہو، کہ وہ وقت، کام، فکر، توجہ، ذمہ داری، اطاعت و فرمانبرداری سب میں اس کی امانت نظر آرہی ہو۔

چنانچہ افرادی وسائل یعنی ادارے کیلئے ملازمین کو حاصل کرتے وقت ان دو بنیادوں کو سامنے رکھنا ہوگا کہ ہمارے ملازم اپنے کام کرنے کی قوت بھی رکھتے ہوں اور ان کے اندر امانت کی صفت بھی ہو۔

اسی طرح فردی قوت کے معیار کیلئے بھی ہمیں قرآن کریم نے رہنمائی کی ہے وہ یہ ہے کہ:

{قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ} (یوسف: ۵۵)

ترجمہ: "(یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں"

یعنی میں چونکہ ان خزان ارض کے متعلق دو ضروری صفات کا حامل ہوں اس لئے اس کام کی اہلیت رکھتا ہوں، تو میرے ذمہ یہ کام لگایا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہیں:

• **حفیظ ہونا:** اس کام یعنی خزانوں کی حفاظت کے معیار پر پورا اترنا۔

• **علیم ہونا:** اس کام یعنی خزانوں کی حفاظت سے متعلق تمام امور کا علم کا ہونا۔

افرادی قوت کے انتخاب کیلئے معیار

شریعت مطہرہ نے دین کو معاملات کی بنیاد قرار دیا ہے ایک صحابی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ کے انتخاب کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

دین دار (عورت) کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنا تمہارے ہاتھ فاک آلودہ ہو جائیں جس طرح رشتہ کرنا ایک معاملہ ہے اس طرح ملازمت بھی ایک معاملہ ہے اس کے لئے بھی دینداری کو ہی بنیاد بنایا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے جس شخص کو گورنر بنانا ہو تا مجملہ اور اوصاف و صلاحیتوں کے اس کی نماز دیکھتے تھے چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ایک مراسلہ الخ

[Comment [M22]: فضائل نماز سے یہ

واقعہ شامل کرنا ہے

(فضائل نماز)

اور یہ قاعدے کی بات ہے کہ جو شخص اس خالق و مالک ذات کے ساتھ با وفا نہیں جس نے اسے عدم سے وجود بخشا اور اسے ظاہری و باطنی بے شمار نعمتوں سے نوازا بلکہ ہر وقت اپنے انعامات کی بارش اسپر کرتا چلا جا رہا ہے وہ ایک مالک عارضی کے ساتھ کیونکہ مخلص اور با وفا ہو سکتا ہے۔ آجکل مختلف اداروں میں اس نوع کے جو مسائل سامنے آرہے ہیں وہ اس معیار کو ترک کرے گا سخا نہ ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود ہمیں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ایسے افراد کو ملازمت کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں جو اگرچہ دینداری کے معیار پر پورے نہیں اترتے لیکن ہم یہ نیت کریں کہ انہیں روزگار کے مواقع فراہم کر کے انہیں اپنے ادارے میں دینداری کی فضا میں لا کر حسن سلوک کے ذریعہ انہیں دین میں پختہ کار بنانے کی کوشش کریں گے۔

افراد کی قوت کے انتخاب کیلئے طریقہ کار

جس کام کیلئے کسی فرد کے انتخاب کی ضرورت ہے اس کی ذمہ داریوں اور فرائض کی اہمیت کے لحاظ سے ایک فہرست بنائی جائے اور ترجیحات مقرر کی جائیں، شرائط ایسی ہوں جن کو ناپا جاسکے، اس سلسلے میں اپنے ادارے کے وہ لوگ جو نئے ملازم کے ساتھ کام کریں گے، ان سے بھی رائے لی جائے اور مشورہ کر لیا جائے، جو امیدوار بنیادی معیار پر پورا اترتے ہوں ان کو تفقد (انٹر ویو) کے لئے بلا کر موزوں سوالات کے ذریعے ان کی صلاحیتوں اور رجحانات کا جائزہ لیا جائے، کام کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر اگر ضرورت ہو تو پہلے مرحلے میں دو تین افراد کا انتخاب کر کے دوسرے مرحلے میں حتمی امیدوار کا تعین کیا جائے، تفقد کرنے میں نرمی، تواضع اور ہمیت افزائی کا رویہ رکھا جائے اور آنے والوں کی کسی اعتبار سے بے اکرامی یا حوصلہ شکنی نہ کی جائے۔ امیدواروں کے تعین میں ادارے کی ضروریات کے ساتھ ساتھ آنے والوں پر عائد گھریلو اور خاندانی ذمہ داریوں کے بوجھ کا بھی لحاظ رکھا جائے، صلوة الحاجت، استخارہ اور دعا سے بھی اللہ پاک سے مدد حاصل کی جائے۔

ملازم کا معاوضہ اور اس کے حقوق و آداب

ملازم کی اجرت کی تعیین کا معیار

ملازم کی اجرت کی تعیین میں صرف قابلیت کو ہی معیار تر بنایا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ اس ملازم کا تجربہ کتنا ہے اس کی ذمہ داریاں کیا ہوگی اور اس کی ضروریات کتنی تنخواہ میں پوری ہو سکتی ہے؟

مالک اور ملازم تنازعہ کا حل

اسلام دینِ فطرت ہے، اس کا قانونِ محنت و اجرت اخوت و بھائی چارہ پر مبنی ہے، دین نام ہے خیر خواہی کا اور جذبہ خیر خواہی زندگی کے ہر میدان میں ضروری ہے، جب کہ آج مالک و مزدور دونوں اس جذبہ سے عاری اور خود غرضی و مفاد پرستی کی ذہنیت کے مالک ہیں، مالک یہ چاہتا ہے کہ مزدور سے زیادہ سے زیادہ کام لے، پیداوار زیادہ کرے، زیادہ سے زیادہ نفع کو یقینی بنائے اور مزدور یہ چاہتا ہے کہ کام چوری کرے، کارخانہ کی پیداوار خواہ کچھ بھی ہو، مجھے میری اجرت زیادہ سے زیادہ ملے، دونوں کی یہی خود غرضانہ، مفاد پرستانہ ذہنیت ہے، جو سرمایہ دار کو مزدوروں کے حقوق کے استحصال پر اور مزدوروں کو انتقامانہ بغاوت پر ابھارتی ہے۔

اسلام نے مالک اور مزدور کے مابین خوشگوار تعلقات بنائے ہیں، اس کے لیے کچھ بنیادی احکام دیے ہیں۔

۱۔ ملازموں کے حقوق

مالک و مزدور، آقا و غلام، کاشت کار و زمین دار، ہیڈ ماسٹر و ٹیچرز، منتظم و ملازم، سب انسانی حقوق میں یکساں اور برابر ہیں، فریقِ اول کو اپنے آپ کو برتر اور فریقِ ثانی کو کمتر سمجھنے کا کوئی حق نہیں، فریقِ اول چونکہ اپنے آپ کو برتر اور فریقِ ثانی کو کمتر تصور کرتا ہے اور اس کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھتا ہے جو اس بات کا تاثر دیتا ہے کہ میں برتر ہوں اور آپ کمتر، یہیں سے آپسی تنازعات و اختلافات شروع ہوتے ہیں اور اس مشن کی ترقی یا تورک جاتی ہے یا وہ ختم ہی ہو جاتا ہے، جو دونوں کے لیے میدانِ عمل ہے، کاش کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل پیرا ہوتے: "تمہارے غلام، خادم، ملازم، مزدور تمہارے بھائی ہیں، لہذا تم میں جس کے قبضے میں اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے اور اس کو ایسا کام کرنے کو نہ کہے جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو اور کبھی ایسا کام کرنے کو کہے تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔"

۲۔ زائد محنت کا معاوضہ

اگر کوئی کام وہ نہ کر سکتا ہو تو اس سے یہ کام نہ لے اور اگر ضرورت ہے تو خود اس میں اس کا ہاتھ بٹائے، یہ اخلاق کا بلند تر درجہ ہے، جس میں مالک کی بالادستی و برتری کے تصور کا ایک حد تک علاج بھی ہے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اس کام کے لیے آدمی بڑھادے اور اگر کسی کام کا تقاضا یہ ہو کہ وہ اسی دن پورا کرنا ضروری ہے اور مزدور بھی اس کی تکمیل پر راضی ہے تو اس کو زائد وقت کا معاوضہ دیا جائے۔

۳۔ ملازم کی عزتِ نفس

مالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے ملازم و نوکر کی عزتِ نفس کا پورا خیال رکھے، اس کو ایسے القاب و الفاظ سے نہ بلائے جس سے اس کی عزتِ نفس پر زد پڑتی ہو، حضرت ابوذر غفاریؓ نے ایک دفعہ حضرت بلالؓ کو ان کی ماں سے عار دلائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا کہ: اے ابوذر! تو نے اس کو اس کی ماں سے عار دلائی، تو ایسا شخص ہے جس میں ابھی تک جاہلیت باقی ہے۔

۴۔ ملازم کی مزدوری اور اجرت کی فوری ادائیگی

آج کل مالک اپنے مزدوروں اور ملازموں سے کام لے لیتے ہیں اور اجرت کے لیے انہیں چکر کھاتے ہیں، جو سراسر ظلم و زیادتی ہے، بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے اس ظلم کے مرتکب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

۵۔ درگزر کرنا

ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا، یا رسول اللہ کم اعفون عن الخادم میں اپنے نوکر کو کتنی دفعہ معاف کیا کروں۔ روای کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، اس نے پھر سوال کو دہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تب اس کے جواب میں جوابات کہی وہ یاد رکھنے کی ہے، ارشاد ہوا، "اعفی عنہ کل یوم سبعین مرة" یعنی "روز ستر دفعہ معاف کیا کرو"۔

(ابوداؤد و ترمذی)

۶۔ ملازمین کے ساتھ حسن سلوک

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اخوانکم خولکم جعل اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکفوہم مما یغلبہم فان کلفتہم وہم فاعینوہم

(ترجمہ) خول (یعنی تمہارے ہاتھ کے نیچے کام کرنے والے) تمہارے بھائی ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے ان کو تمہارے ہاتھ کے نیچے ڈال دیا ہے، پھر جس کا بھائی کسی کے ہاتھ کے نیچے پڑ جائے تو چاہیے کہ جو کچھ خود کھاتا ہے اسے کھلائے اور جو خود پہنتا ہو اسے پہنائے اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو ان کو مغلوب کر دے اور اگر ان پر بار ڈالو تو ان کی مدد و اعانت کرو۔ اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۷۔ ماتحت کی مارپیٹ کرنا

ابو مسعود رضی اللہ عنہ بدری صحابی کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ کوڑے سے اپنے غلام کو مار رہے تھے، پیچھے سے ایک آواز، اعلم ابا مسعود "خبر دار ابو مسعود" کی آئی۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں غصہ میں مجھے کچھ پتہ نہ چلا کہ کون ہے کہ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فرما رہے ہیں "اعلم ابا مسعود ان اللہ افدر علیک علیہذا الغلام" (ترجمہ) خبر دار ابو مسعود حق تعالیٰ شانہ تم پر تمہارے غلام سے زیادہ قابو رکھتے ہیں (مسلم) اور غالباً یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ غلاموں اور لونڈیوں کو عبدی (میر غلام) امتی (میری لونڈی) کہنا اور ان لوگوں کا اپنے آقاؤں کو ربی (میرا رب اور مالک) ربتی (میری مالکہ) کہنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی تھی اور حکم تھا کہ بجائے غلام کے فتنائی (میرا جوان) اور آقا کو بجائے رب کے سیدی (میرے سردار) کہا کریں۔

۸۔ غرباء کے اس طبقہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا خیال تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں غریبوں کے اس طبقہ کا کتنا خیال تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ آخری آواز دنیا کے کانوں نے خدا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو سنی وہ "الصلاة وما ملکت ايمانکم"۔ نماز اور جن کے تم مالک ہو ان کی خبر لیتے رہنا (یعنی ان دونوں کے حقوق کا سب سے زیادہ لحاظ رکھنا) کی تھی صلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

ملازم کی ذمہ داریاں

یہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ شریعت مطہرہ نے جس طرح مزدور و ملازمین کے حق کو قائم کیا ہے اسی طرح اس ملازم و مزدور کو بھی پابند کیا ہے کہ وہ جس کام کی مزدوری کو طے کر لے اور جو معاہدہ ادارے و مالک اور ملازم و مزدور کے درمیان طے ہو جائے اس کی رو سے اسے اس معاہدہ اور طے شدہ کام کا حق ادا کرنا ہے اور اس میں کسی کوتاہی، لاپرواہی، بے فکری، ملازمت کے وقت ذاتی کام کرنے اور دیگر مصروفیات کو سرانجام دینے کی اجازت نہیں ہے، اس نے اس وقت اور فکر و محنت کو مالک و ادارے کو فروخت کر دیا ہے، اب اس میں وہ کسی قسم کا کوئی ذاتی کام و فکر کرنے کا مجاز نہیں ہے حتیٰ کہ فرائض واجبہ کے علاوہ وہ عملاً اس کام کے سوا کوئی دینی کام و عبادت وغیرہ بھی کرنے کا حق دار نہیں ہے، اسی طرح اپنی فکر کو کسی ذاتی مسئلے کے حل کرنے میں بھی نہیں لگا سکتا ہے۔

{ وَيَلِلْ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا أَكْمَلُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُواهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ } (التطفيف: ۱۰۲، ۳)

ترجمہ: "خرابی گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیں لوگوں سے پورا بھر لیں اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں۔"

گو لوگوں سے اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں ہے اور اس کے ذکر کرنے سے مقصود خود اس پر مذمت کرنا نہیں ہے بلکہ کم دینے پر مذمت کی تاکید و تقویت ہے یعنی کم دینا اگرچہ فی نفسہ مذموم ہے لیکن اس کے ساتھ اگر دوسروں کی ذرا رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ مذموم ہے۔

تطفیف کے معنی ناپ تول میں کمی کرنا ہے، قرآن کریم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ تطفیف یعنی ایک حق دار کا حق پورا نہ کرنا اس میں کمی کرنا حرام ہے، یہ صرف ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اس کا یہی حکم ہے، مثلاً مزدور و ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا اس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا اس میں داخل ہے، وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اس میں سستی کرنا بھی تطفیف ہے، اس میں عام لوگوں میں یہاں تک کہ اہل علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

(ماخوذ از معارف القرآن: ۶۹۳-۶۹۴)

سرکاری ملازم ہوں یا نجی ملازم ان کے اوقات کار ان کے اپنے نہیں بلکہ جس ادارے کے وہ ملازم ہیں اس نے تنخواہ کے عوض ان کے ان اوقات کو ان سے خرید لیا ہے، ان وہ اوقات اس ادارے کی امانت ہیں اگر وہ ان اوقات کو اس کام پر صرف کرتے ہیں جو ان کے سپرد کیا گیا ہے، تو امانت کا حق ادا کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال ہے اور اگر ان اوقات میں کوئی دوسرا کام کرتے ہیں (اگرچہ وہ کوئی نیک کام مثلاً تلاوت ہی کیوں نہ ہو) یا کوئی کام نہیں کرتے بلکہ گپ شپ میں وقت گزار دیتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال نہیں۔ (ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ ج ۶)

اس حدیث کی رو سے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مزدور کو اس کی مزدوری ادا کر دو، قبل اس کے کہ اس کا پسینہ خشک ہو جائے" اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مزدور و ملازم کام میں ایسی طرح لگیں اور اتنی محنت و تندہی اور ذمہ داری سے کریں کہ انہیں پسینہ آجائے اور وہ جس کام کا معاوضہ لینا چاہتے ہیں اس کا انہوں نے حق ادا کیا ہو اور۔

ہمارے ملازم طبقے سے اس معاملے میں بہت کوتاہی ہوتی ہے، دیانت و امانت کے ساتھ کام کے وقت کام کرنا اور پوری صلاحیت اور استعداد اس کام پر صرف کرنے کا تصور ہی جاتا رہا، اگر ملازمین کو دل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس ہو اور انہیں معلوم ہو کہ کل قیامت کے دن ان کو اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے تو اپنی مفوضہ و سپرد کردہ ذمہ داری کو دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیں اور مالکان ان کے طرز عمل سے پریشان نہ ہوا کریں۔

(ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ ج ۶)

ایک ایک منٹ کا حساب ہو گا

کسی زمانے میں تو دفاتروں میں ذاتی کام چوری چھپے ہو کر کرتے تھے، مگر آجکل دفاتروں کا یہ حال ہے کہ ذاتی کام چوری چھپے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ کھلم کھلا، علانیہ، ڈنکے کی چوٹ پر کیا جاتا ہے۔ اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں کہ تنخواہیں بڑھاؤ، الاؤنس بڑھاؤ، فلاں فلاں مراعات ہمیں دو اور اس مقصد کے لئے احتجاج کرنے، جلسے جلوس کرنے اور نعرے لگانے کے لئے، ہڑتال کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے ذمے کیا حقوق عائد ہو رہے ہیں؟ ہم ان کو ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہم نے آٹھ گھنٹے کی ملازمت اختیار کی تھی، ان آٹھ گھنٹوں کو کتنی دیانت اور امانت کے ساتھ خرچ کیا اس کی طرف بالکل دھیان نہیں جاتا۔ یاد رکھو، ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، جو دوسرے کے حقوق میں کمی کرتے ہیں، اور جب دوسروں سے حق وصول کرنے کا وقت آتا

ہے تو اس وقت پورا پورا لیتے ہیں، یاد رکھو، اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ہاں ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا، اس میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۴۶)

تنخواہ حرام ہوگی

آج تنخواہ بڑھانے کی درخواست دینے کے بارے میں تو آپ روزانہ سنتے ہیں، لیکن یہ کہیں سننے میں نہیں آتا کہ کسی نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے دفتری اوقات میں اتنا وقت ذاتی کام میں صرف کیا تھا، لہذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لی جائے۔ یہ عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے پیش ہونے کی فکر ہو۔ آج ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے، مزدوری کرنے والے، ملازمت کرنے والے لوگ کتنا وقت دیانت داری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر صرف کر رہے ہیں؟ آج ہر جگہ فساد برپا ہے، خلق خدا پریشان ہے، اور دفتر کے باہر دھوپ میں کھڑی ہے اور صاحب بہادر اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں مہمانوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہیں۔ چائے پی جا رہی ہے۔ ناشتہ ہو رہا ہے۔ اس طرز عمل میں ایک طرف تو تنخواہ حرام ہو رہی ہے، اور دوسری طرف خلق خدا کو پریشان کرنے کا گناہ الگ ہو رہا ہے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۴۷)

چنانچہ اس بارے علمائے اسلام کے عبرت کیلئے کچھ واقعات درج ہیں:

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب ناٹوٹوی کے متعلق مشہور ہے کہ اگر اوقات مدرسہ میں کوئی شخص ذاتی کام کے لئے آ جاتا تو حضرت چپکے سے گھنٹہ دیکھ لیتے اور اس کے جانے کے بعد دوبارہ گھنٹہ دیکھ کر جتنے منٹ اس میں خرچ ہوتے نوٹ کر لیتے اور آخر ماہ میں سب جمع کر کے تنخواہ میں سے وضع کر دیتے تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جو مدرسہ تھا، اس مدرسہ کے ہر استاد اور ہر ملازم کے پاس ایک روزنامچہ رکھا رہتا تھا۔ مثلاً ایک استاد ہے اور اس کو چھ گھنٹے سبق پڑھانا ہے، اب سبق پڑھانے کے دوران اس کے پاس کوئی مہمان ملنے کے لئے آگیا تو جس وقت مہمان آتا، وہ استاد اس کے آنے کا وقت اس روزنامچے میں لکھ لیتا، اور پھر جب وہ مہمان رخصت ہو کر واپس جاتا تو اس کے جانے کا وقت بھی نوٹ کر لیتا۔ سارا مہینہ وہ اسی طرح کرتا اور جب

مہینے کے آخر میں تنخواہ ملنے کا وقت آتا تو وہ استاد دفتر میں ایک درخواست دیتا کہ اس ماہ کے دوران میرا تنخواہ قلمبندوں کے ساتھ صرف ہوا ہے، لہذا اتنی دیر کی تنخواہ میری تنخواہ میں سے کم کر لی جائے۔ اس طرح ہر استاد اور ہر ملازم درخواست دے کر اپنی تنخواہ کٹواتا۔ صرف مہمان کے آنے کی حد تک نہیں بلکہ مدرسہ کا یہ وقت بکا ہوا ہے، اب یہ وقت ہمارا نہیں ہے، جس ادارے میں آپ نے ملازمت کی ہے وہ وقت ادارے کی ملکیت بن گیا۔ اب اگر آپ نے اس وقت کے اندر کمی کی تو اتنے وقت کی تنخواہ آپ کے لئے حرام ہو گئی۔ آج ہم لوگوں کو اس طرف دھیان نہیں ہے۔ ہم لوگ تو صرف سود کھانے اور رشوت لینے کو حرام سمجھتے ہیں، لیکن ان مختلف طریقوں سے ہماری آمدنیوں میں جو حرام کی آمیزش ہو رہی ہے اس کی طرف ہمارا ذہن نہیں جاتا۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۲۷۰)

حضرت سہارنپوریؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب سفر حجاز کے ایک سالہ قیام کے بعد واپسی ہوئی اور بمبئی مولانا زکریا صاحب کے والد صاحب کے انتقال کا تار پہنچا تو مدرسہ میں تنخواہ لینے سے انکار فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں اپنے ضعف اور پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کر سکتا۔ لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے وہ میرا ہی کام سمجھ کرتے تھے اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک مدرسہ سے زیادہ کام کرتے تھے اور اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کا پورا کام بخوبی نہیں کر سکتا۔ اس لئے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔ اس پر حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب راہپوریؒ سے بڑی طویل تحریرات ہوئیں۔ بالآخر تدریس کی تنخواہ موقوف ہو کر نظامت کی تنخواہ تجویز ہوئی۔

الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر میں لکھا ہے کہ حضرت مدنیؒ جتنے دن پڑھاتے تھے اس کے علاوہ ایک دن کی تنخواہ لینا بھی گوارا نہ تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ سفر مدرسہ کے سلسلہ میں کیا مگر تنخواہ صرف ایام تعلیم ہی کی لی۔ آخری بیماری میں ایک ماہ کی رخصت بیماری کا قانونی حق تھا، لیکن رخصت نہیں لیا اور اس ایک ماہ کی تنخواہ دارالعلوم کی طرف سے بھیجی گئی تو یہ فرما کر واپس کر دی کہ میں نے پڑھایا ہی نہیں تو تنخواہ کیسی، آپ کی وفات کے بعد اس رقم کو لیکر مہتمم صاحب آپ کے مکان پر تشریف لے گئے اور آپ کی اہلیہ سے عرض کیا کہ شرعاً یہ پیسہ لینا حلال ہے حق ہے۔ حضرت نے زہد و تقویٰ یہ ہے نہیں لیا تھا آپ فرمائیں تو آپ کی خدمت میں پیش کروں انہوں نے شکریہ کے ساتھ رقم واپس کر دی اور فرمایا کہ جس چیز کو حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا میں کیسے پسند کر سکتی ہوں۔

ایک ادارے میں کام کرنے والے ساتھیوں کے باہمی حقوق و آداب

اسلام نے ادارے میں کام کرنے والے ساتھیوں کے بھی ایک دوسرے پر حقوق وضع کئے ہوئے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے سے اس ادارے کا ماحول بہترین اور کام کرنے والے ساتھیوں کی کارکردگی میں اور ادارے کی ساکھ میں اضافہ ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

{ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ } (النساء: ۳۶)

ترجمہ: "اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر (کے ساتھ احسان کرو)۔"

جار الجنب (ہم نشین اور ساتھ کام کرنے والا ساتھی) کے لفظی معنی ہم پہلو ساتھی کے ہیں اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو عام مجلس میں ساتھ بیٹھا ہو عمومی کام میں ساتھ ہو۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ "صاحب بالجنب" میں ہر وہ شخص بھی داخل ہے جو کسی کام و پیشہ یا صنعت و حرفت یا دفتر کی ملازمت وغیرہ میں شریک ہو۔

(روح المعانی)

شریعت اسلام نے جس طرح نزدیک و دور کے دائمی پڑوسیوں کے حقوق واجب فرمائے ہیں اسی طرح اس شخص کا بھی حق صحبت و معیت لازم کر دیا ہے جو آپ کے برابر بیٹھا اور ساتھ کام کرتا ہے، جس میں مسلم و غیر مسلم سب برابر ہیں اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ہدایت فرمائی ہے، جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول و فعل سے اس کو ایذا نہ پہنچے کوئی گفتگو ایسی نہ کریں جس سے اس کی دل آزاری ہو، کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اس کو تکلیف ہو، مثلاً ساتھیوں کی موجودگی میں سگریٹ نوشی، اونچی آواز میں شور و غل کرنا وغیرہ اسی طرح کے غرضیکہ کوئی ایسا کام جس سے ساتھیوں ایذا ہو سے ممانعت ہے۔ ہم لوگ قرآن کریم کی اس ہدایت پر عمل کر لیں تو ساتھ کام کرنے والے لوگوں کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے اور کام بہتر اور عمدہ انداز میں سرانجام پائے گا۔

کسی ادارے میں ایک ساتھ کام کرنے والے ملازمین کے آپس کے مزید حقوق و آداب باب ۱۳ کی پانچویں فصل کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

بہت قریبی ساتھیوں کے حقوق و آداب

عمومی ساتھیوں کے علاوہ بہت قریبی ساتھی جیسے ایک ہی شعبہ یا ایک ہی کمرے میں کام کرنے والے ساتھیوں کے کچھ حقوق زیادہ ہوتے ہیں مثلاً:

- ا. اس کے ساتھ احسان اور رعایت سے پیش آوے۔
- ب. اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔
- ت. وقتاً فوقتاً اس کی خاطر تواضع کرے اور ہدیہ تحفہ سے اکرام کرتا رہے۔
- ث. اس کو تکلیف نہ دے، اور چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں میں اس سے نہ الجھے۔
- ج. اس کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم رکھے۔

ضرورت مند ساتھیوں کے آداب و حقوق

ایک ادارے میں کام کرنے والے ساتھی جو کسی طرح عام ساتھیوں سے کمزور اور محتاج ہوں جیسے یتیم اور بیوہ، عاجز و ضعیف یا مسکین و بیمار اور ہاتھ پاؤں سے معذور نابینا وغیرہ ان کے اوپر ذکر کردہ حقوق کے علاوہ یہ حقوق زائد ہیں۔

- ✓ ان لوگوں کی خدمت مال سے کرنا۔
- ✓ ان لوگوں کی خدمت اپنے ہاتھ پاؤں سے کر دینا۔
- ✓ ان لوگوں کی دلجوئی و تسلی کرنا۔
- ✓ ان کی حاجت اور سوال کو رد نہ کرنا۔

غیر مسلم ساتھیوں کے بعض حقوق

بعض اداروں میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی کام کرتے ہیں تو مسلمان کے ذمہ ضروری ہے کہ ان کے ساتھ درج ذیل امور کی رعایت رکھے:

- بے خطا کسی کو جان و مال کی تکلیف نہ دے۔
- بے وجہ شرعی کسی کے ساتھ بدزبانی نہ کرے۔
- اگر کسی کو فاقہ، مصیبت اور مرض میں مبتلا دیکھے تو اس کی مدد کرے، کھانا پانی دے، علاج معالجہ کر دے۔
- جس صورت میں شریعت نے سزا کی اجازت دی ہے اس میں ظلم و زیادتی نہ کرے۔

(بہشتی زیور ص ۳۶ تا ۴۷ حصہ ۴۔ بتغییر قلیل من العامة الی الزلاء)

باب نمبر پندرہ

ذمہ داری و رہنمائی

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- ◀ پہلی فصل: ذمہ داری و رہنمائی کی تعریف و ذمہ دار کی صفات:-
- ◀ دوسری فصل: طے شدہ امور کو عملی شکل:-
- ◀ تیسری فصل: تنفیذ میں پیش آنیوالی مشکلات کے اسباب اور ان کا اسلامی حل:-

پہلی فصل: ذمہ داری و رہنمائی کی تعریف و ذمہ دار کی صفات

تعریف

متعلقہ ادارے یا شعبے کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ذمہ دار افراد کا عملے کو ترغیب کے ذریعہ جذبہ بنا کر مطلوبہ اہداف کے حصول کیلئے ان سے کام لینے کی اہلیت اور قابلیت۔

رہبری و رہنمائی:

کسی بھی ادارے کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ادارے کے لوگوں کی موثر انداز سے رہنمائی اور رہبری ناگزیر ہے۔ مناسب رہنمائی کے بغیر افراد سے کام لینا محال ہے۔ یہ رہنمائی ہوتا ہے جو تمام افراد کے محور و مرکز کے محور پر کام کرتا ہے اور مختلف طبقوں اور مزاجوں اور استعداد رکھنے والوں کو جوڑ کر چلاتا ہے۔ اور مزاج شناسی اور مردم شناسی موقعہ شناسی کے اصولوں کو حد نظر رکھتے ہوئے ان کی موقعہ بموقعہ رہنمائی کرتا ہے۔ رہنمائی کے بغیر تمام افراد کی استعدادیں مقصد کی طرف بڑھنے کی بجائے آپس میں ٹکراؤ کا باعث بنتی ہیں اور ایک اچھی رہنمائی کے ذریعہ سے یہ استعدادیں بڑے بڑے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار واقعات سے یہ پتہ چلا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ موقعہ بموقعہ کیسے رہنمائی فرمائی اور کیسے ان کی رہنمائی کے اندر میں حوصلہ افزائی، ترغیب، نرمی،

شفقت کا پہلو ان تمام چیزوں میں غالب تھا۔ جیسا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مشکلات میں دیکھ جنت کی خوشخبری سنا کر ان کے حوصلے کو بڑھایا اور جنگ حین کے ابتدائی مرحلے میں صحابہ کے بکھر جانے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمنے اور ان کو ترغیب دینے پر صحابہ کا دوبارہ جم کر لڑنا اور فتح یاب ہونا۔ اور جنگ خندق کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مشکلات کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہ کی موقعہ نموقعہ رہنمائی کرتے رہے اور معاملے میں شانہ بشانہ بلکہ ان کے آگے بڑھ کر رہنمائی فرماتے رہے جیسا کہ خندق کھودنا اور حضرت حذیفہ کو جاسوسی کے لیے بھیجنا اور پیٹ پر پتھر باندھنا اور پتھر کے نہ ٹوٹنے پر خود کو دال لے کر پتھر کو توڑنا اور ساتھ ہی خوشخبری کا دینا کہ کسریٰ و قیصر فتح ہو گیا۔ اور اس کٹن مرحلے میں جب سردی بھوک اور اندرونی اور بیرونی خطرات میں بے گھیرے صحابہ کی حوصلہ افزائی۔

اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننے ہی تمام پریشانیوں کے باوجود صحابہ کی رہنمائی کرنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنے لشکروں کو بھیجنے کے بعد ان کی مسلسل نگرانی اور رہنمائی کرتے رہنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ موثر رہنمائی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کتنی ضروری ہے۔

ذمہ دار کی رہنمائی کی مسلمان کام کرنے والے ساتھیوں کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے، اور جب مسلمان ذمہ دار اور کام کرنے والے ساتھیوں کا ایمان بنا ہوا ہوتا ہے اور ان میں اچھی صفات پیدا ہو چکی ہوتی ہیں، جس کا اسلام سب سے پہلے بند و بست کرتا ہے، اور ذمہ دار کے فیصلے شخصی ہونے کی بجائے مشورہ سے ہوتے ہیں تو ذمہ دار کی رہنمائی بہت ہی اہم کردار کرتی ہے، اور ساتھی خود اس سے پوچھ پوچھ کر چلتے اور اس سے قدم قدم پر رہنمائی لے کر کاموں کو سرانجام دینے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ صحابہ کرام تو اپنے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے ایسے طریقے سے رہنمائی کرتے تھے جس کی اسلام کے علاوہ دیگر قومیں تصور بھی نہیں کر سکتیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "ياسارية الجبل" کہ ہزاروں میل دور سے اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو کہہ کر انکی رہنمائی کر کے، انہیں بہت بڑی شکست سے بچالینا ایسی ان گنت ولا تعد ولا تحصی مثالیں ہیں جس کو مسلمان منتظم و ذمہ دار کو ایمان و اعمال بنالینے سے خود ہی حاصل ہو جاتی ہیں، اور ان کے ذریعے سے بنسبت غیروں کے وہ زیادہ بہتر طریقے سے اپنے ساتھیوں کی رہنمائی اور ان کی مدد کر لیتا ہے، اسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "اتقوا من فراسة المؤمن فانه ينظرو بنور الله" کہ مؤمن کی فراست سے بچو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، جب منتظم و ذمہ

دار کو اللہ تعالیٰ کے نور سے حصہ مل جائے تو اس کے ذریعے وہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی کتنی مدد و رہنمائی کر سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم خود اس صورت سے دوچار ہو کر اس سے فائدہ نہ اٹھالیں۔

چنانچہ اسلام نے ذمہ دار کو اپنے ساتھیوں کو لے کر چلنا، ان سے ترغیب و شوق دلا کر کام لینا اور خیر خواہی و ہمدردی سے رہنمائی کرنا، ان کی حوصلہ افزائی کرنا، ان کے اندر آپس میں محبت و تعلق اور کام سے لگاؤ اور تقانی پیدا کرنا یہ اور اس طرح کی دیگر کتنی عظیم تعلیمات دی ہیں، نیز ساتھیوں کے ساتھ سختی، ڈانٹ ڈپٹ، زجر و توبیخ، سزا و نالاش وغیرہ، غیروں کے طریقوں کو ناپسند کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کے ساتھ شدید خلوص و خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کو کفر سے نکلنے اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا، ان سارے عظیم احسانات کے باوجود اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں:

{وَلَوْ كُنْتَ فَطًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَنفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ} (آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: "اگر تم بد خو اور سخت دل ہوتے تو یہ یعنی صحابہ کرام تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے"، اس امر میں ذمہ دار اور امیر کے لئے رہنمائی ہے، اور دوسری آیت شریفہ میں ارشاد ربانی ہے

{وَأَبْتَغُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنسُوا الْفَصْلَ بَيْنَكُمْ} (البقرة: ۲۳۷)

ترجمہ: "اور اگر تم مرد لوگ اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیز گاری کی بات ہے، اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا" اس آیت شریفہ میں عام مسلمان ساتھیوں کو آپس میں چلنے کے متعلق رہنمائی کی گئی ہے، کہ عفو و درگزر اور اپنے حق کو اپنے ساتھیوں کے فائدے کیلئے قربان کر دیں، آپس میں بھلائی کریں۔"

آج ہر طرف اپنے حقوق مانگنے کا مطالبہ سکھایا جاتا ہے، اور حقوق کی بڑی قسمیں بتائی جاتی ہیں، کوئی بنیادی حقوق ہیں تو کوئی حقوق نسواں ہیں وغیرہ وغیرہ، پھر ان کے لئے نئے طریقوں و ہتھکنڈوں کی تعلیم و ترغیب دی جاتی ہے، اور پھر بھی حق دار کو حق ساری زندگی نصیب نہیں ہوتا، جبکہ اسلام کی تعلیمات ایسے حل پیش کرتی ہیں جن سے زیادہ بہتر طریقے سے نتائج کا حصول یقینی اور زیادہ آسان ہوتا ہے، اسلام اپنے حقوق مانگنے کی بجائے دوسروں کے لئے حقوق کو قربان کرنا سکھاتا ہے اور اس

کی حکمت یہ ہے، کہ جب ہر آدمی اپنے حقوق چھوڑ کر دوسروں کے حقوق ادا کرنے لگ جائیگا جس کے نتیجے میں دوسرے اس کے ساتھ یہی اسلوب و رویہ اختیار کریں گے تو اس کے حقوق لامحالہ خود ہی ادا ہو جائیں گے، اور اسے کوئی تنگ و دو اور کوشش و مطالبہ، جلوس و احتجاج کرنے کی نوبت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے ان سے استفادہ کرنے اور ان کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرماویں۔

ذمہ دار کی اطاعت و حقوق

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ] (النساء: ۵۹)

ترجمہ: "مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیان میں فرمایا اے لوگو! (اپنے امیر کی) بات ماننا اور آپس میں اکٹھے رہنا اپنے لئے ضروری سمجھو کیونکہ یہی چیز اللہ کی وہ رسی ہے جس کو مضبوطی سے تھامنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور آپس میں جڑ مل کر چلنے میں جو ناگوار باتیں تمہیں پیش آئیں گی وہ تمہاری ان پسندیدہ باتوں سے بہتر ہیں جو تم کو الگ چلنے میں حاصل ہوں گی۔

[Comment Z23]: حوالہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اپنے امیر کی بات سنو اور مانو چاہے تم پر کان کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنادیا گیا ہو۔ اگر وہ تمہیں تکلیف پہنچائے تو اسے برداشت کرو اور اگر وہ کسی کام کا حکم تو اسے مانو اور اگر وہ تمہیں کچھ نہ دے تو صبر کرو اور اگر وہ تم پر ظلم کرے تو بھی صبر کرو اور اگر وہ تمہارے دین میں سے کم کرنا چاہے تو اس سے کہدو جان حاضر ہے دین نہیں (میں جان دے سکتا ہوں لیکن دین میں کمی برداشت نہیں کر سکتا) چاہے کچھ بھی ہو جائے تم جماعت سے جدا نہ ہونا۔

[Comment Z24]: حوالہ

امراء کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جو ہمارے بڑے تھے انہوں نے ہمیں (امراء کے بارے میں چند باتوں سے) منع کیا (اور وہ چند باتیں یہ ہیں کہ):

♦ تم اپنے امیروں کو برا بھلا نہ کہو

- ♦ اور ان کو دھوکہ مت دو
- ♦ اور ان کی نافرمانی نہ کرو
- ♦ اور اللہ سے ڈرتے رہو
- ♦ اور صبر کرو

کیونکہ موت (یا قیامت) عنقریب آنے والی ہے۔

[Comment Z25]: حوالہ

امیر کے سامنے زبان کی حفاظت کرنا

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور میں نے ان سے کہا اے ابو عبد الرحمن! (یہ حضرت عبداللہ بن عمر کی کنیت ہے) ہم اپنے ان امیروں کے پاس بیٹھتے ہیں اور وہ کوئی بات کہتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ (یہ بات غلط ہے اور) صحیح بات کچھ اور ہے لیکن ہم ان کی بات کی تصدیق کر دیتے ہیں اور وہ لوگ ظلم کا فیصلہ کرتے ہیں اور ہم ان کو تقویت پہنچاتے ہیں اور ان کے اس فیصلہ کو اچھا بتاتے ہیں آپ کا اس بارے کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا اے میرے بھتیجے! ہم تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسے نفاق شمار کرتے تھے (کہ دل میں کچھ اور ہے اور زبان کچھ اور ظاہر کر رہا ہے) لیکن مجھے پتہ نہیں تم لوگ اسے کیا سمجھتے ہو؟ (یعنی امیر کے سامنے حق بات نہ کہہ سکے تو اس کے غلط کو بھی صحیح تو نہ کہے۔)

[Comment Z26]: حوالہ

امیر کے سامنے حق بات کہنا اور جب وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کے حکم کو ماننے سے انکار کر دینا

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی (پڑھی ہوئی) ایک آیت کا انکار کیا (کہ یہ قرآن میں نہیں ہے یا قرآن میں اس طرح نہیں ہے) حضرت ابی نے کہا میں نے اس آیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور تم تو بقیع بازار میں خرید و فروخت میں مشغول رہا کرتے تھے (اس لئے تمہیں یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کا موقع نہیں ملا) حضرت عمر نے فرمایا تم نے ٹھیک کہا۔ میں نے تمہاری آیت کا قصد انکار تم لوگوں کو آزمانے کے لئے کیا تا کہ پتہ چلے کہ تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جو (امیر کے سامنے) حق بات کہہ سکے۔ اس امیر میں کوئی خیر نہیں ہے جس کے سامنے حق بات نہ کہی جاسکے۔

[Comment Z27]: حوالہ

حضرت موسیٰ بن ابی عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو حارثہ کی پانی کی سبیل کے پاس آئے وہاں انہیں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے محمد! مجھے کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں آپ کو ویسا پاتا ہوں جیسا میں چاہتا ہوں اور جیسے ہر وہ آدمی چاہتا ہے جو آپ کے لئے بھلا چاہتا

ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ مال جمع کرنے میں خوب زور دار ہیں لیکن آپ خود مال سے بچتے ہیں اور اسے انصاف سے تقسیم کرتے ہیں۔ اگر آپ ٹیڑھے ہو گئے تو ہم آپ کو ایسے سیدھا کر دیں گے جیسے اوزار سے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر نے (خوش ہو کر) فرمایا اچھا (تم مجھے کہہ رہے ہو کہ) اگر آپ ٹیڑھے ہو گئے تو ہم آپ کو ایسا سیدھا کر دیں گے جیسے اوزار سے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسے لوگوں میں (امیر) بنایا کہ اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں۔

[Comment Z28]: حوالہ

حضرت عیسیٰ بن عطیہ کی روایت میں ہے کہ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! اپنی نگاہوں سے میری نگرانی کرو۔ اگر میں سیدھا چلوں تو تم میری مدد کرو اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو تم مجھے سیدھا کر دو۔ اگر میں اللہ کی اطاعت کروں تو تم میری بات مانو اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم میری بات نہ مانو۔

[Comment Z29]: حوالہ

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے ربذہ منتقل ہونے کا حکم دیا تھا۔ ربذہ میں اہل عراق کی ایک جماعت ان کے پاس آئی اور ان سے کہا "عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اگر آپ علم بغاوت بلند کر دیں تو جتنی فوج آپ حکم دیں ہم جمع کر دیں گے۔" سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا: "ایسی باتیں مت کرو، اور شیطان کے اشاروں پر مت چلو، بے شک جو حاکم عادل کو نیچا دکھانا چاہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ خدا کی قسم! اگر عثمان رضی اللہ عنہ مجھے تختہ دار پر بھی لٹکا دے یا مجھے سلطنت کے ایک دور دراز کونے سے دوسرے دور دراز کونے کی طرف مسلسل سفر کا حکم دے تو بھی میں اس کی اطاعت کروں گا اور صبر کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں میرے لئے اجر و ثواب اور بہتری ہے، سر تسلیم خم کر دوں گا۔" (سیرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ)

۱. نظم و نسق کی اسلامی ترتیب

نظم و نسق کے متعلق قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

{ اَمْھُمْ یُقْسِمُوْنَ رَحْمَةً رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْسَتُهُمْ فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

ذَرَجَاتٍ } (الزخرف: ۳۲)

ترجمہ: "کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے"

تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے، ایک انسان دوسرے کو استعمال کر کے دنیا کے کام سرانجام دے یہ ترتیب ربانی ہے جو اس کائنات کے بنانے والے نے انسانوں کے آپس میں کام آنے کیلئے کائناتی و بشری ترتیب وضع کر دی ہے۔

اسلام نے آپس میں ایک دوسرے کے کام آنے اور مل کر نظام کے زندگی کو چلانے کے نظم و نسق کیلئے سب سے پہلے مواخات کا اصول دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا (تآخوا فی اللہ أخواین أخواین) اللہ کیلئے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ، بھائی چارے کا یہ عظیم اصول اسلام نے مسلمانوں کو دیا ہے، کہ اللہ کی اور دین کی بنیاد پر مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ یہ وہ اسلامی تنظیم کی مثال ہے، جس نے مدینہ منورہ کی معاشرتی، معاشی و اقتصادی اور سیاسی ترقی و کامیابی کی بنیاد ڈالی۔

نظم و نسق میں اسلام کی ترتیب یہ نہیں ہوتی کہ ذمہ دار اپنے ساتھیوں کی نگرانی اور ان کو جانچتا اور کنٹرول کرنے میں اپنی صلاحیتیں ضائع کرتا پھرے، بلکہ اسلام ایمان و امانت داری، خوف خدا و فکر آخرت کی صفت دلوں میں پیدا کر کے انسان کو خود نظمی (سیلف ڈسپلن) یعنی دل سے بڑے کی اطاعت اور خود احتسابی (سیلف چیک اینڈ بیلنس) کا خود کار نظام مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے، دل و جان سے اپنے بڑے کی اطاعت کرنے سے نظم و نسق کی ایسی عمدہ ترتیب وجود میں آ جاتی ہے، کہ پھر بہت سی بدنظمی اور ذمہ دار کی ظاہری اطاعت اور پیٹھ پیچھے نفرت جیسی صورت حال کا اسلامی انتظامات میں تصور نہیں ہوتا، اور ذمہ دار کو اپنی اطاعت فرمانبرداری کروانے کیلئے پکڑ دھکڑ اور سزا و جزا نگرانی و جاسوسی جیسے ہتھ کنڈوں کی ضرورت نہیں رہتی اور انسانوں کی توانائیاں ایک منظم جماعت کی شکل میں زیادہ بہتر طریقے سے، اپنے منصوبوں کو وجود دینے میں خرچ کر کے جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے میں خرچ ہوتی ہیں اور معاشرہ تیزی سے ترقی کرتا ہے۔

اس اسلامی طرز نظم و نسق و طریقہ اطاعت کا بہترین نمونہ مسلمانوں کی نماز سے ملتا ہے، جس میں ہر نمازی اپنے اللہ کو راضی کرنے اور اس کا حکم بجالانے کیلئے مکمل طریقے سے اپنے امام کی اطاعت و پیروی کر کے اپنی نماز کو عمدہ سے عمدہ بنانے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے، اور امام اپنے مقتدیوں کی نگرانی اور ان سے صحیح طریقے سے نماز ادا کرانے پر طاقت و توانائی خرچ کرنے کی بجائے اس کی پوری توجہ و توانائی ان کی قیادت و امامت پر خرچ ہو کر عمدہ سے عمدہ قیادت و امامتی رہنمائی پر صرف ہو رہی ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: امام نمازیوں کا (ان کے افعال و ارکان و تعداد رکعات پر نگاہ رکھ کر) ضامن و ذمہ دار ہوتا ہے اور مؤذن نمازیوں کا امانت دار ہوتا ہے، اے اللہ اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنین کو بخش دے۔

(رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و الشافعی)

امام کی نمازیوں کی اتنی زیادہ ذمہ داری کے باوجود امام کو ایک فیصد بھی اپنے مقتدیوں کی نگرانی و پکڑ دھکڑ سے اطاعت کروانے کی ضرورت نہیں رہتی، یہ نظم و نسق کا کتنا عظیم طریقہ ہے جو صرف نماز میں ہی نہیں بلکہ اسلامی زندگی کے تمام شعبوں میں پایا جاتا ہے، اسلام نے مامورین کو اپنے بڑے ذمہ دار کی اطاعت و فرمانبرداری کو عبادت و اجر و ثواب کا درجہ دیدیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ [النساء: ۵۹]

ترجمہ: "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے اولی الامر کی"

، اور حدیث شریف میں ہے کہ: میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور اپنے بڑے کی اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں چاہے وہ حبشی غلام ہی ہو۔

(بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱)

اطاعت کرنے کی وجوہات میں سے تین وجوہات زیادہ اہم ہوتی ہیں

۱۔ خوبصورت آدمی کی اطاعت پر ہر کسی کی طبیعت آمادہ ہوتی ہے، اور سب کو معلوم ہے کہ حبشی شخص رنگ و نسل کے اعتبار سے خوبصورت نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ بنسبت غلام کے آزاد آدمی کی اطاعت کرنے کو دل زیادہ آمادہ ہوتا ہے۔

۳۔ عقل مند و دانا آدمی کی، اسکی دانائی عقل مندی کی وجہ سے ہر کوئی اس کی اطاعت کر کے خوش ہوتا ہے، حبشی اور غلام ہونا دونوں اس طرف نشان دہی کرتے ہیں اس شخص کے پاس دانائی و عقل مندی کی کم ہوگی۔

حبشی غلام میں عام طور پر اطاعت کرنے کی وجوہات کے نہ ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بڑے اور ذمہ دار کی اطاعت کا حکم دیا چاہے وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے اطاعت کی کتنی اہمیت اور تاکید بیان فرمائی ہے اور یہی وہ چیز ہے، جس سے دنیا میں اداروں کے نظام درست طریقے سے چلتے ہیں، اس لئے کہ ہر شعبے کی ترقی اس سے متعلقہ نظام کے نافذ ہونے سے ہی ممکن ہوتی ہے، جب اس شعبے میں اطاعت کے جذبہ سے سرشار ساتھی ہو گئے تو نظام کو اس شعبے میں نافذ کرنے اور اس سے نتائج حاصل کرنے کے امکانات کتنے روشن ہو جائیں گے، اسی سے یہ بہت واضح ہوتی ہے کہ دین اور اس متعلق تعلیمات کی ہمیں ہر شعبے میں ضرورت ہے اور ہماری ناکامی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دین ہماری ترقی میں رکاوٹ ہے، بلکہ دین سے دوری ہی ہماری ناکامی کی اصل وجہ ہے، اگر ہم دین کو زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے اندر نافذ کر لیں تو ہماری ترقی کتنی تیز اور حتمی ہو جائے جس کا اندازہ شاید ہمیں نہیں ہے۔ اللہ کرے کہ یہ بات ہمیں جلد سمجھ میں آجائے۔

نظم و نسق و اطاعت کا یہ عظیم اسلوب دنیا کے کونسے طرز انتظامات و طریقہ مینجمنٹ میں ملتا ہے۔ آج مسلمان نے غیروں کی طرز انتظامات اختیار کر کے اسلامی طرز انتظامات کی بہت سی خوبیوں سے اور ان کے فائدوں سے خود کو محروم کیا ہوا ہے، جس سے بہت سارے اخراجات کرنے اور توانائیاں صرف کرنے کے باوجود بھی منصوبے انجام پذیر نہیں ہو رہے، کبھی پنج سالہ منصوبے بنتے ہیں اور کبھی دس سالہ اور زیادہ منصوبے دھڑے کے دھڑے ہی رہ جاتے ہیں۔

دوسری فصل: طے شدہ امور کو عملی شکل

۱. طے شدہ امور کو عملی شکل دینا

مشورہ کے متعلق اللہ کا حکم ہے کہ: [فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ] (آل عمران: ۱۵۹) کہ جب مشورہ سے کسی کام کو کرنے کا عزم کر لو تو پھر اللہ پر توکل کرو، اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے، مشورہ کے بعد دو کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ایک مشورہ میں کسی کام کو کرنے کا فیصلہ اور عزم، پھر اس کے متعلق اللہ پر توکل اور بھروسہ۔

عزم اور توکل کا مطلب و طریقہ:

عزم کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام کو کرنے کا فیصلہ ہو جائے، تو پھر اس میں کسی قسم کے تردد کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اسباب کی کمی پر نظر کرنے اور اپنی کمزوری و ضعف کی وجہ سے قدموں کے ڈمگانے کی بجائے، سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر اور اس پر بھروسہ کر کے قوت عمل کے ساتھ وجود دینے میں لگ جائیں، ان سب کمیوں کو مشورہ کی اور مسلمانوں کے طے کرنے کی برکت سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے خزانوں سے پورا فرمادیں گے، مشورہ کے دیگر فوائد کے علاوہ یہ فائدہ اسلام نے بہت ہی عظیم دیا ہے، کیونکہ بہت سے منصوبے تو تاجر بنالیتا ہے، لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے انہیں پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا اور وسائل مہیا کرنے میں زندگیاں خرچ ہو جاتی ہیں، اور یہاں کسی وسائل کی بجائے اللہ کی قدرت اور طاقت پر یقین کر کے اس سے مستفید ہونے کا گر سکھایا گیا ہے، اسی وجہ سے مسلمان کے منصوبے کم وسائل میں یقینی طور پر جلد پایہ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں۔

توکل کا مطلب یہ ہے کہ، یہ یقین کرنا کہ فیصلہ پر عمل درآمد، میرے کرنے سے نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہو گا۔ جب اسی کے کرنے سے ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں، منجملہ ان کے کچھ درج ذیل ہیں:

- سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صلوة الحاجت پڑھ کر دعا مانگی جائے، کہ اے اللہ میں مخلوق ہوں اور میری کوشش و محنت مخلوق ہے تو اس کو عملی شکل عطا فرما۔

• حسن تدبیر اختیار کی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں [وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا] (البقرہ: ۲۶۹) کہ جس کو حکمت دیدی گئی اس کو بہت سی خیر سے نواز دیا گیا، اس کام کو سرانجام دینے کے لئے جو بہترین سے بہترین اور مسنون طریقہ ہو اسے اختیار کیا جائے اور کوشش یہ کی جائے کہ اس کام کو سرانجام دینے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات نہ ٹوٹنے پائیں۔

• جو وسائل کم یا زیادہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھے ہیں، عقل، طاقت، قوت اور ذرائع ان پر یقین کیئے بغیر اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین کرتے ہوئے، ان کو بھرپور استعمال کرتے ہوئے سعی کی جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ [وَأَنْتَ لَيْسَ لَكَ فَسَادٌ إِلَّا مَا سَخَىٰ] (النجم: ۲۹) کہ انسان کو وہی حاصل ہوتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے، ام لا انسان مانتہی کہ کیا انسان کو وہ مل جاتا ہے جس کی وہ صرف تمنا ہی کرے، یعنی نتائج حاصل کرنے کے لئے تمنا کرنا کافی نہیں، بھرپور کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

• کوشش مکمل کرنے کے بعد اس کوشش میں کمی اور اس کے مسنون طریقہ کے مطابق پوری طرح نہ کر سکنے اور اس کا حق ادا نہ کر سکنے میں جو کمی رہ گئی، اس کے بارے میں استغفار کرے تو اس کے نقصان سے بھی حفاظت ہو جائے گی۔

• اگر کامیابی کے نتائج فوراً ظاہر ہوں تو شکر کرے اور بڑائی میں آنے کی بجائے تواضع اختیار کرتے ہوئے اس کامیابی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح فرمایا تو اس وقت اپنی اور اپنے تمام صحابہ کی محنت و کوشش اور اسکے نتیجے میں ملنے والی کامیابی کی نسبت صرف اللہ جل جلالہ کی طرف کی اور یہ الفاظ فرمائی "الحمد لله وحده وانجز وعده ونصر عبده واعز جنده وهزم الاحزاب وحده" کہ تمام تعریف اس ایک اللہ کے ہی لائق ہیں، جس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اور اپنے بندے کی نصرت فرمائی، اور اپنے جند و لشکر کو عزت دی اور اس اکیلے نے ہی تمام فوجوں کو شکست دی، یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے صحابہ کی اس عظیم کامیابی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کی اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف کامیابی قرار دیا۔

• اور اگر اس کوشش کے نتائج ظاہر نہ ہوں تو اس پر صبر کرے، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا فضل فرماتے ہوئے اس کے نتائج مناسب وقت پر ظاہر فرمائیں گے،

[إِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ] (توبہ: ۱۲۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اچھی طرح کام کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں فرماتے اور

[إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا] (الکہف: ۳۰)

ترجمہ: کہ احسان کے ساتھ اچھے طریقے سے کاموں کو کرنے والوں کا بدلہ اور نتیجہ اللہ ضائع نہیں فرماتے ہیں۔

۱. عملی شکل دینے میں احتیاطی تدابیر

- اپنی محنت و کوشش پر یقین نہ ہو اللہ کی قدرت و نصرت پر پورا یقین ہو۔
- مضبوط قوت ارادی کے ساتھ پوری جدوجہد میں لگنا۔
- عملی کوشش کے دوران اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہ ٹوٹنے پائے جس سے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔
- کاموں کو سرانجام دینے میں اس کام سے متعلق سنت نبوی کا خاص طور پر اہتمام اور کام کرنے کے مسنون طریقہ کے خلاف کام نہ کیا جائے۔
- کام کے دوران کسی سے زیادتی اور کسی کی حقوق تلفی نہ ہو۔
- حتی الامکان اچھے اخلاق اور خندہ پیشانی سے پیش آیا جائے اور بد اخلاقی سے پرہیز کیا جائے۔
- سستی و غفلت سے بچتے ہوئے تندہی اور مستعدی کو اختیار کرنا۔

تیسری فصل: تنفیذ میں پیش آنیوالی مشکلات کے اسباب اور ان کا اسلامی حل

کاروبار میں ناکامی کے اسباب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ } (سورۃ الشوریٰ: ۳۰)

ترجمہ: "اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے"

{ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ } (سورۃ الروم: ۴۱)

ترجمہ: "خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے۔"

مروجہ انسانی علوم میں کسی کاروبار کی ناکامی کی مندرجہ وجوہات بیان کی جاتی ہیں مثلاً سرمائے کی قلت، تجربے کا نہ ہونا، کاروباری معاملہ بازی، طلب کا گرجانا وغیرہ لیکن مندرجہ بالا آیات میں انسانوں کیلئے زبانی رہنمائی کی گئی ہے کہ انسان کو درپیش تمام مصائب و مشکلات درحقیقت اس کی اپنی بد عملیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں چنانچہ منجملہ اوپر ذکر کردہ وجوہات کے علاوہ درج ذیل گناہ بھی رزق سے محرومی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

۱۔ کسی کا دل دکھانا

۲۔ ظلم و زیادتی کرنا

۳۔ اپنے جیسے کاروباری اداروں کا برا چاہنا اور انہیں ناکام کرنے کے حربے استعمال کرنا

۴۔ بڑائی کا بول بولنا اور غرور تکبر میں آجانا

۵۔ بد اخلاقی

۶۔ عشرہ وزکوٰۃ کا ادا نہ کرنا

اس سلسلے میں ایک مفصل مضمون معاش کے باب میں گزر چکا ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا امور میں سے کسی گناہ کا ارتکاب بھی نہیں ہوا اور سرمائے کی قلت اور تجربے کی کمی وغیرہ امور بھی نہیں پائے گئے پھر بھی کاروبار ناکام ہو گیا تو اس سلسلے میں یہ ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کا ہر فعل حکمتوں سے خالی نہیں ہوتا اور ان حکمتوں تک انسانی عقل کی رسائی پورے طور سے ممکن نہیں۔

منجملہ ان حکمتوں کے کچھ حکمتوں کی طرف احادیث نبویہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً گناہوں کی معافی، درجات کی بلندی، مالی مصیبت میں مبتلا کر کے بندے کو جسمانی آفات سے بچالینا۔ بندے کی غفلت سے نکال کر توبہ اور انابت کی طرف لے آنا وغیرہ لہذا کاروباری پر نشانیوں اور بحرانوں کے وقت میں جزا ادا کرنے اور مایوس ہونے کی بجائے توبہ استغفار میں لگے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اور زیادہ متوجہ ہو جائے۔

انسانی زندگی کے کسی مرحلے یا کسی شعبہ سے متعلق جب مشکلات پیش آئیں تو ان سے گھبرانے کی بجائے اسلام نے ان سے مقابلہ کرنے کیلئے، اس وقت مطمئن رہنے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ پر بھروسہ رکھنے کا درس دیا ہے،

[وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ] (الطلاق ۲)

ترجمہ: اور جس نے اللہ پر توکل کیا تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے سے قوت حاصل کرنے کا درس دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی موافق و ناموافق حالات کے درمیان گھری ہوئی ہے تکالیف و مصائب سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ختم نیست و نابود ہو جاتے ہیں دوام و ہمیشگی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے، باقی سب چیزیں عارضی اور ختم ہو جانے والی ہیں۔

چنانچہ اگر مشکل بڑی ہو جائے اور شدت اختیار کر لے تو اس کو بحران کا نام دیا جاتا ہے اور اس کے حل کا طریقہ بھی ہے، ذیل میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بحران کی تعریف اور اس کے حل کا طریقہ

بحران کا حل انتظامات کا ایسا طریقہ ہوتا ہے جس سے ہر قسم کے سیاسی و معاشی بحران کے سدباب کیلئے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، اس طریقہ انتظامات میں ایسے طریقے بتائے جن جارہے ہیں جن کی مدد سے بحران کی سطح کو نیچے کرنا

آسان ہوتا ہے، آسان الفاظ میں یوں کہیے اس طریقہ انتظامات سے موجود بحران کی مختلف صورتوں کا تاحد امکان مقابلہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس مطلوبہ ہدف کیلئے جو مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

- (۱) زوال و انحطاط کو روکنے کی کوشش کرنا
- (۲) ان عناصر کا سد باب کرنا جو بحران کے وجود کا سبب بنتے ہیں
- (۳) بحران کی قوتوں پر تسلط حاصل کرنا اور اس کے ازالہ کی کوشش کرنا
- (۴) بحران کے سد باب کے دوران مختلف مراحل سے تجربہ اور استفادہ کرنا
- (۵) ان اسباب و عوامل کا بغور تجزیہ کرنا جو اس بحران کا سبب بنے تاکہ ان سے آئندہ مستقبل میں حفاظت کی جاسکے اور ان کے دوبارہ وقوع ہونے سے بچا جاسکے

بحران کے حل کا نبوی طریقہ

ہر شعبے میں ہمیں قرن اول اور خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے مکمل رہنمائی حاصل ہوتی ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لئے مکمل رہنمائی فرما کر گئے ہیں، ذیل میں دیکھتے ہیں کہ مشکلات اور بحرانوں کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیسے مقابلہ کیا۔

اسلامی معاشرہ عہد نبوت ہی سے مختلف قسم کی فکری و عملی جنگوں اور مصائب کا شکار رہا ہے اور اس راہ میں ہمیشہ یہود و نصاریٰ مشرکین و منافقین یک جان ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے آئے ہیں اور آپس کے مذہبی اختلافات کو مسلمانوں کے مقابلے میں وقتی مصلحت کے تحت بھلاتے آئے ہیں لہذا مسلمان عہد نبوت ہی سے مختلف قسم کے بحرانوں میں مبتلا رہے ہیں جو کہ کئی زندگی میں تعذیب شعب ابی طالب میں بایکات اور مدنی زندگی میں چھوٹی چھوٹی مختلف جنگوں یہود کی سازشوں اور آخر میں اہل باطل کے جم غفیر کے ساتھ مدینہ منورہ پر ہر طرف سے دھاوا ہونے کی شکل میں ظاہر ہوتے رہے ہیں اب ہم مسلمانوں کا ان مختلف بحرانوں کا شکار ہونا اور ان کے سد باب کے مختلف طریقوں کو اختیار کرنے پر تفصیلی بات کریں گے۔

۱. ہجرت سے پہلے اقتصادی بحران

بحران: نبوت کے کچھ عرصہ بعد کفار مکہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ مسلمانوں کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور انہیں شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جائے اور ان سے ہر قسم کے معاملات کو ختم کر دیا جائے حتیٰ کہ رزق کا ایک دانہ بھی ان تک نہ پہنچ سکے، یہ حصار تین سال تک قائم رہا۔

بحران کا حل: آپ علیہ السلام اور مسلمانوں نے اس بحران کے خاتمے کیلئے یہ راہیں اختیار کیں:

۱. درخت کے پتوں اور گھاس پھوس پر گزارہ کیا کیونکہ اہل مکہ نے چیزوں کی قیمتیں بڑھادی تھی اور اس کو اقتصادیات کی اصطلاح میں سادگی کی سیاست سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲. کفار میں سے بعض افراد کو قرابت اور رشتہ داری کی بنیاد پر اپنا ہمدرد بنایا۔

۳. آپ علیہ السلام اور مسلمانوں کا صبر کرنا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا جس کو اقتصادی اصطلاح میں ایک قیادت کے زیر سایہ آنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۴. بعض مسلمانوں کا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مالی قربانی دینا جس کو اموال میں شرکت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۵. آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مال و جان کو پیش کرنا اور اس کا انکار کرنا جس کو اصطلاح میں ہدف مقصود پر ثابت قدم رہنے سے تعبیر کیا جاتا ہے آخر میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوا اور اس عہد نامے کو دیمک نے کھالیا اور آپ علیہ السلام کی دی ہوئی خبر سچی ہوئی اور مسلمانوں کا ایمان و یقین اللہ اور اس کے رسول پر بڑھ گیا۔

۲. یہودی بازار میں بحران

بحران: ہجرت کے بعد جب آپ علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے تو یہود مدینہ میں بنی قینقاع کے محلہ میں لگنے والے بازار پر پوری طرح قابض تھے، اس بازار میں ہر قسم کی دھوکہ دہی، رشورت خوری، ذخیرہ اندوزی، اور ہر اقتصادی آفت کا رواج عام تھا۔

بحران کا حل: آپ علیہ السلام نے اپنی بصیرت سے جانچ لیا کہ جو اقتصادی طور پر مضبوط ہو گا وہ زندگی کے اور شعبوں میں بھی کامیاب ہو گا۔

مذکورہ بالا نبوی طریقوں کو اپنا کر آج مسلمان اپنی تجارت، صنعت و حرفت، معاشیات، سیاست و حکومت بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور ہر طرح کے بحرانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں، ہمیں اس سے اچھا اور کوئی طریقہ نہیں مل سکتا جو تعلیمات سماویہ پر مبنی ہو اور سرور کائنات کا استعمال کردہ ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کا آزمودہ بھی ہو۔

جس میں سب سے اہم اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اس کے اوپر بھروسہ مسلمان کے ایسے ہتھیار ہیں، جن سے وہ بڑے بڑے بحرانوں، تکالیف و مصائب پر بڑی آسانی سے قابو پاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

{قَالَ مَعَ الْغُسْرِ يُسْرًا ۖ وَمَعَ الْغُسْرِ يُسْرًا ۖ} (الشح: ۶۰:۵)

ترجمہ: "ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے"

جب مشکلات کے خالق و مالک ہی یہ یقین دلا رہا ہے کہ عسرو تنگی و مشکلات کے آنے کے بعد یہ ختم ہو کر ان سے متعلقہ آسانیاں بھی آئیں گی تو ہمیں ان مشکلات کے آنے سے گھبراہٹ میں مبتلا ہونے کے بجائے خوش ہونا اور اس رب کائنات و خالق بحران و مشکلات پر بھروسہ و اعتماد اور اس کے فرمان پر یقین کرنا چاہئے، یہ وہ چیز ہے جو انسان کو مشکلات و بحرانوں کے مقابلے میں دلیر و مرد بحران بنا ڈالتی ہے۔

ایک عرب شاعر نے آیت بالا کے مضمون کو بہت عمدہ پیدائے میں بیان کیا ہے:-

إذا اشتدَّت بكَّ البلوى ففكِّر في آلمِ نشرح

فعسرُ بين يُسرِين إذا فكَّرته فافرح

ترجمہ: جب غم اور پریشاناں تجھے گھیر لیں تو اس وقت تو سورۃ الم نشرح میں غور و فکر کر لیا کر کہ اس میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ایک تنگی (در حقیقت) دو آسانیوں کے درمیان گھری ہوئی ہوتی ہے۔ (یعنی اس تکلیف سے پہلے بھی راحت تھی اور اب اس تکلیف کے بعد پھر راحت آنے والی ہے) جب تو نے اس حقیقت پر غور کر لیا تو اب خوش ہو جا۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر جو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بے پایاں انعامات فرمائے ہیں انہیں سے یہ بھی ہے کہ مسلمان کا ہر حال خواہ وہ راحت و اطمینان اور نعمتوں کا ہو یا پریشانی مصیبت و غم کا، اس کے لئے باعث خیر بن جاتا ہے

اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "مسلمان کے حال پر بڑا تعجب ہے کہ اس کا ہر حال اس کے لئے باعث خیر بن جاتا ہے اور یہ اعزاز صرف مسلمان کو ہی حاصل ہے، اگر اسے خوشی اور راحت میسر آتی ہے اور وہ اس پر شکر کرتا ہے تو یہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور اگر اسے تنگی و پریشانی سے واسطہ پڑ جاتا ہے اور وہ صبر کر لیتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے باعث خیر ہے۔"

شکر و صبر دو عظیم عمل ہیں شکر پر اصل نعمت محفوظ اور اس میں مزید اضافے کا وعدہ ہے جبکہ صبر پر خود اللہ تعالیٰ جل شانہ ساتھ ہو جاتے ہیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکلات میں ہمیں درج ذیل رہنمائی ملتی ہے:

صلوات الحاجت کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی اہم واقعہ پیش آتا تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی اہم بات پیش آتی نماز کی طرف متوجہ ہوتے۔"

(فضائل نماز)

اور قرآن کریم اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلصَّلاةِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ} (البقرة: ۱۵۳)

ترجمہ: "اس ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" کسی بھی کام کو سرانجام دینے کیلئے نماز سے استعانت و مدد حاصل کرنا بہت ہی مؤثر و معین ہتھیار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

(فضائل نماز)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، آپ نے فرمایا: جس اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یہ کسی بندے سے کوئی حاجت ہو تو وہ وضو کرے اور وضو کو اچھی طرح کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے، پھر حق تعالیٰ شانہ کی ثنا کرے، اور درود شریف پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے:

لا اله الا الله الحليم الكريم.. سبحان الله رب العرش العظيم.. والحمد لله رب

العالمين.. أسألك موجبات رحمتك.. وعزائم مغفرتك.. والعصمة من كل

ذنب.. والغنیمة من کل بر.. والسلامة من کل اثم، لا تدع لی ذنباً الا غفرته ولا
هماً الا فرجته ولا حاجة هی لک رضا الا قضيتها یا ارحم الراحمین

(رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ سے اپنی دنیا یا آخرت کی ضرورت کا سوال کرے اس لیے کہ وہ قدرت والی ذات ہے۔
حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی امر
اہم پیش آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت یا چار پڑھتے۔ حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور تین بار آیت
الکرسی پڑھے اور اسکے بعد باقی تین رکعتوں میں بالترتیب سورہ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ، اور قل اعوذ برب الفلق اور
قل اعوذ برب الناس ایک ایک بار پڑھے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی حاجت اللہ کی طرف یا بنی آدم کی طرف ہو تو اچھی طرح وضو کرے اور پھر دو
رکعت نماز پڑھ کر اللہ کی حمد و ثنا کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر یہ پڑھے۔۔۔۔۔

لا الہ الا اللہ الحلیم الکرم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العلمین
اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم لا
تدع لی ذنباً الا غفرته ولا هماً الا فرجته ولا حاجة هی لک رضا الا قضيتها یا ارحم
الراحمین۔

اسی طرح حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے عافیت
دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اگر چاہے تو دعا کروں اور چاہے تو صبر کر یہ تیرے لیے
بہتر ہے انھوں نے عرض کی حضور دعا کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ اچھی طرح وضو
کرو اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو!

اللھم انی اسئلک اتوسل واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا رسول اللہ انی
توجیت بک الی ربی فی حاجتی ھذه لتقضى لی اللھم فشفعہ فی۔

ترجمہ: "اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی جو کہ نبی رحمت ہیں
انکے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں، یا رسول اللہ میں آپکے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت کے
سلسلے میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ بر لائی جائے اے اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے
بارے میں قبول فرما۔"

عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم ابھی وہاں سے اٹھنے ہی نہ پائے تھے کہ وہ شخص لوٹا تو یوں لگتا تھا کہ کبھی نابینا تھا ہی نہیں۔

(ترمذی، ابن ماجہ، طبرانی)

اس ساری گفتگو کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ بندہ کو جب بھی اپنے رب سے کوئی حاجت ہو تو وہ دو رکعت یا پھر چار رکعت نماز پڑھے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خوب درود و سلام پڑھے اور پھر اپنی حاجت کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے تو رحمت خداوندی سے قوی امید ہے کہ وہ مایوس نہ ہو گا اب اس کے لیے چاہے تو بتائے گئے طریقے سے ہی دو رکعت یا چار رکعت نوافل پڑھے یا پھر صرف دو رکعت نفل عام طریقے سے پڑھے کہ انتہائی خشوع و خضوع سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو امید ہے کہ قبول ہوگی۔ ویسے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ دیے گئے طریقے کے مطابق اول تو نماز پڑھے اور پھر یہ دعائیں جو بتلائی گئی ہیں مانگے اور ساتھ ساتھ ہی اپنی حاجت اپنی زبان میں بھی مانگ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ اور دعاؤں کی کثرت

یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب انسان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے وقت ہے اور دو رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر جلدی کا موقع ہے اور اتنی مہلت نہیں ہے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر دعا کرے، تو اس صورت میں دو رکعت پڑھے بغیر ہی دعا کے یہ الفاظ پڑھے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مانگے۔ لیکن اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں ضرور پیش کر دے، چاہے وہ چھوٹی حاجت ہو یا بڑی حاجت ہو۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ لہذا جب چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو بڑی چیز اور زیادہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سے مانگنی چاہئے۔ اور درحقیقت یہ چھوٹی اور بڑی ہماری نسبت سے ہے۔ جوتے کے تسمہ کا درست ہو جانا یہ چھوٹی بات ہے اور سلطنت کامل جانا بڑی بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کے یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں۔ اُن کے نزدیک سب کام چھوٹے ہیں۔ ہماری بڑی سے بڑی حاجت، بڑے سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک چھوٹا ہے۔ ان اللہ علی کل شیء قدیدر۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز قادر ہے۔ اُن کی قدرت ہر چیز پر یکساں ہے۔ اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ اس کے لئے کوئی کام بڑا نہیں۔ اس لئے بڑی حاجت ہو یا چھوٹی حاجت ہو، بس اللہ ہی سے مانگو۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ج ۱ ص ۱۶۶)

ذرائع برکت کے استعمال سے تجارتی سرمائے و منافع میں اضافے کی تدبیر

تاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنی تجارت میں برکت کے ذرائع استعمال کر کے برکت بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ ایک صحابی ضحاک بن صفورہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے شاگرد روایت کرتے کہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ تاجر تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی "اللهم بارك لأمّتی فی بکورها" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "اے اللہ میری امت کے صبح سویرے میں برکت عطاء فرما تو انہوں نے اپنا سامان تجارت کی ترسیل صبح سویرے کرنی شروع کر دی چنانچہ ان کے اس طرح کرنے سے ان کا مال یعنی سرمائے میں بھی اضافہ ہو گیا اور ان کا منافع بھی پہلے سے بڑھ گیا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنے شامل حال کرنا

بہترین طریقہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کا یہ ہے کہ کسی بھی مہم کو سرانجام دیتے وقت ذمہ دار و امیر ساتھیوں و ماموروں کو کام میں لگا کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: "بدر کے دن میں نے کچھ دیر لڑا پھر میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یا حی یا قیوم یعنی اے زندہ، اے سارے جہاں کو تھامنے والے کہہ کر دعا مانگ رہے ہیں، پھر کیا اور لڑائی کی اور واپس آیا تو اسی طرح دعا مانگتے ہوئے پایا۔"

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر خود کسی مہم میں ساتھیوں و مامورین کے ساتھ کام میں لگنا ہے، کسی دوسرے کا مشغولیت کی وجہ سے خود دعا میں نہ لگے، اپنے ساتھیوں میں سے کچھ ساتھیوں کو دعاؤ ذکر کی جماعت میں بٹھادیں یا کم از کم ایک ساتھی کو ضرور دعا میں لگا دیں، اللہ تعالیٰ کے دوراں اللہ سے مانگنے کا بڑا ہی اثر رکھا ہے، اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

سابقہ تجربوں سے استفادہ کرنا

البتہ انسان کے اپنی سابقہ غلطیوں و بے اصولی کے تجربوں سے سبق نہ سیکھنے کی وجہ سے مسلمان پر جو مشکلات و بحران و مصائب آئیں، اسلام نے اسے ایمان کی بصیرت کے نہ ہونے سے تعبیر کیا ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لا یلدغ المؤمن من جرح مرتین) (متفق علیہ) کہ مؤمن ایک ہی بل سے دوبار ڈسا نہیں جاسکتا، بہت سی مشکلات انسان کی اپنی غلطی و بے اعتدالی کے وجہ سے پیش آتی ہیں، ایک بار تو مسلمان سے وہ غلطی ہو جائے تو اس سے سبق سیکھ لے اور

آئندہ اس سے بچے یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن اپنی کوتاہی و بے اصولی سے سبق نہ سیکھے اور بار بار غلطی و بے اصولی کرے اپنے اوپر مصائب و مشکلات کو آنے کا موقع دے یہ اس کی شان ایمانی نہیں ہے۔

بلکہ مسلمان تو دوسروں کے ڈسے جانے سے بھی سبق سیکھ کر خود کو ڈسے جانے سے بچا لیتا ہے، چنانچہ لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے حکمت و بصیرت کہاں سے سیکھی، تو انہوں نے کہا بے وقوفوں سے، تو پوچھنے والے نے حیرانی سے پوچھا کہ وہ کیسے تو انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی بے وقوف بے وقوفی اور غلطی و بے اصولی کرتا تو اس کو دیکھ کر میں یہ عہد کرتا کہ اس کو میں نہیں کروں گا، چنانچہ جب میں ایسے غلطیوں سے بچنے لگا تو میں لقمان حکیم بن گیا۔

اچھے اخلاق و حسن سلوک کو ہاتھ سے نہ جانے دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشکلات اور مالی تکالیف کے وقت دینی اقدار اور اچھے اخلاق و حسن سلوک کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، اور اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی مدد و نصرت اور تنگی کے بعد آسانی حاصل ہو جاتی تھی۔

تکلیف اور مشکلات کے باوجود ساتھیوں سے تعاون

کسی ادارے و جماعت میں مشکلات اور تکالیف کے آنے کے باوجود اس کے افراد کا آپس میں تعاون اس ادارے و جماعت کو بڑے بڑے بحرانوں اور مشکلات سے نکلنے کا موجب بن جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

{ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ } (المائدة: ۲)

ترجمہ: "اور (دیکھو) نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

{ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِك عَلَى اللَّهِ

يَسِيرٌ ۚ لَّكِن لَّا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ } (سورة الحديد: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: "کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب) ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) ان جانوں کے پیدا ہونے سے پہلے لکھی ہوئی ہے اور یہ بات (کہ وقوع سے اتنا پہلے لکھ دینا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان کام ہے۔ (اور یہ اس لئے بتلادیا) تاکہ جو چیز (عافیت، مال، اولاد وغیرہ) تم سے جاتی رہے اس پر (زیادہ) رنج نہ کرو اور جو تم کو

ملے اس پر اتراؤ نہیں (اس لئے کہ اترا دے تو وہ جس کو اپنے استحقاق سے ملی ہو اور جو دوسرے کے حکم سے ایک چیز ملے اس پر کیا اترا تا) اور اللہ تعالیٰ کسی اترا نے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

زمین کی مصیبت سے مراد قحط، زلزلہ، کھیتی میں نقصان، تجارت میں گھٹا اور دوست احباب کی موت سب داخل ہیں اور اپنی جانوں کی مصیبت میں ہر طرح کے امراض اور زخم اور چوٹ وغیرہ شامل ہیں۔

(معارف القرآن، ج ۸، ص ۸۱۳)

عزم و قوت عمل پر کاربند ہونا اور تردد سے بچاؤ

قوت ارادی کو مضبوط کرنا، قوت عمل اور عدم تردد کو اختیار کرنا، مشکلات و بحر انوں سے نکلنے کا بہت بڑا سبب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

{فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ} (آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: "اور جب (کسی کام کا) عزم مصمم کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو" یعنی توکل سے قبل عزم ضروری ہے، اس لئے کہ جو اپنی قوت ارادی کو استعمال نہیں کرے گا، وہ کاموں میں عاجز ہو جائے گا، تو وہ شکایت شکوی اختیار کر کے اپنی ناکامی کو چھپائے گا، اور جب قوت ارادی کو استعمال کرے گا تو وہ فوراً کام کو حل کرنے میں لگ جائے گا۔

ہدیہ کے ذریعے دوسروں کے دلوں کو موہ لینا

سحری تاثیر رکھنے والا ہدیہ کا عمل ایسا عظیم وسیلہ ہے جس سے دوسروں کے دل موہ لیے جاسکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو اونٹ اور بکری بھری دوادیاں ہدیہ کیں، تو وہ مسلمان ہو گئے، حدیث میں ہے کہ انکا اسلام لانا بڑا ہی اچھا رہا اور اس کے بعد انہوں نے اپنا کچھ اسلام کیلئے وقف کر دیا، چنانچہ خود صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مغبوض و ناپسند تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال ہدیہ کرتے رہے، حتیٰ کہ آپ میرے لئے سب سے زیادہ پسندید شخص بن گئے۔"

(مسلم)

ہدیہ دلوں کو جوڑنے اور آپس میں محبت و تعلق بنانے کے اسباب میں قوی سبب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

(۴۴۳)

(تھادوا تحابوا) (حسنہ الالبانی). ترجمہ "آپس میں ہدیہ دو، ایک دوسرے سے محبت کرو"
مختصر و جامع عبارت ہے، جو مضبوط تعلقات قائم کرنے اور اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لئے بڑا ہی عظیم ذریعہ
واصول ہے۔ اور جب دل جڑے ہوئے ہوں اور ہر فرد معاشرہ کو دوسرے افراد معاشرہ کی محبت و ہمدردی حاصل ہو تو کسی
پریشانی کے آنے پر ساتھی اس کے معاون بن جاتے ہیں اور مصیبت و پریشانی ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔

دعائی تدبیر کے ساتھ عقلی تدبیر بھی ضروری ہے

مسنون اعمال اور دعاؤں کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ تاجر حضرات کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ حالات کے مناسب
تدابیر بھی ضرور اختیار فرمائیں۔ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں غزوات میں دعا والہ و زاری میں مشغول نظر آتے وہاں یہ
منظر بھی دکھائی دیتا ہے کہ آپ میدان جنگ میں بہترین موقعہ کا انتخاب فوج کی صف بندی دشمنوں کی حرکت و سکون کی
نگران کی ترتیب وغیرہ میں بھی عمدہ سے عمدہ تدابیر کو اختیار فرماتے ہیں۔

مضبوط، مربوط و ہم آہنگ محنت، جدوجہد و انتھک کوشش۔

مذکورہ بالا اسباب کو اختیار کرنے کے بعد کاموں کے سرانجام دینے میں محنت میں کمی نہ کی جائے۔ اسلام نے مسلمان کو انتہائی
محنت بنایا ہے اور کام میں کوشش میں کمی نہ کرنے کی تلقین کی ہے، سست اور غافل مسلمان کو پسند نہیں کیا گیا ہے، نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کی صبح و شام کی دعاؤں میں سستی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا "واذا عزمتم فتوکل علی
اللہ" مشورہ جب کچھ طے کر لو تو اب اللہ پر توکل کر کے اس کے سرانجام دینے میں لگ جاؤ۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے

"وَإِنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى" (النجم: ۳۹)

"انسان کو وہی حاصل ہوتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے"

یعنی بغیر کوشش کے انسان کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے اور اسباب میں لگنا ضروری ہے
لیکن یقیناً ان اسباب پر نہیں ہونا چاہئے

"أَفَرَأَيْتُمُ اللَّيْلَ إِذَا تَوَسَّسَتْ" (النجم: ۲۳)

"جسکی انسان تمنا کرتا ہے کیا اسکو وہ مل جاتا ہے"

بغیر کوشش کے انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

انتظامات اور کاموں میں تقویٰ اختیار کرنے سے بھی تنگیوں و مشکلات سے نکلنے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ} (الطلاق: ۲۳)

ترجمہ: "اور یقیناً بستیوں والے اگر مان لیں اور پارسائی اختیار کریں تو ضرور ہم کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسکے لئے تنگیوں اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنادیں گے،"

"إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ" (البقرہ: ۱۹۳)

اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہیں"

[إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ] (النحل: ۱۲۸)

اللہ انکے ساتھ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا، کی سے ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ انتظامات میں تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معیت مل جاتی ہے، جسے اس مالک الملک، احکم الحاکمین کی معیت حاصل ہوگئی اس کے صرف اس جہاں کے نہیں بلکہ دونوں جہانوں کے کام بن گئے،

{أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ} (یونس: ۲۳)

ترجمہ: "سنو! اللہ تعالیٰ کے اولیاء جن پر قیامت کے دن نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ ہیں جو کامل طور پر ایمان لائے اور جنہوں نے کمال تقویٰ اختیار کیا۔"

{وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ} (الاعراف: ۹۶)

ترجمہ: "اور اگر بستیوں والے (صدق دل سے) ایمان لے آتے اور نافرمانی ترک کر دیتے تو ہم یقیناً ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں نازل کر دیتے۔"

اور حقیقت میں تقویٰ یہ ہے کہ اس حال کے مناسب جس عمل میں لگنا اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ ہے اس میں لگا

جائے۔

کامیابی کی شکل میں اللہ کا شکر ادا کرنا۔

جب کاموں میں نتائج حاصل ہوں تفاخر اور تکبر کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا، کیونکہ شکر سے اللہ پاک نعمت کو بڑھاتے ہیں اور ناشکری سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" (ابراہیم: ۷)

ترجمہ: "اگر تم شکر کرو گے تو نعمت کو تمہارے لئے بڑھا دوں گا"

کے قانون ربانی کے مطابق اللہ تعالیٰ دیگر کاموں کے نتائج کو بھی انسان کے حق میں فرمادیں گے، اور اسکے کام اور انکے نتائج انتہائی آسان ہوتے چلے جائیں گے۔

اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو انسانیت کی تربیت و اصلاح کے عظیم منتظم ہوتے تھے، کی ترتیب یہ تھی کہ اپنی کامیابی پر اس کامیابی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ہی طرف کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور تمام دشمن جنہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں تھیں حتیٰ کہ قتل کے درپے ہو گئے، جس کے نتیجے میں آپ کو مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا۔ فتح مکہ کے وقت جب وہ تمام دشمن زیر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الحمد لله وحده وانجز وعده ونصر عبده اعز جندہ وهزم الاحزاب وحده" یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو اکیلا ہے اور اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اس ہی نے اکیلے ہی تمام لشکروں کو شکست دی، ان الفاظ کے ساتھ اپنی تمام کامیابی کی نسبت اپنے اور اپنے لشکر کی طرف کرنے کی بجائے ایک اکیلے اللہ کی طرف اس کامیابی کی نسبت کر دی۔

اور اگر کامیابی نہ ملے تو صبر کرنا اور قضائے الہی پر راضی رہنا

کامیابی نہ ملنے کی صورت میں صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دینا، بھی ایک بہترین عمل ہے، "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" صبر سے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی معیت مل گئی اس کے تمام کام حل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

{قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ} ٥ قُلْ هَلْ تَرْتَضُونَ إِنَّا إِلَّا

إِخْدَى الْمُضْمِنِينَ} (التوبة: ۵۱، ۵۲)

ترجمہ: "(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیجئے اس کے علاوہ ہمیں تکلیف نہ پہنچے گی، جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی، وہ ہمارا مالک ہے"

(پس مالک حقیقی جو تجویز کرے بندہ کو اس پر راضی رہنا واجب ہے) اور ایمان والے اللہ پر بھروسہ کریں، (دوسری بات یہ) فرمادیجئے کہ (ہمارے لئے جس طرح اچھی حالت بہتر ہے ایسے ہی سختی اور تنگی کی حالت بھی انجام کے اعتبار سے بہتر

ہے، کیونکہ مصائب پر صبر کرنے سے درجات بلند ہوتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں، پس تم تو ہمارے حق میں بہتریوں میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو " اس سے ثابت ہوا کہ جس کا اللہ تعالیٰ پر توکل ہوا، اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے یا بیماری وغیرہ میں مبتلا ہو جائے تو اس سے اس کو پریشانی لاحق نہیں ہوتی، بلکہ اس کو اپنے حق میں تقدیر الہی سمجھ کر صبر کرتا ہے اور صبر کے بدلہ کی امید رکھتا ہے، اگر دنیا میں اس کا ظہور بھی نہ ہو تو آخرت میں ضرور ہو گا جو ہمارا اصلی گھر ہے اور وہ ہی بھلائی ہمیشہ کام آنے والی ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " آدمی کی سعادت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لئے مقدر فرمایا اس پر راضی رہے اور آدمی کی شقاوت اور بد بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر مانگنا چھوڑ دے اور یہ بھی بد بختی اور محرومی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقرر فرمایا اس سے ناراض ہو۔ " نیز صبرین یہ بھی داخل ہے کہ جس کا روبرو شروع کیا ہے اور اس میں تواضائیاں خرچ کی ہیں نقصان کی شکلیں سامنے آنے ہر فوراً اس کا روبرو کو ختم کرنے کا فیصلہ نہ کر لے بلکہ اسی نگے اور امید کا دامن نہ چھوڑ اللہ نے چاہا تو بہتری کی شکلیں پیدا ہو گئی اور اگر کاروبار کو ختم کر کے نیا کاروبار اس نقصان کے جو پہلے ہی اٹھا چکا، اب مزید نقصان کا سامنا کرنا پڑیگا اور اس کا روبرو کا تجربہ بھی ضائع ہو جائے گا اور نیا کاروبار شروع کرنے میں جو ابتدائی مشقتیں اور دشواریاں ہیں وہ مزید برآں ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار چیزیں ایسی ہیں جس کو وہ دے دی گئیں اس کو دنیا اور آخرت کی خبریں دے دی گئی۔ ایک شکر کرنے والا دل دوسرے ذکر کرنے والی زبان تیسرے مصیبتوں پر صبر کرنے والا بدن چوتھے ایسی بیوی جو اپنے نفس میں یا شوہر کے مال میں خیانت کر کے کسی گناہ کی مرتکب نہ ہو۔

(طبرانی، المعجم، ج ۳، ص ۳۶۴)

باب نمبر سولہ

احوال لینا، فکر مند کرنا اور ساتھیوں کی فکر اور ان کا محاسبہ و نگرانی کرنا

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

- ◀ پہلی فصل: احوال و کارگزاری لینا:-
- ◀ دوسری فصل: اسلام میں نگران و احتساب کی بنیادیں اور خود احتسابی:-
- ◀ تیسری فصل: ساتھیوں کی فکر، محاسبہ اور نگرانی:-
- ◀ چوتھی فصل: مروجہ اور اسلامی طرز نگرانی میں نمایاں فرق:-

پہلی فصل: احوال و کارگزاری لینا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی طرف سے مختلف عمال کو بھیجا کرتے تھے تو واپسی پر ان سے کارگزاری اور احوال سنا کرتے تھے۔ اسی طرح مختلف وفود اور جماعتوں کو بھیجنا مسلسل ان سے رابطہ اور کارگزاری لینے رہنا اور واپسی پر تفصیلی حالات لینے کے بے شمار واقعات ملتے ہیں اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات بھی اپنے وفود، جماعتوں اور لشکروں کے عمال اور گورنروں سے مسلسل حالات و کارگزاری لینے بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ اور ساتھ کے ساتھ رہنمائی بھی فرماتے تھے اور اس حالات لینے کی روشی میں۔ اور آئندہ کالائے عمل بھی طے فرماتے تھے۔

کارگزاری و احوال لینے پر مضمون نبی پاک علیہ السلام کی سیرت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت سے لینا ہے۔

لہذا منتظمین ادارہ اور شعبوں کے ذمہ داران کو چاہیے کہ تقسیم کار کے بعد کارگزاری لینے کا مستقل نظم طے فرمائیں اس میں اہداف کے حصول میں معاونت ہوگی اور ادارہ کی مجموعی کارکردگی اور عملہ کی افرادی کارکردگی کو بہتر بنانے میں بھی مدد ملے گی۔

[Comment M30]: اس فصل سے

متعلق صحابہ کرام کے واقعات ڈالنے ہیں۔

دوسری فصل: اسلام میں نگرانی و احتساب کی بنیادیں اور خود احتسابی

اسلام میں نگرانی کی بنیادیں اور اس کا طریقہ

(ماخوذ از الرقابہ الاداریہ، مؤلف: الشیخ حماد باطر المطیری والشیخ ہانی یوسف خاشعہ، سعودی عرب کے مضمون میں تبدیلی و اضافہ از طرف جماعت علماء و رفقہاء)

انتظامی نگرانی کا لغوی مفہوم

انتظامی نگرانی کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کا اس کی حفاظت کی خاطر نگرانی کرنا اور اس کا خیال رکھنا۔

انتظامی نگرانی کا اصطلاحی مفہوم

انتظامی نگرانی کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ دوسروں کے کاموں کا یوں خیال رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت و فرمان برداری کے مطابق سرانجام پائیں۔

اسلامی نگرانی کا عمل یہ ہوتا ہے کہ کسی فرد کے کاموں و امور کا براہ راست یا کسی ذریعہ سے نگرانی و خیال کرنا تاکہ اس کے کام شرعی قواعد و احکام و ضوابط کے مطابق سرانجام پائیں۔

خود احتسابی

ہر ایک کی اپنی خود نگرانی اور دوسرے کی طرف سے حکمت والی سرپرستی

اس میں شک نہیں ہے کہ کام کرنے والے ساتھیوں کی نگرانی بھی مفید چیز ہے، اکیلا انسان کسی کام کو کرے تو اس سے غلطی کے امکانات ہونگے، اور وہ اپنے نفس و شیطان کے چنگل میں پھنس سکتا ہے، لہذا ذمہ دار کی طرف سے کام کرنے والے ساتھی سے، مشورہ سے طے شدہ کام کو اس کی صحیح ترتیب سرانجام دینے اور اس کے کام کے نتائج کی نگرانی کرنے کی اسلام نے زیادہ بہتر تعلیم دی ہے، لیکن اسلام نے اس کے لئے ایسی عظیم ترتیب بنائی ہے، جس سے نگرانی بہت آسان و سہل ہو کر جانین کیلئے مفید و نفع بخش ہو جاتی ہے، اسلام نے انسان کو نتائج کا سزاوار قرار نہیں دیا ہے، بلکہ کام کو صحیح ترتیب پر صحیح نیت سے کرنے کا پابند کیا ہے اور نتائج کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، یہ غیروں کی ترتیب ہے کہ وہ انسانوں کو نتائج سے تولتے اور ان کی قیمت نتائج سے لگاتے ہیں، اس دنیا میں تو نتائج ہر کسی کو، جب وہ چاہے، جیسے وہ چاہے نہیں مل سکتے۔

لیکن اسلام مسلمان کے اندر خوف خدا اور فکر آخرت اور بڑے کی اطاعت و فرمانبرداری کی صفت و قوت اس کے دل کے اندر جگا دیتا ہے، جس سے مسلمان بغیر نگرانی کے بھی اپنی ذمہ داریاں اسی طرح سے ادا کرنے والا بن جاتا ہے جس طرح سے وہ کسی کی نگرانی میں انہیں ادا کر رہا ہو، اور نگرانی کی یہ تدبیر زیادہ عمدہ، زیادہ نتیجہ خیز اور انسانی فطرت کے قریب ہے، مسلمان خوف خدا اور ذمہ دار کی اطاعت و عظمت کی وجہ سے وہاں پر بھی ذمہ داری، ایمانداری، دیانتداری، اور تندہی سے کام سرانجام دیتا ہے، جہاں اسے کوئی دیکھ نہیں رہا ہوتا، اور اس مسلمان کیلئے اس کے ذمہ دار کی رہنمائی و نگرانی تقویت و مدد کا ذریعہ بنتی ہے، برخلاف اس کے کہ اس کے دل میں اپنے بڑے کی اطاعت کا کوئی جذبہ و شوق نہ ہو، اور اس کا بڑا اس کو ڈانٹ ڈپٹ، توبیخ و تنبیہ سزا و عتاب سے اس کی نگرانی کرے تو وہ ماتحت ذمہ دار و بڑے کی موجودگی میں بادل ناخواستہ تو کام کو کرے گا، لیکن اس کی غیر موجودگی میں وہ کام میں غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گا، چنانچہ کام کے درست طریقے سے سرانجام پانے کی لئے نگرانی کرنے کی ضرورت تو ہے، لیکن اسلام نے مسلمان کام کرنے والے ساتھیوں کی نگرانی اتنی آسان بنا دی ہے جس کا کہیں اور تصور نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

{إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ ذَقِيًّا} (النساء: ۱) ترجمہ:

"کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال و احوال کا ہر وقت نگران ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

{الَّذِي يَعْلَمُ بَاطْنُ اللَّهِ يُخَرِّى} (العلق: ۱۴)

ترجمہ: "کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے"

کہ اللہ تعالیٰ اس کے حالات سے ہر وقت باخبر ہوتا ہے، اس کے مطابق اسے بدلہ دے گا، یہ استفہام تو بیخ یعنی ڈانٹ

ہے۔

اور ارشاد باری عزاسمہ ہے

{يَعْلَمُ كَايَاتَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ} (غافر: ۱۹)

ترجمہ: "وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)"

آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو شامل ہے، چاہے وہ انتہائی مخفی ہی کیوں نہ ہو، خیانت کرنے والی آنکھ کو بھی جانتا ہے اور جو دلوں میں باتیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر کر رہے تھے راستے میں ایک چرواہا ملا جو بکریاں چرا رہا تھا، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دود پلا دو تو چرواہے نے دودھ پلا دیا، اس کے بعد انہوں نے چرواہے سے کہا کہ کیا تم مجھے بکری کا گوشت نہیں گھلا سکتے، چرواہے نے کہا کہ نہیں، کیونکہ مالک نے دودھ پلانے کی اجازت دے رکھی گوشت کھلانے کی نہیں تو انہوں نے ازراہ آزمائش فرمایا کہ تم مالک سے کہدینا کہ ایک بکری کو بھیڑیا کھا گیا تو چرواہے نے فوراً کہا کہ "فاین اللہ" یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کہاں ہونگے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ایک چرواہے کا ایمان و خوف خدا اور ایمانداری کا جذبہ اتنا بن چکا تھا کہ وہ اکیلا جنگل میں بھی خیانت اور مالک کو دھوکہ دہی پر آمادہ نہیں تھا۔

اس ہی طرف ارشاد ربانی کا اشارہ ہے:

{وَقُلْ اَعْمَلُوا فَمَنْ يَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ اِلٰى عَلَیْهِ الْعَذَابِ وَالشَّهَادَةِ

فَيَبْصُرُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ} (التوبة: ۱۰۵)

ترجمہ: "اور ان سے کہہ دیجئے کہ عمل کیے جاؤ، خدا اور اس کا رسول اور مؤمن (سب) تمہارے عملوں کو دیکھ لیں گے، اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے (خدائے واحد) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہو گے، وہ سب کچھ تم کو بتا دیا جائے گا"

اس آیت کریمہ نے ذمہ دار کی نگرانی کے متعلق والمؤمنون کے لفظ سے رہنمائی تو کی ہے لیکن اسلامی نگرانی کا تصور وہی قائم رکھا ہے کہ مسلمان ربانی نگرانی اور خدا کے خوف سے ہی کام کو درست اور ذمہ داری سے کرتا ہے، چنانچہ اسے دار کی

نگرانی کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے، بھی واضح کر دیا ہے، کیونکہ کام کرنے والے ساتھیوں و مامورین کی نگرانی صرف ذمہ دار کی طرف سے ہی نہیں بلکہ فرشتوں کے ذریعے ربانی نگرانی بھی ہوتی ہے، جس کی طرف دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ { (۱۸:۵) }

ترجمہ: "کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے"

اور حدیث جبریل صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ (.... فَأَخْبَرَنِي عَنْ الْإِحْسَانِ؟ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ... الخديث) جبریل صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احسان کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی ایسے عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے، ان آیات و حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام نے ہر مسلمان کو خوف خدا کی بنیاد پر خود اپنی نگرانی کرنے کی ذمہ داری سونپی اور تعلیم دی ہے۔

اسلام نے ہر مسلمان کو اپنی نگرانی خود کرنے کی تعلیم دے کر نگرانی کا کام زیادہ بہتر اور آسان کر دیا ہے اس لئے کہ انسان دوسرے کی نسبت خود اپنی زیادہ بہتر نگرانی کر سکتا ہے اور جب وہ خود اپنی نگرانی و خود احتسابی کو اپنے اوپر نافذ کرے گا تو پھر ذمہ دار کی نگرانی کی اتنی زیادہ ضرورت بھی نہیں رہے گی، یہ بات غیروں کی تعلیم میں نہیں ہے غیر تو آڈٹ، سپر آڈٹ، سپرویزٹن، چیک اینڈ بیلنس اور نامعلوم کیسے کیسے طریقے نگرانی کے بناتے اور ہمیں سکھاتے ہیں جن کا اسلامی بنیادوں سے کوئی جوڑ نہیں ہے، اور بگڑے ہوئے انسانوں کو ان کے کاموں کے متعلق نگرانی کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بلی کو چھپچھڑے کی نگرانی سونپنا جائے اور پھر اس پر سپرویزٹن، آڈٹ اور چیک اینڈ بیلنس سے اس کی نگرانی کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کر کے خود احتسابی کا ایسا عظیم نظام پیدا کر لیا تھا کہ پھر کسی کو زور و زبردستی اور مجبور کر کے اس پر اسلامی تعلیمات لاگو و نافذ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی اللہ تعالیٰ کے احکام ہر حال میں مسلمان کو اچھے لگتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ایمان کی محنت کر کے اپنے اندر آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس قدر پیدا کر لیا تھا کہ عذاب آخرت سے بچنے کے لئے وہ بڑی سے بڑی سزا کے لئے اپنے کو پیش کر دیتے تھے اور جب تک وہ سزا ان کو مل نہ جاتی تھی انہیں چین نہ آتا تھا۔

حضرت ماعز ایک صحابی ہیں، ان سے بہت بڑا گناہ ہو گیا یعنی بے چارے زنا کے مرتکب ہو گئے، نفس کے تقاضے سے یہ گناہ تو کر بیٹھے، لیکن خدا کے خوف کا اتنا غلبہ ہوا کہ خود حضور کی خدمت میں آکر عرض کر دیا کہ: حضرت! مجھ سے ایسی ناپاک حرکت ہو گئی ہے، لہذا مجھے پاک کر دیجئے یعنی مجھے شرعی سزا دلوا دیجئے، یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت ماعز کنوارے نہ تھے، شادی شدہ تھے اور جانتے تھے کہ شادی شدہ آدمی اگر ایسا کرے تو اس کی سزا سنگساری ہے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ اس شخص کو پتھروں وغیرہ سے مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔

بہر حال حضرت ماعز جانتے تھے کہ مجھے کیا سزا دی جائے گی اور وہ کتنی سخت ہوگی، اور سزا کے علاوہ میری کیسی رسوائی ہوگی، مگر اس کے باوجود خدا کا خوف اور آخرت کے عذاب اور رسوائی کا یقین ان کو کھینچ کر حضور کی خدمت میں لے آیا، حالانکہ ان کے متعلق کوئی رپورٹ نہیں تھی، اور اگر وہ خود اپنے جرم کو چھپالیتے تو شاید آج تک کسی کو اطلاع نہ ہوتی، لیکن آخرت کے عذاب کا خیال ان پر اس قدر غالب آیا کہ سنگساری کی تکلیف کو انہوں نے اس کے مقابلہ میں بہت ہلکا سمجھا، اور خود حضور سے اس سزا کی درخواست کی، اور جب حضور نے ایک خاص اصول کے ماتحت ان کو کوئی جواب نہیں دیا، اور سزا کا بھی حکم نہیں دیا، تو انہوں نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ حضور کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کیا، اور سزا کی درخواست پر اصرار کیا، جس کے بعد ان کو سزا دی گئی اور سنگسار کر دئے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس سے زیادہ عبرت کا واقعہ ایک صحابی عورت کا ہے، جن کو حدیث میں غامدیہ کہا گیا ہے۔ اس اللہ کی بندی سے بھی وہی گناہ ہو گیا تھا یعنی یہ بے چاری بھی نفس کی خواہش سے مغلوب ہو کر زنا کی مرتکب ہو گئی تھی اور کسی کو بھی اس کے اس گناہ کی اطلاع نہیں تھی، مگر اس کو یقین تھا کہ اللہ کو میرے اس گناہ کا علم ہے اور اس کا عذاب دنیا کی ساری تکلیفوں سے زیادہ سخت ہے، پس اللہ کے عذاب ہی کے خوف نے اسے بھی مجبور کیا اور وہ بھی خود ہی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: حضرت! مجھ سے ایسا ناپاک کام ہو گیا ہے، لہذا مجھے سزا دلا کر پاک کر دیجئے۔ حضور نے پہلے کوئی توجہ ان کی طرف نہیں فرمائی، گویا کہ آپ نے سنائی نہیں کہ کسی نے کیا کہا ہے۔ حضور کی اس بے توجہی کو دیکھ کر پھر اس بندی نے عرض کیا کہ حضور! یہ بات میں کسی پاگل پن سے نہیں کہہ رہی ہوں، میں ہوش و حواس میں ہوں، اور واقعہً مجھ سے یہ ناپاک گناہ ہو گیا ہے، لہذا مجھے سنگسار کر دیجئے، تاکہ آخرت کے عذاب سے میں بچ جاؤں۔

اسی سلسلے میں اس نے حضور کو یہ بھی بتلادیا کہ میرا اندازہ ہے کہ اس زنا سے مجھے حمل بھی رہ گیا ہے، جب حضور نے یہ سنا تو فرمایا کہ: اگر ایسا ہے تو پھر آنا (بچے کے پیٹ میں ہوتے ہوئے شرعی سزا نہیں دی جاسکتی، جو جان بے قصور ہے، اسے کیوں ہلاک کیا جائے) بہر حال حضور نے اس عورت کو واپس کر دیا، حمل کی مدت پوری ہو جانے پر جب بچہ پیدا ہوا تو اللہ کی یہ بندی نو مولود بچے کو ہاتھوں میں اٹھائے پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ: میں فلاں گنہگار عورت ہوں،

اب یہ بچہ ہو چکا، لہذا اب مجھے سزا دلا کر پاک کر دیا جائے۔ حضور نے فرمایا: ابھی نہیں، ابھی اس بچے کو تمہارے دودھ کی ضرورت ہے، جاؤ جب یہ تمہارے دودھ کا محتاج نہ رہے اور روٹی کھانے کے قابل ہو جائے، تب ہمارے پاس آنا۔ چنانچہ یہ اللہ کی بندی بچے کو پالتی رہی اور جب وہ ٹکڑا چبانے کے قابل ہو گیا تو بچے کو گود میں لے کر اس ہیئت کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ روٹی کا ایک ٹکڑا بچے کے ہاتھ میں دے رکھا تھا اور وہ اس کو چبا چبا کر کھا رہا تھا۔ بہر حال اس شان کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: حضرت! میں فلاں گنہگار عورت ہوں جس کی سزا کو آپ نے اس بچے کی پرورش کی وجہ سے اب تک ملتوی کیا ہے، اب اس بچے کو میرے دودھ کی ضرورت نہیں رہی، دیکھ لیجئے، یہ روٹی کھانے لگا ہے، لہذا اب اس کو کسی کے سپرد فرما دیجئے اور مجھے سنگسار کر دیجئے، تاکہ آخرت کے عذاب کی طرف سے مجھے اطمینان ہو جائے، چنانچہ حضور کے حکم سے یہ اللہ کی بندی سنگسار کر دی گئی۔

سنگسار کرنے والوں میں ایک مشہور صحابی تھے، ان کی زبان سے ایک سخت کلمہ اس بے چاری کے متعلق نکلا، حضور کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان صحابی سے فرمایا کہ تم نے ایسا کلمہ اللہ کی اس بندی کے متعلق کہا، تمہیں کیا خبر ہے، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر سب اہل مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی نجات کے لئے کافی ہو۔

ان دونوں واقعوں میں یہ بات خاص طور سے قابل غور ہے کہ:

- بغیر کسی رپورٹ یا شہادت کے خود انہوں نے اپنے جرم کی اطلاع کی
- اصرار کے ساتھ سزا کی درخواست کی
- خاص طور سے غامدیہ کو کئی دفعہ اس کا موقع ملا کہ اگر وہ سزا سے بچنا چاہے تو حضور کی خدمت میں حاضر نہ ہو، کیونکہ وہاں کوئی ضمانت و چلکہ تو تھا نہیں اور درمیان میں اتنا زمانہ بھی گزرا، جس میں اس کے دل میں سینکڑوں ہزاروں دفعہ زندگی کی بہاروں اور دنیا کی لذتوں کا خیال آیا ہو گا، اور شاید طرح طرح کے وسوسے شیطان نے دل میں ڈالے ہوں گے، لیکن اللہ کا خوف اور آخرت کے عذاب کا ڈر اتنا غالب تھا کہ اس نے زندگی مشکل کر دی تھی اور ساری لذتوں کی طرف سے دل سر د کر دیا تھا۔

یہ حال ان مردوں اور عورتوں کا تھا جن سے زنا جیسے گناہ ہوئے، بس اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت میں خدا کا خوف اور آخرت کا فکر کس درجہ عام تھا۔ سچ بات یہ ہے کہ آج ہم لوگوں کے لئے اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے اور ہم مسلمانوں کو دیکھ کر ہمارے بزرگوں کے ان واقعات پر یقین لانا بھی آج دنیا کے لئے مشکل ہے۔ صحابہ کرام کی اس صفت کو دوسری طرح یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ ان کی زندگی خدا سے غفلت اور آخرت فراموشی کی زندگی نہیں تھی، اللہ کا اور اس کے حکموں کا اور اس کے عذاب اور مواخذہ کا انہیں برابر دھیان رہتا تھا، اور اگر کسی وقت شیطان انہیں غافل کر کے

ان سے کوئی گناہ کرا بھی دیتا تھا تو جلدی ہی وہ غفلت سے چونک پڑتے تھے اور پھر توبہ واستغفار اور دنیوی سزا کے ذریعہ گناہ کے ناپاک اثر کو جب تک دھونہ ڈالتے تھے، انہیں چین نہ آتا تھا، چاہے اس کے لئے انہیں اپنی جان سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونے پڑیں۔

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کا آج جو یہ حال ہے کہ ان کی ساری زندگی اللہ سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر گذر رہی ہے۔ صحابہ کرام اس کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ ایمان و اسلام کے دعوے کے ساتھ کوئی شخص ایسی زندگی بھی گزار سکتا ہے۔ بہر حال ان کی زندگی اللہ کے ذکر اور آخرت کی فکر کی زندگی تھی۔ قرآن مجید میں اسی زندگی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔

{ رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ ۚ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ } (النور: ۲۴)

ترجمہ: "(یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔"

یعنی وہ ہر حال میں ذاکر اور باخدا تھے، نماز کے وقت وہ نماز کے ذریعہ خدا کو یاد کرتے تھے، تجارت اور خرید و فروخت اور اس طرح کے دوسرے معاملات میں وہ اللہ کے احکام کی پابندی کے ذریعہ اس کو یاد رکھتے تھے، مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر ان کا ذکر تھا، حاجتوں اور مشکلوں میں دعا اور استعانت اور خطا ہو جانے پر استغفار اور انابت اور سچی توبہ اور سزا کے لئے خود اپنے کو پیش کر دینا ان کی عام سیرت تھی اور وہ قیامت کے اس آنے والے دن سے ڈرتے اور لرزتے رہتے تھے، جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ الغرض ان کی پوری زندگی اللہ کے ذکر اور آخرت سے فکر کی زندگی تھی اور یہ صفت اس پوری جماعت کی صفت تھی، جس سے ان کا کوئی فرد خالی نہ تھا۔

اسلام نے ساتھیوں کی ذمہ داریوں کی طرف سے نگرانی سے قطعی انکار نہیں کیا ہے بلکہ، اصل ذمہ داری کام کو درست طور پر کرنے کی ذمہ داری کرنے والے کے ذمہ لگائی ہے اور اس کی مدد ذمہ دار اور بڑے کی نگرانی سے کی جائے یہ تعلیم دی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ (کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیتہ، فالإمام راع ومسؤول عن رعیتہ، والرجل راع في أهله ومسؤول عن رعیتہ، والمرأة راعية في بيت زوجها ومسؤولة عن رعیتہا، والولد راع في مال أبيه ومسؤول عن رعیتہ، والخدام راع في مال سيده ومسؤول عن رعیتہ، وکلکم راع وکلکم

مسؤول عن رعيته ترجمہ: "تم سب ذمہ دار ہو اور اپنے ماتحتوں (جن کی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے) کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا، امام بھی ذمہ دار ہے اس سے اپنے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا، آدمی بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اپنے ماتحت کے متعلق پوچھا جائے گا، اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے متعلق سوال ہو گا، اور نوکر اپنے مالک کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس ماتحتی کے متعلق پوچھا جائے گا، تم سب ذمہ دار ہو اور اپنے ماتحتوں (جن کی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے) کے متعلق تم سے جواب طلبی ہوگی۔

محاسبہ نفس کے متعلق اقوال

۱. حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو لکھا، "سختی کے حساب سے پہلے کشادگی (آسانی) میں اپنے نفس کا محاسبہ کر، کیونکہ جس نے آسانی میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا سختی سے پہلے تو اس کا معاملہ رضامندی اور رشک کی طرف لوٹ آئیگا اور جسکی زندگی نے اسے غفلت میں ڈال دیا اور اسکی خواہشات نے اسکو مشغول کیا اسکا معاملہ مذمت اور خسارے کی طرف لوٹے گا۔

۲. مومن ملاقات نہ کرے مگر اپنے نفس کے محاسبے کے ساتھ۔ "تو کیا جاننا چاہتا ہے اور کیا کھانا چاہتا ہے اور کیا پینا چاہتا ہے اور فاجر وقت گزارتا رہتا ہے (اور) اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا۔

۳. اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے قول "وَكَايَ أَهْلُهُ فُرُطًا" (الکہف: ۲۸) یعنی اسکا معاملہ بہت زیادتی والا تھا۔ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "اس نے اپنے نفس کو ضائع کیا اور غبن کیا۔ باوجود اس کے تو اسکو دیکھے گا کہ اپنے مال کو بچا رہا ہے اور اپنے دین کو ضائع کر رہا ہے۔

۴. اور حضرت حسن نے فرمایا بندہ ہمیشہ خیر پر رہتا ہے جب تک اس کے لئے اپنے نفس میں سے داعظ رہتا ہے اور محاسبہ اسکے لئے قابل عزم چیز نہ بن جائے۔

۵. میمون بن مہران نے فرمایا: "بندہ تب تک متقی نہیں بن سکتا جب تک اپنے نفس کے لئے اس سے زیادہ محاسبہ کرنے والا نہ بنے جتنا کر شریک اپنے شریک کے لئے محاسب ہوتا ہے اسکی وجہ سے کہا گیا نفس شریک دسترخوان کے طرح ہے اگر تو اسکا محاسبہ نہیں کرے گا تو وہ تیرے مال کو لے جائے گا۔

۶. امام احمد نے وہب کے حوالے سے ذکر کیا فرمایا: "آل داؤد کے حکمت میں لکھ ہوا ہے عقل مند آدمی پر ضروری ہے کہ چار گھڑے وں سے غافل نہ ہو:

- ✓ وہ گھڑی جس میں وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔
- ✓ وہ گھڑی جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے۔
- ✓ وہ گھڑی جس میں وہ اپنے بھائے وں کے ساتھ ہوتا ہے جو اسے اسکے عیوب کے بارے میں خبر دے تے ہو اور اسکی ذات کے بارے میں اسکو صاف بتاتے ہو۔
- ✓ اور وہ گھڑی جس میں وہ اپنے نفس اور حال خواہشات کے درمیان تنہائی کرتا ہے کیونکہ ان گھڑے وں میں ان اوقات پر مدد ہے اور یہ دلوں کو جمانے والی گھڑے ال ہیں۔"

۷. اخف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ چراغ کے پاس آتے پھر انگلی اس پر رکھتے پھر فرماتے اے اخف تیرے اوپر افسوس ہے کس چیز نے تجھے تیار کیا کہ تو فلاں دن فلاں کام کرے کس چیز نے تجھ کو آمادہ کیا کہ تو فلاں دن فلاں کام کرے۔

۸. حضرت حسن نے فرمایا: "مومن اپنے نفس پر قوی ہوتا ہے۔ اللہ کی خاطر اپنے نفس کا حساب رکھتا ہے اور جن لوگوں نے دنیا میں محاسبہ نفس کئے رکھا ان کیلئے حساب قیامت آسان ہو گا اور جن لوگوں نے یہ امر بغیر محاسبہ کے اختیار کیا ان پر حساب بڑا بھاری ہو گا۔

۹. مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحمت فرمائے جس نے اپنے نفس سے کہا، "کیا تو ایسا ساتھی ہے جس نے یوں کیا اور یوں کیا۔ پھر اس نفس کو مورد الزام ٹھہرائے اور اس کو روند لے پھر اس کو کتاب اللہ کا پابند کرے جو اسکا رہنما ہو جائے۔

۱۰. ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۳۰ صحابہ رضی اللہ عنہ کو پایا سارے کے سارے اپنے اوپر نفاق کا خوف رکھتے تھے ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو یہ کہے کہ وہ جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کے برابر ایمان کا حامل ہے یعنی ان جیسے ایمان والا ہے۔

۱۱. سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اے حذیفہ کیا میں ان میں سے یعنی منافقین میں سے ہوں۔

۱۲. امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو صحابہ رضی اللہ عنہ کے احوال میں غور کریگا تو وہ انکو اس حال میں پائے گا کہ وہ انتہائی عمل کرنے والے تھے اور اس کے ساتھ عمل میں کمی سے انتہائی خائف رہتے تھے اور ہم نے تو اعمال میں کمی

بلکہ انتہائی کمی کی اور مطمئن ہیں۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات اور اپنے زمانے کے بارے میں یوں کہہ رہے ہیں۔ تو آج ہم اپنے اور اپنے زمانے کے بارے میں کیا کہیں گے۔

لہذا مسلمان کو اپنے اوقات کو ضائع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اے مسلمان یہ تیرا سب سے قیمتی مال ہے پس تو جب تک اپنے سرمائے کو اس المال پر قادر رہے تو نفع پر قادر رہے گا درحقیقت آخرت کا سامان آج کل مندے کا شکار ہے تو تو کوشش کر یہاں تک کہ تو مندے کے وقت میں آخرت کی پونجی کو جمع کر لے کیونکہ یہ اس دن کام آئے گا جس دن یہ پونجی بڑی قیمتی بنے گی تو تو اس مندے کے دن میں اس دن کے لئے خوب عمل کر لے کیونکہ تو اس دن انکے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو گا۔

وہ اسباب جو محاسبہ نفس میں مدد کرتے ہیں

ذیل میں ایسے اسباب ذکر کیے جا رہے ہیں جو انسان کے محاسبہ نفس پر معاون مددگار ہوتے ہیں اور ان اسباب عمل کرنے سے اس پر محاسبہ آسان ہو جاتا ہے۔

ا۔ اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ جب بھی میں آج کے دن نفس کے محاسبہ میں کوشش کروں گا تو اس سے کل آرام پاؤں لگا اور اگر میں نے آج کے دن نفس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تو کل اس پر عذاب سخت ہو گا۔

ب۔ محاسبہ نفس اور مراقبہ نفس کا نفع جنت الفردوس میں ٹھکانہ اور اپنے رب کے چہرہ کی زیارت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و صالحین اور اہل فضل کا پڑوس ہے۔

ت۔ اسی طرح ان نتائج پر غور کرنا جو محاسبہ نفس کے چھوڑنے سے پیدا ہوتے ہیں جیسے ہلاکت و خسران اور دخول فی النار اور اللہ تعالیٰ سے پردہ اور اہل کفر اور گمراہی اور اہل خبیث کا پڑوس۔

ث۔ نیک لوگوں کی صحبت جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتے اور اس کے عیوب پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کی صحبت کو ترک کرنا۔

ج۔ اہل محاسبہ کی خبروں میں غور کرنا اور اپنے نیک اسلاف کی اس سلسلے میں پیروی کرنا۔

ح۔ قبروں کی زیارت کرنا اور ان مردوں کے احوال میں غور و فکر کرنا جو اب مرنے کے بعد محاسبہ نفس کی استعداد نہیں رکھتے۔

خ۔ دعوت و تبلیغ، علم، وعظ اور نصیحت کی مجالس میں حاضر ہونا کیونکہ یہ محاسبہ نفس کی طرف بلاتی ہیں۔

د۔ رات کا قیام کرنا و قرآن پڑھنا اور مختلف قسم کی طاعات سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

ذ۔ تماشوں غفلت کی جگہوں سے دور رہنا کیونکہ یہ چیزیں انسان کو محاسبہ نفس بھلا دیتی ہیں۔

ر۔ اللہ کا ذکر کرنا اور اپنے اندر اللہ کا دھیان پیدا کرنا اور اس سے دعا کرنا کہ وہ اہل محاسبہ میں سے بنادے اور یہ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہر خیر کی توفیق دے۔

ز۔ اپنے نفس کے بارے میں براگمان کرنا کیونکہ نفس کے بارے میں حسن ظن محاسبہ نفس کو بھلا دیتا ہے اور کثر انسان اپنے حسن ظن کے سبب اپنے عیوب اور برائیوں کو کمال سمجھتا ہے۔

ہر محتاط اور اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے پر لازم ہے کہ اپنے نفس کے محاسبہ سے غافل نہ ہو اور نہ ہی نفس کی حرکات و سکنات میں تنگی کرنے سے غافل ہو کیونکہ زندگی کی سانسوں میں سے ہر ایک سانس بہت قیمتی ہے ممکن ہے کہ انکے ذریعے سے ایسا خزانہ خرید لیا جائے جسکی نعمتیں کبھی بھی ختم نہ ہوے ان سانسوں کا مالک وہ چیزیں بھی خرید سکتا ہے جو اسکی ہلاکت اور خران عظیم کو واجب کرتی ہیں جن سے صرف سب سے بڑا جاہل آدمی ہی صرف نظر کر سکتا ہے اور وہ آدمی جو سب سے زیادہ بیوقوف اور کم عقل ہو۔

اور یوم تغابن (ہار جیت کا دن) کو اس خسران کی حقیقت ظاہر ہو جائیگی (اس دن ہر نفس اپنے کئے کو حاضر پائے گا
ے اوہ برا عمل جو سامنے کیا خواہش کرے گا کہ کاش اس کے اور اسکے اعمال کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔ (آل عمران ۳)

توبہ بن الصمرہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والوں میں سے تھا اس نے ایک دن حساب کیا تو وہ ساٹھ سال کا تھا پھر اس نے دنوں کا حساب کیا تو وہ ۲۵ بنے تو وہ چیخ اٹھا اور کہا اے حسرت! کیا میں اکیس ہزار گناہوں کے ساتھ اپنے رب سے ملونگا حالانکہ ہر دن میں ہزاروں گناہ ہوتے ہیں۔ پھر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا دیکھا تو اسکی روح پرواز کر چکی تھی پھر لوگوں نے ایک کہنے والے کو سنا "اے آدمی تیری منزل جنت الفردوس ہے۔"

محاسبہ نفس کی کیفیت

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ محاسبہ نفس تلاوت کرنے والے کی طرح ہے۔ پھر منہیات کو دیکھے اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اس نے ان میں سے کسی کا ارتکاب کیا ہے تو اس کو توبہ استغفار اور گناہ مٹانے والی نیکیوں سے دور کر دے۔

تیسرے غفلت پر نفس کا محاسبہ کرے اور اسکا ذکر کر کہ ذریعے سے تدارک کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر۔ چوتھے اعضاء کی حرکت پر محاسبہ کرے زبان کی باتوں پر، دلوں پاؤں کے چلنے پر اور ہاتھوں کے پکڑنے پر اور آنکھوں کے دیکھنے پر اور کانوں کے سننے پر کہ تو نے اس سے کیا چاہا اور کس کے لئے کیا اور کیوں کیا۔

محاسبہ نفس کے فائدے

- ۱۔ محاسبہ کے بہت سے فائدے ہیں۔
- ۲۔ اپنے نفس کے عیوب پر باخبر ہونا اور جو اپنے نفس کے عیب پر مطلع نہیں ہو تو اس کو اس عیب کا ہٹالینا بھی ممکن نہیں۔
- ۳۔ توبہ اور ندامت اور مافات کا زمانہ امکان میں تدارک۔
- ۴۔ اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچاننا کیونکہ محاسبہ نفس کی اصل یہ ہے کہ نفس اللہ تعالیٰ کے حق میں جو کمی کرتا ہے اس کا حساب لگائے جائے۔
- ۵۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندے کا عاجزی اور ذلت کا اظہار کرنا۔
- ۶۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی، معافی اور رحمت کا پہچاننا۔ اس بات میں انکی گناہوں اور خطاؤں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انکو عذاب نہیں دیا۔
- ۷۔ نفس سے بعض رکھنا اور اس میں عیت لگانا اور عجب اور عمل کی ریاسے خلاصی پانا۔
- ۸۔ نیکیوں کے کرنے میں اور گناہوں کے چھوڑنے میں انتہائی کوشش حقوق کو انکے اہل کے طرف لوٹانا اور اچھے اخلاق اور محاسبہ نفس کے سب سے بڑے ثمرات میں سے ہیں۔

فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی سے کہا "تیری عمر کے کتنے سال گزر گئے؟" اس نے جواب دیا ۶۰ سال فرمایا تو ساٹھ سال سے اپنے رب کی طرف چل رہا ہے اور اب عنقریب پہنچنے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہم تو مفلس اسکو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ رہم ہوتا ہے اور نہ سامان فرمایا "میری امت میں سے مفلس آدمی وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لیکر آئے گا پھر ہو آدمی آئیگا جس کو اس نے گالی دی ہوگی اور اسکا مال کھائے اور اسکا خون بہایا اور اسکو مارا لہذا ہر ایک کو اسکی نیکیوں میں سے دیا جائیگا پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اس کے اوپر جو ادائیگی کرنی ہے تو ان لوگوں کی خطاؤں کو لیا جائے گا پھر اسکے اوپر ڈالی جائیں گی پھر وہ جن میں پھینک دیا جائے گا۔

(مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کی طرف خط لکھا کہ "شدت کے محاسبہ کرنے سے قبل آسانی میں ہی اپنے رب کے احکامات کے پورا کرنے کا محاسبہ کر لیا کرنا، جس نے شدت کے محاسبہ کرنے سے قبل آسانی کے دوران ہی اپنا محاسبہ کر لیا اس کا

کام رضا و خوشی سے انجام پذیر ہو گا اور جسے اس کی زندگی نے لہو و لعب میں لگائے رکھا اور شہوتوں نے اسے مشغول کئے رکھا تو اس کا انجام ندامت و خسارہ ہی ہو گا۔

محاسبہ نفس کی دو قسمیں ہیں:

✓ ایک قسم عمل سے قبل محاسبہ کرنا

✓ دوسری قسم عمل کے بعد

پہلی قسم عمل سے قبل محاسبہ

عمل سے قبل محاسبہ یہ ہے کہ انسان نفس کے کسی برائی کے ارادہ کرتے ہی اس سے رک جائے، اس وقت تک برائی کو نہ کرے حتیٰ کہ اسے اس برائی کے ترک کرنے کا اس کی طبیعت میں رجحان پیدا ہو جائے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کریں جس نے اپنے نفس کے برائی کے ارادہ کرتے ہی اسے اس روک لیا، اب غور کیا اگر وہ کام اللہ کیلئے تھا تو کر لیا اور اگر وہ اللہ کے غیر کیلئے تھا تو اسے مؤخر کر دیا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ عمل کے بعد محاسبہ نفس

اس کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم

پہلی قسم یہ ہے کہ نفس کا محاسبہ نیکی کرنے پر کیا جائے جس میں تفصیر صادر ہو گئی ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کے حق کے مطابق نہ کیا گیا ہو، نیکی میں اللہ تعالیٰ کا حق چھ امور ہیں:

- عمل میں اخلاص
- اس میں اللہ کے خیر خواہی
- اس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع
- اس میں احسان ہو
- اللہ تعالیٰ کا مشکور ہو

• اس پر تقصیر کا اعتراف ہو

اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ کیا اس نے اس طرح عمل کیا ہے

دوسری قسم

ہر اس عمل پر محاسبہ کرے جس کا چھوڑنا اس کے کرنے بہتر تھا

تیسری قسم

کسی عام اور مباح عمل پر محاسبہ کرے کہ اس نے اسے کیوں کیا، کیا اس نے اللہ اور آخرت کیلئے کیا تو وہ کامیاب رہا اگر اس نے دنیا اور اس کے فائدے کیلئے کیا تو اس فائدے کا اس نے نقصان کیا اور اس عمل کی کامیابی فوت ہو گئی۔

تیسری فصل: ساتھیوں کی فکر، محاسبہ اور نگرانی

ذمہ دار و بڑے کی نگرانی اور ساتھیوں کو فکر مند کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ارشاد ہے:

{الَّذِينَ ابْتَغَتْهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ} (الحج: ۴۱)

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"

اس آیت کریمہ کی تشریح میں ذکر ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ہمیں اپنے دیار و گھروں سے ظلم نکالا گیا، کیونکہ ہم نے "ربنا اللہ" کہا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں زمین پر تمکین عطا فرمائی پھر ہم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اچھی باتوں کا حکم کیا اور بری باتوں سے منع کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ارشاد ہے

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ} (التحریم: ۶)

ترجمہ: "مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"

یعنی جس کام کا حکم دیا جائے اسے کرو! اور جس سے منع کیا جائے اس سے منع ہو جاؤ! اور اپنے اہل و عیال کو اللہ طاعت کا حکم کرو! اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معصیت سے منع کرو! یہ کام بہترین ادب سکھانے اور اولاد کو دین و خیر سکھانے کے ذریعے، تاکہ عظیم آگ اور پتھروں کی بارش سے بچ سکو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ارشاد ہے

{إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ} (النساء: ۵۸)

ترجمہ: "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو!" مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں خطاب تمام لوگوں کو ہے اور تمام قسم کی امانتوں کو شامل ہے، جن ذمہ دار اور نگران بھی شامل ہیں، کہ وہ اپنی نگرانی و ذمہ داری کی امانت میں عدل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ارشاد ہے

{وَأَقِمْ وَابْنِ اللَّهِ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ} (الحجرات: ۹)

ترجمہ: "اور انصاف سے کام لو۔ کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے" اس آیت شریفہ میں ولایت و ذمہ داری کے حاملین کے لئے امر ہے کہ وہ عدل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ذمہ دار کی نگرانی کے متعلق احادیث بہت سی ہیں، من جملہ ان کے یہ ہیں:

"تم سب ذمہ دار ہو اور اپنے ماتحتوں (جن کی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے) کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا، امام بھی ذمہ دار ہے اس سے اپنے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا، آدمی بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اپنے ماتحت کے متعلق پوچھا جائے گا، اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے متعلق سوال ہو گا، اور نوکر اپنے مالک کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس ماتحتی کے متعلق پوچھا جائے گا، تم سب ذمہ دار ہو اور اپنے ماتحتوں (جن کی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے) کے متعلق تم سے جواب طلبی ہو گی۔"

(ریاض الصالحین ص: ۲۲۰)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ "جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور کا والی و ذمہ دار بنایا تو اس نے ان کی حاجت اور ضرورت و فقر دور کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی حاجت و ضرورت و فقر کو دور کریں گے۔"

(ریاض الصالحین ص: ۲۲۱)

ایک حدیث میں ہے کہ مقسطین یعنی عدل کرنے والے اللہ کے دربار میں نور کے ممبروں پر ہونگے، جو اپنے حکم اور اپنے اہل اور ان لوگوں پر عدل کریں جن کے وہ ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عہدوں پر موجود حضرات کا احتساب اور ان کی فکر کرنا

احتساب: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سب سے نمایاں شے عہدیداران حکومت کا احتساب ہے۔ حکومت کے نظم و نسق کی درست رکھنے کے لئے عہدیداران کا احتساب ایک نہایت ضروری چیز ہوتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں کبھی نہیں چوکے، وہ خود بھی اپنے آپ کو عوام کے سامنے احتساب کے لئے پیش کرتے تھے اور رعایا کا ہر شخص ان کا محاسبہ کر سکتا تھا، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ عامل حکومت کے تقرر کے وقت ایک پروانہ اسے دیا جاتا تھا جس میں اس کے اختیارات و فرائض کی تفصیل و تصریح ہوتی تھی۔ آپ سمجھتے تھے کہ حکومت کے عہدیدار اگر پر تکلف زندگی گزارنے لگے اور عوام سے دور ہو گئے اور عوام اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ ہو گئی تو وہ ان کی خدمت نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ گورنر ہاؤس کو دروازہ لگانے کی اجازت نہ تھی۔ گورنروں کو نہایت سادہ زندگی گزارنے کا حکم تھا۔ وہ باریک کپڑے نہیں پہن سکتے تھے، دروازہ پر دربان نہیں رکھ سکتے تھے، ضرورت مندوں کے لئے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا ہونا لازمی ہے۔

(سیرت سیدنا عمر ص نمبر ۴۹۷)

انتظامی نگرانی کرنے والا اپنے کردار میں دوسروں کیلئے بہترین نمونہ

اپنے ماتحتوں کی نگرانی کرنے کیلئے وہ اپنے اخلاق و حسن سلوک و طرز عمل میں ان کیلئے بہترین نمونہ ہوتا ہے، جس سے اس کی نگرانی اور رہنمائی اور راہ بری ان کے لئے قابل اطاعت و فرمان برداری اور قابل قبول و قابل اقتداء ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے

{وَمَا أَرِيدُ أَنْ أَحَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَهْأَكُمُ عَنْهُ إِنِّي أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ

تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ} (ہود: ۸)

ترجمہ: "اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔ میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں"

تفسیر میں ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تم کو ایسی بات سے منع نہیں کرتا کہ علیحدگی میں مخفی طور پر میں اس کے خلاف عمل کرتا ہوں، یعنی میں تمہیں ایسے کام سے کام نہیں کرتا جس کی خلاف ورزی میں خود کرتا ہوں۔ صاحب فتح القدیر نے اس سے بھی باریک وضاحت کی ہے کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم تجارت میں ناپ تول میں نہ کمی کرو اور میں خود ایسا کرتا ہوں فی الواقع یوں نہیں ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے روز لائے جائے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو اس کے پیٹ کی انٹریاں باہر آجائیں گی اور اس کے گرد ایسے گھومنے لگیں گی جیسے گدھا چکی کے گرد کھوم (کراسے چلا) تاہے، تو اس دوزخی لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے ارے فلاں تمہیں کیا ہوا، کیا تم اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع نہیں کرتے تھے؟ تو وہ کہے گا کہ ہاں میں اچھی باتوں کا حکم تو کرتا تھا لیکن خود اسے بجا نہیں لاتا تھا اور بری باتوں سے منع کرتا تھا اور خود ان سے منع نہیں ہوتا تھا (یعنی اس کے قول و فعل میں تضاد تھا) لہذا اس طرح کی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نگرانی کرنے والا فرد اپنے کردار و عمل میں دوسروں کیلئے بہترین نمونہ ہوتا ہے۔

(ریاض الصالحین ص: ۸۲)

اسلامی انتظامی نگرانی مثبت انداز (دعوت، نصیحت و ترغیب) سے کام پر آمادہ کرتی ہے

اسلام میں نگرانی کا مقصد دوسروں کی غلطیاں پکڑ کر ان کی تشہیر کرنا نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کی رہنمائی اور دین و اسلامی تعلیمات کے مطابق کام کو سرانجام دینے میں ان کی معاونت کرنا ہوتا ہے، یہ وہ طریقہ ہے جو نگران وزیر نگر کے درمیان تعلق کو مزید استوار اور مضبوط کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مؤمن مؤمن کا آئینہ ہوتا ہے اور مؤمن مؤمن کا بھائی ہوتا ہے، اس کے نقصان کو اس سے دور کرتا ہے اور اس کو اس کی عدم موجودگی میں دیکھ بھال کرتا ہے۔"

(ابوداؤد شریف)

چنانچہ مسلمان نگران کے ذمے ہے کہ وہ جن کی نگرانی سرانجام دے رہا ہے ان سے ان کے حالات و عقلی سطح کے اعتبار سے ان کی نگرانی کرے، نگرانی کا نفع دینے والا انداز اختیار کرے جس میں اس بات کی وضاحت بھی ہو کہ اس طرح کام سرانجام دینے میں مسلمانوں کا نفع اور ان کی خیر خواہی ہے، اور ان سے غلطیاں اور خلاف ورزیاں سرزد ہونے کی صورت میں انہیں واضح دلائل اور مضبوط ثبوتوں سے قائل کرے اور ایسا انداز اختیار کرے جس میں نرمی و خیر خواہی کا عنصر نمایاں ہو اور

سختی اور ترش روئی نہ ہو، پیار و محبت اور سمجھانے بچھانے سے کسی سے زیادہ بہتر انداز میں کام لیا جاسکتا ہے، اور سختی و شدت اور سزا و جزا سے کام بھی نہیں ہوتا اور ماحول بھی کشیدہ اور تنفر آمیز ہوتا ہے، کسی کام کا خواہ و خیر کا کام ہی کیوں نہ ہو اس کا مکمل ہونا ناممکن ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اصول یقیناً انسان کی بھلائی کیلئے ہیں۔

غرضیکہ اسلامی انتظامی نگرانی کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ کام کرنے والا ساتھی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے اس کی طاعت و فرمان برداری کے جذبہ کی قوت سے امور کو سرانجام دیتا ہے اور اسی جذبہ سے وہ اپنے بڑے کی اطاعت و فرمان برداری کرتا ہے، مسلمان نگران اس صفت کو ساتھیوں میں موج زن کرنے اور اس پر ان کو آمادہ کرنے کیلئے ترغیب و نصیحت اور پیار و محبت سے کے ذرائع کو استعمال کرتا ہے، بنسبت اس کے کہ وہ ان کی پڑھکڑ سے نگرانی کر کے کام کرنے پر مجبور کرے، نیز کام کو سرانجام دینے میں ان کی معاونت اور ان کی رہنمائی سے ان کی مدد و معاونت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے ذمہ کے کاموں کو خوش اسلوبی اور ذوق و شوق سے زیادہ بہتر انداز میں سرانجام دے کر عہدہ بر آہوں، کیونکہ انسان کی فطرت یوں واقع ہوئی ہے کہ پیار و محبت اور فائدہ بتا کر انسان سے بڑے سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے اور زور و زبردستی اور سختی و ترشی سے چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں لیا جاسکتا، یہی وہ طریقہ ہے، جسے انبیائے کرام علیہم السلام استعمال کر کے انسانوں سے کام لینا ہی نہیں بلکہ اس سے مشکل عمل یعنی انسانوں کی زندگیاں ہی تبدیل کرالیا کرتے تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قلیل عرصہ عرب معاشرے کو ہی تبدیل کر ڈالا، اس طریقہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ذمہ لگے ہوئے کام تیزی سے یقینی طور و وقوع پذیر ہونے لگتے ہیں، جس سے نتائج کا حصول یقینی اور تیز تر ہو جاتا ہے اور ہر شعبہ میں کامیابی کا دور دورہ ہوتا ہے اور وہاں بھی نتائج کا حصول ممکن ہونے لگتا ہے، جہاں پر نگرانی کرنا ممکن نہیں ہوتا، یعنی بغیر نگرانی کے نتائج کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔

چوتھی فصل: مروجہ اور اسلامی طرز نگرانی میں نمایاں فرق

گذشتہ تفصیل سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے کہ مروجہ طرز نگرانی انسانیت کیلئے مندرجہ ذیل نقصانات کی حامل

ہے:

۱. نگرانی اور پکڑ دھکڑ کی بہت زیادہ اہمیت اور مروجہ انتظامات میں اس کا غلبہ۔
۲. تکرار اور نظر ثانی کے علاوہ جدید تحقیق کا غلبہ اور مختلف ناموں سے نئے نئے بے شمار انداز کاروبار و اضافہ۔
۳. مروجہ انداز نگرانی میں لادینی سوچ کے غلبہ کی وجہ سے صرف مادی (دنیوی) اہداف کو غرض و غایت ٹھہرانا۔
۴. ایمان و خوف خدا کی بنیاد پر خود احتسابی کی قوتوں کا فقدان اور ان کے فوائد سے محرومی (نگرانی پر نگرانی اور پھر اس کے اوپر نگرانی کا لامتناہی عمل، نگرانی میں سختی اور غلطیوں کے پکڑ کر سزا دینے سے نفرت کا وجود میں آنا)۔

اسلامی طرز نگرانی کی خصوصیات جو انسانیت کیلئے زیادہ مفید و کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں:

- ا. اسلامی انتظامات میں اسلامی طرز نگرانی کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔
- ب. نگرانی کے مفہوم کو زیادہ بہتر انداز میں اسلام نے نمایاں کرنے میں پہل کی۔
- ت. اسلامی انتظامات اپنی نگرانی کے عمل سے طویل عرصہ سے زیادہ بہتر انداز میں انسانیت کو کامیاب کرتے چلے آ رہے ہیں۔
- ث. انداز نگرانی پر ایمانی و دینی پہلو کا غلبہ اور اس کا اثر و فوائد سے مستفید ہونا۔
- ج. اسلامی طرز نگرانی دوہرے مقاصد مادی (دنیوی) و روحانی (آخری) کو پورا کرتا ہے۔

اسلامی اور مروجہ طرز نگرانی میں فکری و نظریاتی اساس اور بنیادی اصولوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان دونوں

طریقوں میں بعد المشرقین کا فرق ہے جسے اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

عنصر	مروجہ نگرانی کا انداز	اسلامی نگرانی کا انداز
اہمیت	مادی و دنیوی مفادات کے حصول کیلئے	امانت و احساس ذمہ داری کی بنیاد پر

نگرانی کی سرگرمی	نگرانی کی سرگرمی	
اسلامی، شرعی (دنیوی و اخروی) انداز کا غلبہ (دنیا و آخرت دونوں کا فائدہ)	لادینی انداز کا غلبہ (دنیا و آخرت دونوں میں نقصان)	تعریف
شرعی و رضائے الہی (دنیاوی و اخروی) بنیاد پر درست و غلط	صرف دنیاوی، مادی، و معنوی لحاظ سے صحیح و غلط	غرض و غایت و اہداف
مستقل مزاج، پائیدار، اس لئے کہ قرآنی و نبوی اصولوں سے معرض وجود میں آنے والی، اسلامی شرعی اصولوں کے مطابق فائدے و نقصانات کی ترجیحات۔	ہر وقت تبدیلی کی زد میں، اس لئے کہ مفادات کے تحفظ کی خاطر انسانی سوچ سے متاثر ہو کر وجود میں آنے والی، جیسے کہ مروجہ تعلیم، مروجہ نظام وغیرہ۔	نظام نگرانی کا مزاج
مختلف و جامع اور کم لاگت اقسام، اس لئے کہ وہ ذاتی نگرانی اور ایمانی قوت و خوف خدا کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔	ناکمل بہت سی اقسام جو ایمان کی کمی کی وجہ سے بہت مہنگی و بلند لاگت والی	اقسام
نگرانی کے مثبت مفہوم کی حامل (ترغیب و نصیحت، پیار و محبت کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر) جو حوصلہ افزاء اور ولولہ انگیز ہونے کے ساتھ نگرانی کرنے والے کی عظمت اور نتائج میں اضافے کا موجب۔	نگرانی کے منفی مفہوم کی حامل (غلطیاں پکڑنا اور سزائیں دینا) جو حوصلہ شکنی اور نکران کی نفرت اور نتائج میں کمی کا موجب۔	وسائل

باب نمبر سترہ

اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:-

◀ پہلی فصل: مروجہ انتظامات کا اخلاقی لحاظ سے جائزہ:-

◀ دوسری فصل: معاشی و اقتصادی منصوبہ بندی میں غیر حقیقی بنیاد:-

پہلی فصل: مروجہ انتظامات کا اخلاقی لحاظ سے جائزہ

مروجہ تجارتی انتظامات پر نظر ڈالیں تو وہ ایسے سکھائے جاتے ہیں جو انسانیت کیلئے اور خود اس منتظم کیلئے غیر مفید بلکہ نقصان دہ ہیں، انتظامات کے طریقہ میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ ایڈمنسٹریشن ایسے کیا جائے کہ اس میں تکبر و بڑائی ہو، کیونکہ بڑائی کے مظاہرے سے دوسرے لوگ آپ کے تابع ہو جائیں گے اور آپ زبردستی اور ان کو مجبور کر کے اپنے احکامات نافذ کریں چاہے وہ احکامات غلط ہی ہوں، ڈانٹ ڈپٹ، توہین و تذلیل اور سزا و سزائش کے ذریعے انتظامات کرنا ہی درست ترتیب ہے۔

جبکہ اس طرز انتظام یعنی نفراوی، شخصی جبر و سختی والے طرز انتظام سے غلط فیصلے ہوتے ہیں اور انسانی فطرت کے خلاف جو پیار و محبت اور شوق و ترغیب سے متاثر ہوتی ہے، کو ڈانٹ ڈپٹ، تحکمانہ رویہ، رعب و دبدبہ، اور سزا و سزائش سے، استعمال کیا جائے اور ان سے احکامات پر عمل درآمد کیا جائے، تو اس کے نتیجے میں انسانی دل میں بغض و نفرت پیدا ہوتی ہے، اور معاشی ضرورت اور اپنی خدمات کے معاوضہ کے لالچ کی وجہ سے اس طرز انتظام سے فرضی و ظاہری اطاعت اور پیٹھ پیچھے نفرت وجود میں آتی ہے۔ کیونکہ اپنے بڑے کی عظمت و جذبہ اطاعت نہ ہونے سے اور پکڑ دھکڑ، احتساب (آڈٹ، سپرویشن، نگرانی) جیسے ہتھ کنڈوں سے مکمل اطاعت اور احکامات پر عمل درآمد نہیں کروایا جاسکتا ہے، خاص کر کام کے ان حصوں و گوشوں میں جہاں انسان اکیلا ہوتا ہے اور جہاں اس کی نگرانی نہیں کی جاسکتی یا جن کاموں کا آڈٹ نہیں کیا جاسکتا وہاں خیانت کو روکنا اور بڑے کی اطاعت و احکامات پر عمل درآمد ناممکن ہوتا ہے۔

اس کے مقابلے میں اگر انسان کو سمجھا بچھا کر اور ترغیب کے ذریعے اور اس کا دل جیت کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے تو یہ ترتیب انتظام زیادہ آسان اور سہل ہونے کے ساتھ ساتھ یقینی ہے اور اس کے نتیجے میں اس انسان کو ہر سے اور ہر وقت دل

دین کا احیاء۔ اسلامی تجارت۔ دوسرا حصہ۔ (مسودہ) باب نمبر سترہ: اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق

سے اطاعت پر تیار کر کے کام لیا جاسکتا ہے۔ اور خوش لباسی اور اچھے و بڑھیا کپڑے و ملبوسات زیب تن کر کے اور ان سے متاثر کرنے انتظامات کرنے اور اطاعت کروانے سے آسان اور سستی ترکیب ہے، مال و دولت کی بنیاد طبقاتی تفریق اور اس جیسے دیگر نظریات کو بنیاد بنانے اور اسی طرح کی دیگر گھٹیا صفات کو اختیار کرنے والے منتظمین میں اچھی صفات سے محرومی اور اس کو خوش لباسی و خوش گفتاری جیسے حربوں سے متاثر کر کے اطاعت کروانے کی بے سود مشق اور اس پر مال کا ضیاع سے بھی بچت ہو جاتی ہے۔

دوسری فصل: معاشی و اقتصادی منصوبہ بندی میں غیر حقیقی بنیاد

[Comment A33]: اس مضمون کی

نظر ثانی کرنی ہے اور بہتر انداز میں مرتب کرنا ہے۔

اس فہرست کو اوپر کے اضافہ کے بعد اس کے مطابق تازہ کرنا

اسلامی اور غیروں کی طرز تجارت اور اس کے انتظامات میں فرق کا جائزہ		
غیروں کی طرز	اسلامی طرز	
مقصد: خدمت کے جذبات کے بغیر، تجارت سے مال پیدا کرنا، دولت بڑھانا۔	مقصد: رفائی تجارت سے انسانیت کو مفاد عامہ کی ضروریات بہم پہنچا کر خدمت خلق کرنا، ضمنا اپنی ضروریات کے لئے جائز منافع لینا۔	
غرض و غایت: خود غرضی و مفاد پرستی، حرص و طمع اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ۔	غرض و غایت: نفع رسانی، مفاد عامہ (خیر الناس من ینفع الناس)۔	
انتظامات: ایڈمنٹریشن و ڈکٹیٹر شپ کے اصولوں کے ذریعے فیصلے اور ان کو زبردستی لاگو کرنا، چاہے وہ غلط ہی ہوں۔	انتظامات: مشورہ، استخارہ و دعاؤں کی مدد سے بہترین فیصلے، برے نتائج و انجام سے حفاظت۔ (ماخبا من استخار ماندم من استشار)	
طرز انتظام: (ڈیوائنڈ اینڈ رول) انسانوں کو تقسیم کے ذریعے کمزور کر کے، ان پر قابو پانا، اور اس کے نتیجے میں ان کی کارکردگی کو نقصان پہنچانا۔	طرز انتظام: انسانوں میں اجتماعیت اور آپس میں جوڑ پیدا کر کے زیادہ بہتر طریقے سے ان سے کارکردگی حاصل کرنا۔	
طریقہ: ڈانٹ ڈپٹ، توہین و تذلیل اور سزا و سرزنش کے ذریعے انتظامات۔	طریقہ: اکرام، محبت، ترغیب اور حوصلہ افزائی کے ذریعے انتظامات۔ (الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔) (اخوانکم خولکم جعل ہم اللہ تحت ایدیکم)۔	
مصنوعات: ضرورت، خواہشات، مضر انسانیت، غرضیکہ کسی	مصنوعات: انسانی ضرورت کی اشیاء کی تجارت۔	

دین کا احیاء۔ اسلامی تجارت۔ دوسرا حصہ۔ (مسودہ) باب نمبر سترہ: اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق

اخلاقی و مذہبی قید کے بغیر، ہر منافع بخش چیز کی تجارت۔		
میدان: تجارت میں تقویٰ و طہارت اختیار کرتے ہوئے، ضرورت مندوں اور کمزوروں کا صرف حاجت والا سامان اور ضرورت کی اشیاء مہیا کرنا۔	میدان: زور دار تشہیر و تسویق (مارکیٹنگ) کے ذریعہ خواہشات پر ابھار کر، ہر مفید و غیر مفید اشیاء کو منافع کی غرض سے فروخت کرنے پر زور۔	
مقابلہ: حریف اور دوسرے چھوٹے تاجر کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی اور ان کے ساتھ تجارت میں تعاون۔	مقابلہ: تجارت میں مقابلہ (کمپی ٹیشن) کی حوصلہ افزائی، ہر بڑی مچھلی کو اپنے سے چھوٹی کو ہڑپ کرنے کی ترغیب۔	
پابندی: ذرائع طلب و رسد کیلئے اخلاقی و دینی پابندی، تاکہ وہ انسانیت کیلئے مضرت رسا نہ ہو جائیں۔	پابندی: ذرائع طلب و رسد کو ہر قسم کی اخلاقی و مذہبی پابندی سے آزاد کرنا اور جائز و ناجائز اور ضرر رسانی کا احساس کیئے بغیر، ہر طرح سے، زیادہ سے زیادہ، مال و دولت بنانے کا پابند کرنا۔	
اسلامی اور غیروں کی طرز پر تجارت و انتظامات کے نتائج کے فرق کا جائزہ		
اسلامی طرز انتظامات کے نتائج	غیروں کے طرز انتظامات کے نتائج	
تجارت کا مقصد خدمت خلق و نفع رسانی ہونے سے: کمزوروں اور طبقات کے پسے ہوئے لوگوں کا بھی ضرورت کی اشیاء کا حصول ممکن۔	تجارت سے مال و منافع کو مقصد بنانے سے: صرف مالداروں کا ہی فائدہ، اور غرباء کی حوصلہ شکنی و حقوق تلفی۔	
تجارت میں بقدر ضرورت جائز منافع اور ناجائز منافع خوری سے اجتناب۔	ناجائز منافع خوری کی حوصلہ افزائی اور اس سے معاشرے کی حق تلفی۔	
ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی سے پرہیز۔	ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کا رجحان بلکہ معاشرے کا ناسور بننا۔	
خریدار کی خدمت اور نفع رسانی کی غرض سے اس کے ساتھ سچائی و امانت داری اور اچھے اخلاق سے پیش آنا۔	منافع اور دولت کے لالچ میں پڑ کر، خریدار کو دھوکہ دینا، بددیانتی و بے ایمانی اور بد اخلاقی سے پیش آنا، ظاہری اخلاق کا مظاہرہ اور وہ بھی منافع اور پیسے کی غرض سے۔	

دین کا احیاء۔ اسلامی تجارت۔ دوسرا حصہ۔ (مسودہ) باب نمبر سترہ: اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق

خریدار کی زیادہ سے زیادہ خدمت اور اس کے ساتھ لگاؤ کی وجہ سے سامان میں عمدگی، معیار کو برقرار رکھنا بلکہ نمونے سے بھی بڑھیا سامان مہیا کرنا۔	زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی غرض سے گھٹیا اور کم معیار کا سامان بنانا / مہیا کرنا، اور معیار سے اچھا بنانا تو ناممکن ہی ہے۔
ناپ تول کو پورا رکھنا بلکہ جھکتا تولنا۔	ناپ تول میں کمی کر کے زیادہ سے دولت کمانے کی کوشش، زیادہ سے زیادہ پورا پورا تولنا، جھکتے تولنے کا تو تصور نہیں۔
انتظامات میں اسلامی تعلیمات کو اپنانے سے:	غیروں کے طرز انتظامات اختیار کرنے سے:
مشورہ، دعا و استخارہ کی وجہ سے بہترین فیصلے۔	انفرادی، شخصی طرز انتظام سے غلط فیصلے۔
انسانوں میں اجتماعیت اور آپس میں جوڑ پیدا کر کے، ان کو مضبوط کر کے ان سے زیادہ بہتر کارکردگی حاصل کرنا۔	(ڈیوائنڈ اینڈ رول) انسانوں کو تقسیم کے ذریعے کمزور کر کے ان پر قابو پانا، کے فارمولے سے انسانیت میں تقسیم در تقسیم اور ان میں اجتماعیت کے فقدان سے ان کی کارکردگی کم ہو جانا۔
ترغیب و افہام و تفہیم اور تواضع و انکساری اختیار کر کے اور دل جیت کر، دل و جان سے مکمل تابعداری و اطاعت کروانا۔	ڈانٹ ڈپٹ، تحکمانہ رویہ، رعب و دبدبہ، اور سزا و سرزنش سے دل میں بغض ہونے سے فرضی و ظاہری اطاعت اور پیٹھ پیچھے نفرت۔
ایمان، خوف خدا، خود احتسابی اور دل میں نظم و ضبط کے جذبہ کو بیدار کر کے بغیر نگرانی و احتساب کے، ہر جگہ حتیٰ کہ اکیلے و تنہائی میں بھی اطاعت و عمل کو یقینی اور بہتر طریقے سے نافذ کروالینا۔	عظمت و جذبہ اطاعت نہ ہونے سے پکڑ دھکڑ، احتساب (آڈٹ، سپرویشن، مانیٹرنگ) جیسے ہتھ کنڈوں سے بھی اطاعت و عمل درآمد نہ کرواسکنا۔
ایمان و خدمت خلق کے بنیاد بنالینے سے اچھی صفات و خوبیوں کا حصول جس سے خوش لباسی جیسے ہتھ کنڈوں سے عدم احتیاجی اور مال و توانائی کے ضیاع سے بچت۔	مال و دولت کو طبقاتی تفریق جیسے نظریات کو بنیاد بنانے اور اسی طرح کی دیگر گھٹیا صفات کو بنیاد بنانے سے، اچھی صفات سے محرومی کو، خوش لباسی و خوش گفتاری جیسے حربوں سے متاثر کر کے اطاعت کروانے کی بے سود مشق اور اس پر مال کا ضیاع۔

اسلامی انتظامات کا غیروں کے مروجہ طرز انتظامات سے فرق

اسلامی طرز انتظامات	غیروں کے مروجہ طرز انتظامات
۱	اسلامی انتظامات میں زیر استعمال آنے والے ایسے طریقے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طبقات و افراد کے ساتھ استعمال کیا، جو سب کیلئے یکساں نافع۔
۲	اسلامی طرز انتظامات چودہ سے سال سے آزمودہ اور وہ قیامت تک ہر زمان و مکان اور ہر طرح کے حالات کا حل مہیا کرتے اور ان میں یکساں نافع ہیں۔
۳	انسان کو انتہائی عظمت دینا اور اسے دنیا کی تمام مخلوقات سے افضل گردانا اور سابقہ امتوں سے اشرف۔
۴	انتظامات کے اسلامی اصول کامل مکمل اور جامع ہیں ان کو ایک دوسرے سے الگ کر کے یا کچھ کو نظر انداز کر کے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔
۵	اسلام کے تعلیم کردہ طریقے مثلاً ترغیب سے انسان کو کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرنا یا محبت و پیار سے کسی کو غلطی سے ہٹانا، یا حوصلہ افزائی کر کے ساتھیوں کو آگے
	انتظامات کے جدید طریقے ایجاد کئے جا رہے ہیں ان میں سے کچھ غیر فطری اور انسانیت کیلئے نقصان دہ ہیں جن سے منفی نتائج وجود میں آتے ہیں۔ اور جو درست ہیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع اسلام میں استعمال کر کے ان کی حقانیت کو انسانیت کے سامنے نمایاں کر کے ان کی افادیت کو کر دیا تھا۔
	پہلی جنگ عظیم سے ان کی ابتداء ہوئی اور موجودہ دور میں ان کی خرابیاں سامنے آرہی ہیں، جن کا حل کوئی نہیں سوائے اسلامی طرز انتظامات کے۔
	انسان کو گھٹیا سمجھنا (مثلاً بندر کی اولاد قرار دینا) اور اس کو کائنات میں ذریعہ پیداوار چیز قرار دینا۔
	ہر شعبے کے لئے الگ انتظامی اصول و قواعد جو اس کے مخصوص حالات اور ضرورت کو مد نظر رکھ کر وجود میں لائے گئے، وہ دوسرے شعبوں کیلئے نقصانات اور منفی نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔
	پکڑ دھکڑ، ماتحتوں کی غلطیاں ڈھونڈ کر ان کو سزا دینا، بڑے کی دہشت قائم کر کے ماتحتوں کو اطاعت پر مجبور کرنا، اسی قبیل کے دوسرے ہتھکنڈے وغیرہ ماتحتوں پر منفی اثرات

دین کا احیاء۔ اسلامی تجارت۔ دوسرا حصہ۔ (مسودہ) باب نمبر سترہ: اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق

	بڑھانا اور ان سے کام لینا یہ ایسے طریقے ہیں جن کے ادارے میں نتائج مثبت واقع ہوئے ہیں نہ کہ منفی۔	مرتب کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔
۶	معنوی بنیادوں پر عمل کیلئے ابھارنے کی حکمت۔	مادی ذرائع کو عمل پر اکسانے کا ذریعہ بنانا۔
۷	اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بنیاد اور ربانی عنصر و رحمانی صفات کی اہمیت۔	انسانی و خواہشات غصہ کی ضرورت سے زیادہ اہمیت اور گھٹیا صفات سے مسائل حل کرنے کی کوشش۔
۸	لوگوں کو خواہشات سے ممانعت اور ضرورت کو اسراف کے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑے بغیر پورا کرنے کی حکیمانہ بنیاد۔	لوگوں کی ضرورت پیداوار کی کنجی ہے اور ضرورت و خواہشات میں فرق نہ کرنا، سب کو پورا کرنے کو ضروری قرار دینا۔
۹	فیصلہ تک پہنچنا ساتھیوں کے مشورہ سے یا پھر استخارہ سے۔	بڑے کا ذاتی فیصلہ ہر حال میں ساتھیوں کی رائے پر مقدم۔
۱۰	فیصلہ پر عمل درآمد پیار و محبت و ترغیب اور حوصلہ افزائی سے۔	فیصلہ پر عمل درآمد رعب و دبدبہ اور حاکمانہ طرز اور ڈانٹ ڈپٹ و سزا سے۔
۱۱	اسباب کو اختیار کرنا اور نتائج اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا۔	نتائج کی ذمہ داری کام کرنے والے کے کندھوں پر اسی بنیاد پر اسے تولا جاتا اور اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔
۱۲	کمزوروں کو ساتھ لے کر چلنا، جو انتظامی تقویت کا موجب۔	کمزوروں کو نظر انداز کر کے صرف طاقتوروں کے ساتھ چلنا جو کہ ضعف کی ہمدردی کے فقدان کا موجب۔
۱۳	اسلامی اخوت اور اچھے اخلاق، انتظامات کا بنیادی عنصر۔	اخوت اور اچھے اخلاق ضروری نہیں۔
۱۴	اسلامی انتظامات قرآن و سنت سے وضع شدہ۔	مروجہ انتظامات انسانی فلسفوں، تجربوں و نظریات سے

دین کا احیاء۔ اسلامی تجارت۔ دوسرا حصہ۔ (مسودہ) باب نمبر سترہ: اسلامی اور مروجہ انتظامات میں فرق

۱۵	فرد کا زیادہ سے زیادہ کام کرنا تاکہ قلیل مدتی دنیاوی زندگی سے زیادہ سے زیادہ اخروی مفادات کو حاصل کر کے اس کی تیاری کا بندوبست۔	افراد معاشرہ کا زیادہ سے زیادہ مال و دولت کو حاصل کرنے اور اس سے دنیاوی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پر لذت بنانے کی ہوس، قطع نظر اخروی زندگی کی ضروریات سے۔
۱۶	دوسروں کا احترام اور ان کو حقیر نہ جاننا۔ {یا ایہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم تا ظالمون}	دوسروں کو اپنے سے کمتر جاننا اور خود کو دوسروں سے اعلیٰ و ارفع قرار دینا۔
۱۷	کام کرنے والے افراد کا تقویٰ سے درجہ اور اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ کو تکریم کا ذریعہ نہ بنانا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں صہیب رومی، بلال حبشی، و صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم سب قابل احترام تھے۔ {ان اکرم عند اللہ اتقکم}	انتظامی افراد کو مختلف طبقات میں تقسیم کرنا اور قطع نظر ان کی صفات کے صرف مادی نتائج پر ان کی درجہ بندی کرنا۔
۱۸	ایک دوسرے کے ساتھ مکمل تعاون اور اس کو ساتھ لے کر چلنا۔ مسلمانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ مودت و رحمت کرنے کی مثال ایک جسم کی طرح کی ہے، کہ اس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا ہی جسم جاگ کر اور بخار میں مبتلا ہو کر اس کی تکلیف میں حصہ دار ہوتا ہے۔ (مسلم: ۶۵۲۹ کتاب الادب)	ایک دوسرے سے مقابلہ بازی اور خود آگے بڑھنے اور دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش۔

	ایک اور روایت میں ہے کہ مومن مومن کیلئے بنیاد کی طرح سے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوطی مہیا کرتا ہے۔ (مسلم: ۶۰۲۶)	
۱۹	بلکہ دوسرے کو اپنے سے آگے بڑھانا اور خود پیچھے رہنا۔ (تم میں سے کوئی بھی کامل مومن اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے) (حدیث شریف، بخاری: کتاب الایمان)	ایک دوسرے سے مقابلہ بازی اور دوسرے کو پیچھے کرنا خود اس کی جگہ لینے کی کوشش کرنا۔
۲۰	دوسروں کی کمیاں چھپانا اور ان کی پردہ پوشی۔ (جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کریں) (مسلم، کتاب الادب، باب تحریم الظلم: 6521) {انما المؤمنون اخوة تاتواخویکم} (الحجرات:)	دوسروں کی کمیاں ڈھونڈنا اور ان کو سزا دینا۔
۲۱	دوسروں اور خاص کر ماتحتوں کے ساتھ ظلم و زیادتی سے بچنا بلکہ ان کے ساتھ انتظامات اچھا و طیرہ اختیار کرنا اور اچھے طریقے سے پیش آنا۔ {فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم} (الانفال:)	کام کی ضرورت کیلئے ہر طریقہ و حربہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ذیل میں اسلامی طرز انتظامات کو اختیار کرنے کے فائدے بیان کئے جا رہے ہیں:

۱. کسی بھی معاملہ کی رہنمائی غیروں کے پاس بھی ہے اور اسلام کے پاس بھی اور اسلام کی زیادہ افضل بھی ہے، تو یقیناً مسلمان کیلئے اسلام کی رہنمائی قابل بھروسہ ہوگی۔
۲. کسی بھی معاملہ یا طریقہ میں بجائے غیروں کے طریقے اپنانے کے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنایا جائے تو سنت کو زندہ کرنے کا اجر و ثواب بھی حاصل ہوگا۔
۳. اسلامی طرز انتظامات دین کا حصہ ہیں چنانچہ دین اسلامی کو زندہ کرنے کا موجب ہوگا۔
۴. سو اچودہ سو سالہ تجربہ شدہ طریقہ انتظامات کو اپنانا زیادہ یقینی نتائج کا حامل ہوگا۔
۵. انسانی تجربوں و فلسفوں کی بجائے تعلیمات سماویہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والے انتظامات یقینی فوائد کے حامل ہیں۔
۶. اسلامی طرز انتظامات بار بار کی تبدیلی سے مبرا ہیں۔
۷. انسانی فطرتی تقاضوں کے حامل ہونے کی وجہ سے تیزی سے قابل عمل۔
۸. جامع اور تمام ضروریات کو شامل۔
۹. ایسی بہترین بنیادوں اور صفات کو شامل ہے، جو ادارے کے افراد میں ہم آہنگی قائم کرنے کا موجب۔
۱۰. ایسی صفات کا حامل ہے، جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تقویت مہیا کرتی ہیں، نہ کہ ایک دوسرے سے متعارض کہ ایک کو اپنانے سے دوسرے کو اپنانا ممکن ہوتا ہے۔

صلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

اگلے حصے میں درج ذیل ابواب ہیں:

باب نمبر اٹھارہ: کاروبار شروع کرنا

باب نمبر انیس: اسلامی طریقہء تسویق (مارکیٹنگ)

باب نمبر بیس: خرید کے اسلامی انتظامات

باب نمبر اکیس: فروخت کے اسلامی انتظامات

باب نمبر بائیس: خرید و فروخت کے متعلق شرعی مسائل